ہمیشہ سچ بولیے!

اِسلام میں سچ کی اہمیّت کے رُوحانی اور مادی فوائد، افرادو اشخاص اور مُعاشرے کی اخلاقی تعمیر و تشکیل میں سچ کے کردار، جھُوٹ کی مذمّت اِس کے رُوحانی، مُعاشرتی اور اخلاقی نقصانات، قوموں کے عُروج و زوال اور دُوسروں پر اِن کے اثرات۔ سچ اور جھُوٹ کی قدیم و جدید صُورتوں کے بیان پر مشتمل ایک مُفید کِتاب

مؤلّف
مَولانا آصِف نسیم صَاحب

بیتُ العُلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی، لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

ہمیشہ سچ بولیے!

ہمیشہ سچ بولیے!

اِسلام میں سچ کی اہمیت کے رُوحانی اور مادی فوائد، افراد و اشخاص
اور مُعاشرے کی اخلاقی تعمیر و تشکیل میں سچ کے کردار، جھُوٹ کی مذمت
اِس کے رُوحانی، مُعاشرتی اور اخلاقی نقصانات، قوموں کے عُروج و
زوال اور دُوسروں پران کے اثرات، سچ اور جھُوٹ کی قدیم و جدید
صُورتوں کے بیان پر مشتمل ایک مُفید کِتاب

مؤلف
مولانا آصف نسیم صاحب

بیت العُلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتاب

ہمیشہ سچ بولیے!

مؤلف

مولانا آصف نسیم صاحب

باہتمام

مولانا محمد ناظم اشرف

طباعت بارِ اول

فروری ۲۰۰۹

ناشر

بیت العلوم

ہیڈ آفس: ۲۰۔ نابھہ روڈ چوک پرانی انارکلی۔ لاہور فون 7352483
برانچ: دکان نمبر ۱۳ الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار لاہور فون 7235006
www.baitululoom.com

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

امابعد!

یہ دنیا حق و باطل کی آویزش کی آماجگاہ اور انسانوں کے لیے ایک امتحان گاہ ہے۔ رب تعالیٰ نے اس کائنات میں جس کو سب سے پہلے پیدا کیا حق و باطل کی اس آزمائش میں انہیں بھی مبتلاء کیا ساری انسانیت کے باپ حضرت آدم علیہ السلام رب تعالیٰ نے انہیں دو بیٹوں میں آزمایا کہ دونوں میں باہم حق و باطل کی جنگ چھڑ گئی ایک صدق و صفاء پر ثابت قدم تھا تو دوسرا نفسانی خواہشات میں اندھا ہو رہا تھا مگر کامیاب وہی ہوا جو سچائی پر حق کے ساتھ قائم ہوا اور جو ناحق اور خطا پر تھا وہ ناکام و نامراد ہوا۔

قرآن کریم نے اپنے معجزانہ اسلوب کے ساتھ گذشتہ قوموں کے واقعات اور ان کے نیک و بد اعمال کو ان کے ثمرات و نتائج سمیت اس لئے بار بار ذکر کیا اور یاد دلایا ہے کہ آنے والے قیامت تک کے انسانوں کے لیے سامان عبرت و بصیرت مہیا اور فراہم ہو کہ قرآن کریم کی یہی غرض و غایت ہے۔

انسان کی تخلیق نیک و بد کی دو قوتوں کے امتزاج کے ساتھ ہے کہ اس میں نیکی اور سچائی کی طلب اور ارادہ بھی ہے اور برائی اور جھوٹ کی خواہش اور نیت بھی ہے۔ انہی دو متضاد قوتوں کے درمیان آزمائش و ابتلاء کے ساتھ جنگ اور آویزش ہے، اور رشد و ہدایت اور وصول الی اللہ فقط انہیں ہی نصیب ہوتا ہے جو سچائی پر ڈٹ جاتے ہیں اور غلط کو چھوڑ دیتے ہیں۔ حق و باطل کی یہ جنگ قیامت تک جاری رہے گی کہ ؎

''ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا بہ امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی''

انسان پر اس کے جملہ روحانی یا نفسانی ملکات کا غلبہ یا ان کا مغلوب ہونا ایک اصولی

اور بنیادی صفت پر موقوف ہے اور وہ ہے ''سچائی'' اور ''سچائی'' میں ''صدق واخلاص'' اور ''سچائی کے لیے ہمت وعزیمت'' اس پر ڈٹ جانے کے وقت پیش آنے والے حالات و واقعات کا جرأت ودلیری اور پامردی کے ساتھ مقابلہ کرنا۔

بھٹکی ہوئی انسانیت کو رب تعالیٰ نے جب راہ ہدایت سے بہرہ یاب کرنا تھا اور انہیں مشعل ہدایت دے کر راہ ہدایت پر چلانا تھا تو ایک لافانی ابدی اور آفاقی دستور العمل اور منشور حیات عطا فرمایا، وہ ہے ''قرآن کریم'' تو آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ قرآن ساری انسانیت کو اپنی طرف جب بلانے چلا ہے تو اس نے لوگوں سے مخاطب ہو کر سب سے پہلا اپنا تعارف کن الفاظ میں کرایا ہے'

قرآن کا پہلا ورق الٹیے رب کائنات اپنے بندوں سے ہم کلام ہو رہے ہیں تو پہلی بات پہلی خوشخبری یہ سناتے ہیں کہ ''ہم نے تمہیں ہدایت کی جس نعمت سے سرفراز کیا ہے اور ہدایت کا جو دستور العمل ہم تمہیں دے رہے ہیں وہ نرا سچ محض سچ، بلکہ سچ ہی سچ ہے۔ اس میں کسی قسم کے جھوٹ کی ملاوٹ نہیں ملاوٹ تو کجا جھوٹ کا شائبہ تک نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے،

''الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ'' (البقرہ: ۱۔۲)

''الم۔ یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں ہے''

یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب قیامت تک کے لیے ہدایت اور راہ نما بننے کی سب سے زیادہ مستحق ہے، اس کو رب تعالیٰ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں'

''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ'' (البقرہ: ۲)

''یہ خدا سے ڈرنے والوں کی رہنما ہے''

قرآن خود اپنی تصدیق کرتا ہے کہ یہ ''سچ کا مجموعہ''، ''سچ کی تعلیم'' سچ کی راہ اور ''سچوں کی منزل'' ہے۔ یہ سچ لیکر آیا ہے پہلے سچوں کی تصدیق کرنے آیا ہے سچوں کو نوازنے، انہیں خوشخبری دینے اور کامیاب کرنے آیا ہے۔ اسی لیے یہ قرآن جا بجا سچ کی تعلیم دیتا نظر آتا ہے۔ اس بابت چند آیات ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔

پھر جس انسان کامل پر یہ کامل پیغام اترا قدرت خداوندی کا دست غیب اس کی تائید و حمایت یوں کر رہا ہے کہ ابھی اس ''شرف انسانیت'' نے رب کے پیغام کو وصول بھی نہیں کیا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے پرائے، دوست ودشمن، اجنبی شناسا سبھی تو گواہی دے رہے ہیں کہ یہ شخص ''سچا'' ہی ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ وہ لازوال ''سچا پیغام'' جس ہستی پر اترنے والا تھا وہ اس ہی مقام ومرتبہ کی حامل ہونی چاہیے تھی وہ جب گھر سے باہر نکلتے ہیں تو لوگوں کی انگلیاں اٹھتی ہیں کہ ''وہ دیکھو! اس کائنات کے سب سے سچے انسان جارہے ہیں۔ عنقریب اس کائنات کی خالق ومالک اور سب سے سچی ذات جس نے خود اپنے بارے میں گواہی دی ہے:

''وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا'' (النساء: ۸۷)

''اور خدا سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے؟''

وہ اس پر ایک سچا کلام نازل فرمانے والی ہے جو اپنے سچے ہونے کی خود گواہی دے گا اور یہ ہستی جب رب ذوالجلال کے پیغام کو پہنچانے کی ابتداء کرے گی تو سب سے گواہی ہی اس بات کی لے گی کہ ''کیا کبھی تم نے مجھ پر جھوٹ کا تجربہ کیا ہے''؟ وہ ہستی نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس جب بھی بولے گی سچ ہی بولے گی۔

یقیناً سب سے سچی بات ''رب تعالیٰ کی کتاب'' ہے اسی لئے بدعت کو سب سے بُری بات قرار دیا گیا کہ ''جو بات خود جھوٹ ہو وہ کیا کم بری ہے کہ وہ رب تعالیٰ اور اس کے رسول پر جھوٹ ہو؟ جو بات اللہ کے رسول نے دین بنا کر پیش نہیں کی اس کو دین بنا کر پیش کرنا یقیناً اس کائنات میں نہایت برا اور گھناؤنا جرم ہے۔

اسی لیے شرک کی سزا یہ مقرر کی گئی ہے کہ مشرک معاف ہی نہ کیا جائے اس کی سزا چلتی ہی رہے کہ اس نے وہ جھوٹ بولا ہے جو قیامت لے آنے بلکہ برپا کردینے کے مترادف ہے کہ وہ خدا کا ہمسر ایک ایسی شی کو قرار دینے چلا ہے جو خدائی صفات سے یکسر خالی ہے۔ بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا جھوٹ ہو اس لیے شرک کے مرتکب کو سب سے بڑا بے انصاف یعنی جھوٹا قرار دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے،

''وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ''
(انعام:۲۰)

''اوراس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے خدا پر جھوٹ افتراء کیا یا
اس کی آیتوں کو جھٹلایا''

یقیناً یہ شخص ہی سب سے بڑا ظالم ہے۔

مقام نبوت کی عزت و پاسداری کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس زبان کو جناب رسالت مآب ﷺ پر جھوٹ بولنے سے ہزاروں میل دور رکھا جائے وگرنہ وہ

''جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے''
کی سخت ترین وعید سننے کے لیے تیار ہو جائے۔

اللہ اور اس کے رسول نے سچ کی عظمت کو بلند کیا، سچا بننے کی ترغیب دی، سچوں کے ساتھ رہنے کی تعلیم دی سچ میں نجات اور جھوٹ میں ہلاکت بتلائی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''سچ نجات دیتا ہے اور جھوٹ برباد کرتا ہے''

یہی وہ عیب تھا جس سے آلودہ ہونے سے عہد جاہلیت کا وہ انسان بھی بچتا تھا اور اس کو اپنے لئے شدید عار سمجھتا تھا، جو اپنی باقی عادات میں کسی درندے سے کم نہ تھا۔ اسی لیے جھوٹ اور ایمان ایک قلب میں جمع نہ ہوں گے اور نبی کریم ﷺ نے جھوٹ کو مومن کی شان سے بعید تر بتلایا۔

یہ دنیا دارالامتحان ہے، اس میں سچ اور جھوٹ کی جنگ جاری ہے۔ سچوں کو سعادت مند ٹھہرایا جارہا ہے اور جھوٹے خائب و خاسر ہو کر لوٹ رہے ہیں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کسی کو سچائی میں خوب آزمایا جائے اور اس دنیا میں اس کو اس کا ثمرہ نہ ملے، مگر یاد رکھیے کہ قیامت کے دن سرخروئی انہی لوگوں کو ملے گی۔ قرآن کریم صاف الفاظ میں ارشاد فرما رہا ہے،

''هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ'' (المائدہ:۱۱۹)

''(خدا فرمائے گا کہ) آج وہ دن ہے کہ راستبازوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی''

سچائی کو نیکیوں، نیکوں اور اہل ایمان کی نشانی، علامت اور شعار قرار دیا گیا۔ اور جھوٹ بدبختوں، بروں اور شقیوں کے نصیبے میں آیا۔ جھوٹ کی پرخار وادی میں دامن الجھانے والے اپنی جھولی تار تار کر کے ایمان وعمل کی ساری دولت، پونجی اور سرمایہ لٹا بیٹھے یہ جھوٹ قیامت کے دن منافقوں، کافروں اور مشرکوں کی علامت ہوگا۔

قبر کے سب سے پہلے سوال وجواب کے بعد ہی بندے سچوں اور جھوٹوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے دنیاوی زندگی میں ایمان جو خود ایک سچائی ہے یہی بندے پر سب سے بڑی نعمت ہے، اس کے بعد بندے کو جو سب سے بڑی نعمت ملتی ہے وہ زندگی کے سب کاموں میں توحید سے لیکر معاملات ومعاشرت تک اس کا سچ بولنا اور سچا ہونا ہے۔

اور کفر وشرک جو خود سب سے بڑا جھوٹ ہے یہ بندے کی سب سے بڑی محرومی ہے اور اس کے بعد اس کی نامرادی کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ ہر بات میں جھوٹ بولنے کا، جھوٹ دکھانے کا، جھوٹ اپنانے کا اور جھوٹا فعل کرنے کا عادی ہو۔

سچ ہی انسان کا اصل لباس، زیبائش، آرائش، زیور، زیب وزینت، مال ودولت، سواری راہ ٹھکانہ اور منزل ہے۔ جھوٹ انسان کی زندگی پر سب سے بڑا داغ اور دھبہ ہے جھوٹ کا مرض ہی آدمی کو شدہ شدہ نبوت کے دعوی تک لے جاتا ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو کائنات کا ہر گناہ دراصل ''جھوٹ'' کی تعریف میں داخل ہے۔ اور نیکی کی ادنی سے ادنی قسم بھی سچ کی تعبیر وتعریف ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے سچ کو اسلام میں سب سے بڑی نعمت اور اسلام کی غذاء وحیات قرار دیا ہے اور کذب کو اسلام کا مرض اور اس کا فساد وبگاڑ قرار دیا ہے۔

''سچ'' یہ واقعہ کے مطابق کسی بات کے ہونے، کرنے اور بیان کرنے کو کہتے ہیں اور جھوٹ یہ کسی بات کے خلاف واقعہ ہونے، کرنے، یا بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ اگر نیکی اور برائی کی فطری ساخت اور جبلی بناوٹ میں غور کی نگاہ ڈالی جائے تو ہر نیکی ''سچ'' کی تعریف میں داخل اور ہر ''برائی'' سچ کی تعریف اور ساخت سے خارج اور جھوٹ میں داخل نظر آئے گی۔ لیکن یاد رہے کہ سچ اور جھوٹ کے درمیان کوئی درمیانی درجہ مرتبہ اور واسطہ نہیں کہ جو نہ

جھوٹ ہو اور نہ سچ۔

سچ کی کامل ترین شکل وہ ہے جس میں ظاہر کی موافقت کے ساتھ دل کی گہرائی سے اس کا اعتقاد بھی ہو اس کو شرع شریف کی اصطلاح میں ''ایمان اور توحید'' جیسے اونچے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی لئے اہل ایمان وتوحید کے لیے ہی سب خوشخبریاں اور انعامات ہیں۔ غرض خلاصہ یہ ہے کہ رب کی رضوان ورضاء اور اس کا انعام ''جنت'' سچوں کے لئے ہی ہے۔

اور جھوٹ کی مکمل ترین جو درحقیقت اس کی بدترین شکل ہے کہ اندر کا ضمیر پوری گہرائی اور کامل یقین کے ساتھ ظاہر کے خلاف ہو، اس کو قرآن کریم کی زبان میں ''نفاق'' کہا گیا ہے۔ قرآن کریم بتلاتا ہے کہ سب سے برا ٹھکانہ یعنی دوزخ کا ''درك اسفل'' ان منافقین ہی کے لیے بنایا گیا ہے۔ ان کے لیے رب تعالیٰ کی ناراضگی اور غصہ ہے جو سب سے بڑی محرومی ہے۔ اور اس محرومی کا سبب فقط ''جھوٹ'' ہے۔

سب سے زیادہ آزمائش میں وہ شخص ہے جو جھوٹ کی بندشوں میں جکڑا ہوا ہے جھوٹ بولنا اس کی عادت بلکہ اسے طبعاً مرغوب ہے۔

اسلام کائنات کی نئی زندگی کا آغاز ہے جو سراپا سچائی ہے۔ قرآن اس اسلام کی روح خلاصہ اور اصل ہے جو سچ ہی سچ ہے رب تعالیٰ اس قرآن کا نازل فرمانے والا ہے، کہ سب سے سچی ذات وہی ہے، رسول اس سچائی کا مبلغ، داعی اور اس کا پھیلانے والا ہے، وہ اس پیغام کے اترنے سے پہلے ہی خود کو صدق وسچائی اور امانت ودیانت سے آراستہ کر کے ''اس سچائی کے پیغام'' کے اترنے کا منتظر تھا، یہ پیغام جو فرشتہ لیکر آیا رب تعالیٰ نے اس کو ''امین'' ''دیانتدار'' اور ''سچا'' کہہ کر پکارا اور اس نے اس ''سچ'' کو پوری سچائی کے ساتھ پورا پورا بلا کم وکاست نبی ''صادق ومصدوق'' کے حوالہ کر دیا۔

نبی کریم ﷺ نے یہ ''سچ'' جن لوگوں پر سب سے پہلے پیش کیا انہوں نے پوری سچائی کے ساتھ اپنے بدنوں سے روحیں کھینچ کر اس ''رسول عربی الصادق والمصدوق'' کے قدموں میں ڈھیر کر دیں۔ چشم فلک کیا تماشا دیکھ رہی ہے کہ جس نے اس سچ کی سب سے پہلے ''تصدیق'' کی وہ تاقیامت صدیق کہلایا جن مبارک خاتون زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نے سب سے پہلے اس پیغام کی تصدیق کی وہ ''صدیقہ'' کہلائیں اس پیغام کو سن کر سب سے پہلے جو بات کہی وہ یہ ہی کہی ''آپؐ تو امانت ادا کرنے والے اور سچ بولنے والے ہیں'' اسی لئے پہلے یہ فرمایا کہ ''خدا کی قسم! خدا تعالیٰ بھلائی کے سوا آپؐ کے ساتھ کچھ نہ کرے گا اس منصب کو قبول کیجئے! وہ بلاشبہ حق ہے'' (بیہقی دلائل النبوۃ)

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو اپنے چچا زاد ورقہ بن نوفل کے پاس لے جاتی ہیں، وہ بھی تصدیق کرتا ہے کہ ''آپ سچے، یہ پیغام سچا، لانے والا وہی سچا جو سچوں کے پاس آتا تھا'' اس لئے نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس سوال کہ ''ورقہ نے آپؐ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی لیکن اعلان نبوت سے پہلے ہی وفات پا گیا'' (تو اس کا انجام کیا ہوا؟)

کے جواب میں ارشاد فرمایا ''میں نے خواب میں ورقہ کو سفید لباس میں دیکھا ہے اگر وہ اہل نار میں سے ہوتے تو سفید کے علاوہ کسی اور لباس میں ہوتے''

(ترمذی بروایت حضرت عائشہؓ)

جیسے صبح کی صحیح چمک دمک سورج طلوع ہونے کے بعد ہوتی ہے لیکن اس چمک کی تصدیق کرنے کے لیے صبح سے پہلے سفیدی نما ایک روشنی پھیلتی ہے جو اعلان کرتی ہے کہ میں اس روشنی سے روشنی ہوں اور اعلان کرنے آئی ہوں کہ پیچھے وہ روشنی چلی آتی ہے، دلیل کے طور پر مجھے دیکھ لو کہ وہ اس سے زیادہ ہی روشن ہوگی۔ سچ کی اسی تصدیق کی وجہ سے اس روشنی کو ''صبح صادق'' کہا گیا۔

ٹھیک اس طرح ہی کائنات کی سب سے بڑی سچائی کی آمد آمد ہے
سب سے سچے نے ایک ''صادق و امین'' کا انتخاب کرلیا ہے
مطاع امین کو اطلاع مل چکی ہے کہ ''الصدق'' کو دنیا میں لے جانا ہے

اس سچ پر دلیل پہلے بھیجی جارہی ہے جنہیں تاریخ و سیرت کی کتابیں ''رؤیہ صادقہ'' سے یاد کرتی ہیں، بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ

''نبوت سے پہلے نبی کریم ﷺ کو خواب نظر آنے لگے خواب ایسے سچے ہوتے کہ جو

کچھ رات کو خواب میں دیکھتے دن میں ویسا ہی ظہور میں آ جاتا'' (رحمۃ للعالمین جلد اص ۵۱)

اس سچ کی آمد سے پہلے صحفہ کائنات پر جو کچھ ظہور میں آتا ہے وہ نبی کریم ﷺ کو سچے خوابوں میں دکھادیا جاتا ہے اور ایسا ضرور چاہیے تھا کہ سچ کی تمہید بھی سچ ہی ہو، سچی روشنی کی کرنیں بھی سچ ہی ہوں، سچی ''صبح'' کی آمد پر دلیل بھی ''صبح صادق'' ہو نہ کہ ''صبح کاذب''

اب یہ پیغام عمومی طور پر سب پر پیش ہو رہا ہے، جنہوں نے سب کچھ لگا کر سچے دل سے اسے قبول کیا انہیں یہ کہا جا رہا ہے،

''اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ''

(البقرہ: ۱۷۷)

''یہی وہ لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (خدا سے) ڈرنے والے ہیں''

سچائی کے ساتھ ''سچ'' کو دامن میں سمیٹنے والوں کو ''سچے ہونے'' کا مژدہ جانفزا ملتا ہے۔ پھر ان ''سچوں'' سے ''جنہوں'' نے یہ پیغام ''سچ'' کے ساتھ لیا انہیں،

''وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ'' (التوبہ: ۱۰۰)

''اور جنہوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی''

کا خطاب ملتا ہے اور انہیں اس صدق وصداقت پر پائے ثبات واستقامت رکھنے کا حقیقی اجران الفاظ کے ساتھ ملتا ہے،

''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ'' (التوبہ: ۱۱۰)

''خدا ان سے خوش ہے اور وہ خدا سے خوش ہیں''

یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلام نے جن اخلاق کو لازمۂ اسلام قرار دیا ہے اور ان کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی ہے، وہ سچائی اور امانتداری ہے۔ محدثین کرام نے سچائی کے متعلقہ احادیث کو ''کتاب الایمان'' میں ذکر کیا ہے۔ گویا کہ ایمان کا خلاصہ سچ ہی ہے۔

سچ ہی ایک مومن کا وقار اور اس کی علامت اور پہچان ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ''میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ ''مومن کو کیسے پہچانا

جاتا ہے؟ آپؑ نے فرمایا ''اس کے وقار، کلام کی نرمی اور صدق مقال سے''

یہ سچ دین کا ستون، ادب کا رکن اور اخلاق و مروت کی اصل ہے۔ یہ آزاد مرد مرمن اور مرد حر کے زیادہ لائق ہے۔ تیز دھاری تلوار کے ہاتھ میں ہونے سے اس قدر اندیشہ نہیں جس قدر جھوٹ کے ہاتھ میں ہونے سے ہے۔ سچا وہی ہے جس کی زبان سچ کے آگے رک جائے اور سچ کے سامنے اس کی گردن جھک جائے اور قدم اس کے سچ کے آگے تھم جائیں۔

یہ نفس بڑا دھوکہ باز ہے یہ کبھی سچ کو غبار آلود کر دیتا ہے کہ پہچانا نہیں جاتا اس لئے علماء کرام نے سچ کی پہچان میں بڑے سخت اور باریک پیمانے اپنائے ہیں۔

عتبہ بن ابی سفیان کہتے ہیں ''اگر تمہارا جی دو باتوں میں کھٹکے اور سچ کی پہچان میں دقت ہو تو جو بات نفس کو مرغوب ہو اس کو جھٹک دینا کیونکہ نفس کی مخالفت سچ کے زیادہ قریب ہوتی ہے''

ارسطو کا مشہور قول ہے کہ ''سچ وہ ہے جس میں کہنے والا سچا ہو اور سننے والے کو فائدہ ہو''

ارسطو کا ہی یہ قول بھی ہے کہ ''سچ کے ساتھ موت، جھوٹ کے ساتھ زندگی سے بہتر ہے''

اہل حق نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے تو اسی سچ پر جمنے کے لیے اور کسی ظالم سے ظالم کے سامنے بھی سچ بولنے سے کبھی نہ ہچکچائے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حجاج خطبہ دے رہا تھا اس نے خطبہ لمبا کر دیا کہ وقت نکلنے کو ہو گیا تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر بڑی بہادری سے کہا ''نماز (نماز کہ اس کا وقت جاتا ہے کہ) وقت تمہارے انتظار میں نہیں اور خدا تمہارا عذر نہ سنے گا'' حجاج نے حکم دیا کہ ''اس کو قید میں ڈال دو'' نماز کے بعد کچھ لوگوں نے آ کر سفارش کی کہ ''اس کو چھوڑ دیجئے کہ دیوانہ ہے'' حجاج نے کہا کہ ''اگر وہ مان لے کہ ''میں دیوانہ ہوں'' تو چھوڑ دوں گا[1]

لوگوں نے اس ''حق'' گو کو سمجھایا کہ ''دیکھ لو ان جا جان چھوٹ جائے گی'' اس نے سب سن کر کہا ''خدا کی پناہ! میرا نہیں گمان کہ خدا نے مجھے آزمائش میں مبتلا کر کے عافیت دے دی ہے'' (اب جو ہو گا میں بھگتوں گا) حجاج نے یہ سنا تو اس کے پائے صداقت و

---

[1] کسی دیوانہ سے دیوانگی کا اقرار لینا بھی کم دیوانگی نہیں (نسیم)

استقامت کے آگے اس کا جبر واستبداد متزلزل ہو گیا۔شرمندہ ہوا اور معاف کر دیا۔

یقیناً سچ کا دامن چھوڑنا ہی اصل نادانی ہے۔یہی ہر دور میں سچوں کی روش،ان کا وطیرہ اوران کا شعار رہا ہے، وہ اپنے بیگانوں سے بیگانہ ہو کر فقط سچ پر کار بندر ہے یہاں کسی کی ملامت یا خوشامد کی نہ پرواہ ہے اور نہ وہ حائل ہے یہاں فقط ایک ہی بات ہے کہ۔

''اپنے بھی خفا مجھ سے اور بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند''

قرآن کریم اور احادیث میں ''سچ'' بولنے کرنے اور اپنانے کی اسقدر تاکید ہے کہ اگر فقط ان آیات واحادیث کو ہی جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ذیل میں سچ کے متعلق تبرکا چند آیات واحادیث کو درج کیا جاتا ہے۔

رب تعالیٰ اپنی ذات کی بابت بیان کرتے ہیں کہ وہ سچ کے ساتھ متصف وآراستہ ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے،

''قَالُوْا هٰذَامَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ''

(الاحزاب: ۲۲)

''تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے جس کا خدا اور اس کے پیغمبر نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور خدا اور اس کے پیغمبر نے سچ ہی کہا تھا''

رب تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے،

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ''

(آل عمران:۱۵۲)

''اور خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دیا (یعنی) اس وقت کہ جب تم کافروں کو خدا کے حکم سے قتل کر رہے تھے''

رب کی باتیں سچی باتیں ہیں،

''وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ''

(زمر:۳۳)

''اور جو شخص (رب کی) سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں''

رب کے سب کے سب نبی سچے ہیں، خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بابت ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ'' (الصافات:۳۷)

''(نہیں) بلکہ وہ حق (اور سچ بات) لے کر آئے ہیں اور (پہلے) پیغمبروں کو سچا کہتے ہیں''

رب تعالیٰ چند اولوالعزم پیغمبروں کی بابت ذکر کرتے ہیں کہ وہ سچے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو، ''اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا'' (مریم:۴۱)

''بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے''

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو، ''اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ'' (مریم:۵۴)

''وہ وعدے کے سچے تھے''

اور حضرت یوسف علیہ السلام کو:

''وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ'' (یوسف: ۵۱)

''اور وہ بے شک سچا ہے''

کہہ کر پکارا ہے۔

مومن لوگ وہی ہیں جو سچے ہیں:

''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ''[۱]

(البقرہ:۱۷۷)

یہ لوگ رب تعالیٰ کے ساتھ کیا وعدہ سچا کر دکھاتے ہیں:

''مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ''

(الاحزاب: ۲۳)

''مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انہوں نے خدا سے

---

[۱] اس کا ترجمہ گذشتہ میں گذر گیا ہے۔

کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا"

قیامت کے دن سچ ہی کام آئے گا۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ "[۱] (المائدہ:۱۱۹)

"خدا اور رسول کی مدد و نصرت کرنے والے ہی مومن اور سچے ہیں"

"وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ"

(الحشر: ۸)

"اور خدا اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں یہی لوگ سچے (ایمان والے) ہیں"

غرض قرآن کریم میں رب تعالیٰ نے اپنی ذات مقدس سے لیکر اہل ایمان بندوں تک کا وصف یہی بیان فرمایا ہے کہ وہ سچ کے ساتھ آراستہ اور مزین ہیں، قدر و منزلت سچوں کی ہی ہے، کامیاب یہی ہیں، ان کے لئے جنت اور رضائے خداوندی کا انعام ہے انہی کو انبیاء صدیقین اور صالحین کی رفاقت نصیب ہوگی۔ قرآن خود سراپا سچائی ہے۔ زمانہ کروٹ پہ کروٹ بدل گیا مگر قرآن کی کسی حقیقت کو جھوٹ نہ کہہ سکا اور اگر یہ کہا جائے کہ سارا قرآن ہی اور سارا اسلام ہی "سچ" ہے تو بے جا نہ ہوگا

اب سچ کے بارے میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا،

"تم سچ کو لازم پکڑو کہ سچ نیکی کی راہ پر ڈالتا ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے اور آدمی سچ ہی بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ رب کے ہاں (اس کے صحیفوں میں) "سچا" لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ بدکاری تک لے جاتا ہے اور بدکاری جہنم تک پہنچا دیتی ہے۔ اور آدمی جھوٹ بولتا ہی رہتا ہے حتیٰ کہ خدا کے ہاں جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے" (بخاری۔ مسلم)

سچ اطمینان کا باعث ہے اور جھوٹ جی میں کانٹے کی طرح چبھتا رہتا ہے،

---

[۱] اس کا ترجمہ گذشتہ میں گذر گیا ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے نبی کریم ﷺ سے یہ بات یاد کی ''شک والی بات کو چھوڑ کر شک سے خالی بات کو اختیار کرلو کہ سچ (دل کا) اطمینان ہے اور جھوٹ (جی کی کھٹک اور) خلش ہے'' (ترمذی)

سچ ہر نبی کی صفت ہے۔ ہرقل کے طویل قصہ میں جو ابوسفیان کے ساتھ پیش آیا جب اس نے پوچھا کہ ''وہ (یعنی نبی کریم ﷺ) تمہیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟''

ابوسفیان کہنے لگے ''وہ ان باتوں کا حکم دیتے ہیں،

ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے آباء واجداد کی (شرکیہ) باتوں کو چھوڑ دو اور وہ ہمیں نماز ''سچائی'' پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں'' (بخاری)

سچ یہ کتنی بڑی فضیلت ہے کہ اگر اسباب کی کمی کی وجہ سے آدمی کسی نیکی سے رہ جائے مگر دل میں اس کے کرنے کا جذبہ سچا ہو تو رب تعالیٰ اس کو وہی مرتبہ نصیب فرماتے ہیں جو اس نیکی کے کرنے والوں کا ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''جس نے صدق (دل) سے اللہ سے شہادت طلب کی اللہ اسے شہداء کے درجوں پر پہنچائیں گے اگرچہ اپنے بستر پر ہی مرے۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی نے جہاد کیا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ ''میرے پیچھے وہ آدمی نہ آئے جس نے ایک عورت سے شادی کی اور اس سے خلوت کرنا چاہتا ہو اور ابھی تک (اس کے ساتھ) خلوت نہ کی ہو۔ اور نہ کوئی ایسا شخص جس نے گھر بنائے اور (ابھی تک) ان کی چھتیں بلند نہ کی ہوں اور نہ وہ جس نے بھیڑ بکریاں اور حاملہ اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کی اولاد کا منتظر ہو، پس وہ نبیؑ جہاد پر روانہ ہوئے۔ عصر کی نماز یا اس کے قریب وہ ایک بستی میں پہنچے تو سورج سے کہا کہ تو بھی (اللہ کے) حکم پر چل رہا ہے اور میں بھی (اللہ کے) حکم پر چل رہا ہوں۔ اے اللہ اس کو ہمارے لئے روک دے تو وہ روک دیا گیا یہاں تک کہ اللہ نے انہیں فتح نصیب فرمادی پھر انہوں نے مال غنیمت کو جمع کرلیا تاکہ آگ آکر کھالے آگ آئی لیکن اس نے غنائم کو نہ کھایا۔ اس پر انہوں نے فرمایا ''تمہارے اندر کسی نے

خیانت کی ہے لہٰذا ہر قبیلے کا ایک آدمی مجھ سے بیعت کرے۔ تو ایک آدمی کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک گیا۔ فرمایا کہ "تمہارے اندر خیانت ہے لہٰذا تمہارا پورا قبیلہ مجھ سے بیعت کرے" (جب باری باری سب بیعت کرنے لگے تو) دو یا تین آدمیوں کے ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک گئے فرمایا کہ "تم میں خیانت ہے" تو (یہ سن کر وہ گئے اور) وہ گائے کے سر جیسا ایک سونے کا سر لیکر آئے تو (اللہ کے نبیؑ نے ان سے وہ سونے کا سر لے کر) اسے (غنائم میں) رکھا پھر آگ آئی اور غنائم کو کھا گئی" (یہ واقعہ سنانے کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "غور سے سنو! کہ) ہم سے پہلے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے ضعف اور عاجزی کو دیکھ کر مال غنیمت کو ہمارے لیے حلال کر دیا۔ (متفق علیہ)

یاد رہے کہ ان تین قسم کے لوگوں کو غزوہ میں ساتھ آنے سے رب تعالیٰ کے نبی ﷺ نے اس لیے منع فرمایا کیونکہ ان کے دل دنیاوی چیزوں میں اٹکے ہوئے تھے لہٰذا میدان جہاد میں جب موت اپنے پنجے گاڑھ رہی ہوگی یہ لوگ دشمن پر نصرت طلب کرنے میں ہرگز سچے ثابت نہیں ہونگے اور نہ اپنی جانوں کو قربان کرنے سے دریغ کریں گے۔

صدق کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کا ظاہر و باطن اور سر و اعلان سب ایک ہو کہ نہ اقوال و افعال دل کی کیفیات و احوال کی تکذیب کریں اور نہ دل کے جذبے قول و فعل کو جھٹلائیں، یہ "سچ" پیدا کرنے سے پیدا ہوتا ہے اسی لئے ابو سلیمان فرماتے ہیں کہ،

"صدق و وفا (یعنی سچوں) کی صحبت ہر روحانی باطنی بیماری کو نکال باہر کرتی ہے کیونکہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں،

"اِتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ" (التوبہ:۱۱۹)

"(اے مومنو!) خدا سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کے ساتھ رہو"

یہ راستباز وہ لوگ ہیں جو اپنے عہدوں اور اپنی قسموں میں سچے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں "جس کو بھی رب تعالیٰ نے فہم نصیب فرمائی ہے اس پر حق ہے کہ وہ اقوال میں صدق کو، اعمال میں اخلاص کو اور احوال باطنیہ میں صفاء کو لازم پکڑے اور جو ایسا ہوگا وہ نیکو کاروں سے جا ملے گا اور رب غفار کی رضاء و رضوان اس کو نصیب ہوگی"

اس آیت میں دراصل صدق اور اخلاص کا ذکر ہے اور یہ آیت ان حضرات کے بارے میں نازل ہوئی جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ ان حضرات کا قصہ نہایت عبرت آمیز اسباق پر مشتمل ہے، جس میں سچ کی عظمت، اس پر استقامت اور پھر اس سے حاصل ہونیوالے عظیم نتائج کا ذکر ہے مناسب ہے اس کو یہاں ذکر کر دیا جائے تا کہ صدق کی اہمیت کا باب مکمل ہو۔ دوسرے اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کی سچائی کے ذکر کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صدق وصفاء کی اعلیٰ اور عظیم سیرتیں بھی سامنے آ جائیں برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ نے اس طویل قصہ کو حکایات صحابہ ص ۳۴۔۳۹ پر مفصل نقل کیا ہے۔ ہم اس کو بلفظہ وہاں سے نقل کر دیتے ہیں،

اسی تبوک کی لڑائی میں معذورین کے علاوہ اسّی سے زیادہ تو منافق انصار میں سے تھے اور اتنے ہی تقریباً بدوی لوگوں میں سے ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت باہر کے لوگوں میں سے ایسی تھی جو شریک نہیں ہوئے اور اتنا ہی نہیں بلکہ یہ لوگ دوسروں کو بھی ''لَا تَنفِرُوا فِي الْحَرِّ'' کہہ کر روکتے تھے (کہ گرمی میں نہ نکلو) حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ ''جہنم کی آگ کی گرمی بہت سخت ہے'' ان کے علاوہ تین سچے پکے مسلمان بھی ایسے تھے جو بلا کسی عذر قوی کے اس لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے۔ ایک کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دوسرے ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تیسرے مرارۃ بن ربیع رضی اللہ عنہم یہ تینوں حضرات کسی نفاق یا عذر سے نہیں ٹھہرے بلکہ خوشحالی ہی رہ جانے کا سبب بن گئی کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سرگذشت جو اس موقع پر پیش آئی مفصل سناتے ہیں جو آئندہ آ رہی ہے۔

مرارۃ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باغ خوب پھل رہا تھا ان کو خیال ہوا کہ اگر میں چلا گیا تو یہ سب ضائع ہو جائے گا ہمیشہ میں لڑائیوں میں شریک ہوتا ہی رہا ہوں اگر اس مرتبہ رہ گیا تو کیا مضائقہ ہے اس لئے ٹھہر گئے۔ مگر جب تنبہ ہوا تو چونکہ باغ ہی اس کا سبب ہوا تھا اس لئے سب کو اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیا۔

ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل و اعزہ جو کہیں گئے ہوئے تھے اتفاق سے اس موقع پر سب جمع ہو گئے ان کو بھی یہی خیال ہوا کہ ہمیشہ شرکت کرتا ہی رہتا ہوں اگر اس موقع پر نہ جاؤں تو کیا

حرج ہے اس لئے ٹھہر گئے مگر تنبہ ہونے پر سب سے تعلقات منقطع کر لینے کا ارادہ کیا کہ یہ تعلقات ہی اس لڑائی میں شرکت نہ کر سکنے کا سبب ہوئے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا قصہ احادیث میں کثرت سے آتا ہے وہ اپنی سرگذشت بڑی تفصیل سے سنایا کرتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ ”میں تبوک سے پہلے کسی لڑائی میں بھی اتنا قوی و مالدار نہیں تھا جتنا کہ تبوک کے وقت تھا۔ اس وقت میرے پاس خود اپنی ذاتی دو اونٹنیاں تھیں۔ اس سے پہلے کبھی بھی دو اونٹنیاں میرے پاس ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ حضور اکرم ﷺ کی ہمیشہ عادت شریفہ یہ تھی کہ جس طرف لڑائی کا ارادہ ہوتا تھا اس کا اظہار نہیں ہوتا تھا بلکہ دوسری جانبوں کے احوال دریافت فرماتے تھے مگر اس لڑائی میں چونکہ گرمی بھی شدید تھی اور سفر بھی دور کا تھا، اس کے علاوہ دشمنوں کی بھی بہت بڑی جماعت تھی اس لئے صاف اعلان فرما دیا تھا تاکہ لوگ تیاری کر لیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت حضور ﷺ کے ساتھ ہوگئی کہ رجسٹر میں ان کا نام بھی لکھنا دشوار تھا اور مجمع کی کثرت کی وجہ سے کوئی شخص اگر چھپنا چاہتا کہ میں نہ جاؤں اور نہ پتہ چلے تو دشوار نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی پھل بالکل پک رہے تھے۔ میں بھی سامان سفر کی تیاری کا صبح ہی سے ارادہ کرتا مگر شام ہو جاتی اور کسی قسم کی تیاری کی نوبت نہ آتی۔ لیکن میں اپنے دل میں خیال کرتا رہا کہ مجھے وسعت حاصل ہے جب ارادہ پختہ کروں گا فوراً ہو جائے گا حتی کہ حضور اقدس ﷺ روانہ بھی ہو گئے اور مسلمان آپ کے ساتھ ساتھ۔ مگر میرا سامان سفر تیار نہ ہوا۔ پھر بھی یہی خیال رہا کہ ایک دو روز میں تیاری کر کے جا ملوں گا۔ اسی طرح آج کل پر ٹلتا رہا حتی کہ حضور ﷺ کے وہاں پہنچنے کا زمانہ تقریباً آ گیا۔ اس وقت میں نے کوشش بھی کی مگر سامان نہ ہو سکا۔ اب میں جب مدینہ طیبہ میں ادھر ادھر دیکھتا ہوں تو صرف وہی لوگ ملتے ہیں جن کے اوپر نفاق کا بدنما داغ لگا ہوا تھا یا وہ معذور تھے اور حضور ﷺ نے بھی تبوک پہنچ کر دریافت فرمایا کہ کعب رضی اللہ عنہ نظر نہیں پڑتے۔ کیا بات ہوئی۔ ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہ! اس کو اپنے مال و جمال کی اکڑ نے روکا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غلط کہا۔ ہم جہاں تک سمجھتے ہیں وہ بھلا آدمی ہے مگر حضور اقدس ﷺ نے بالکل سکوت فرمایا اور کچھ نہیں بولے۔

حتی کہ چند روز میں میں نے واپسی کی خبر سنی تو مجھے رنج وغم سوار ہوا اور بڑا فکر ہوا۔ دل میں جھوٹے جھوٹے عذر آتے تھے کہ اس وقت کسی فرضی عذر سے حضور ﷺ کے غصہ سے جان بچالوں پھر کسی وقت معافی کی درخواست کرلوں گا اور اس بارے میں اپنے گھرانے کے ہر سمجھدار سے مشورہ کرتا رہا۔ مگر جب مجھے معلوم ہوگیا کہ حضور ﷺ تشریف لے ہی آئے تو میرے دل نے فیصلہ کیا کہ بغیر ''سچ'' کے کوئی چیز نجات نہ دے گی اور میں نے ''سچ سچ'' عرض کرنیکی ٹھان ہی لی۔ حضور ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اول مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے اور وہاں تھوڑی دیر تشریف رکھتے کہ لوگوں سے ملاقات فرمائیں۔ چنانچہ حسب معمول حضور ﷺ تشریف فرما رہے اور منافق لوگ آکر ''جھوٹے جھوٹے'' عذر کرتے اور قسمیں کھاتے رہے۔ حضور اکرم ﷺ ان کے ظاہر حال کو قبول فرماتے رہے اور باطن کو اللہ کے سپرد فرماتے رہے کہ اتنے میں میں بھی حاضر ہوا اور سلام کیا۔ حضور ﷺ نے ناراضگی کے انداز میں تبسم فرمایا اور اعراض فرمایا۔ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ آپ نے اعراض فرمالیا۔ میں خدا کی قسم نہ تو منافق ہوں نہ مجھے ایمان میں کچھ تردد ہے۔ ارشاد فرمایا کہ یہاں آ، میں قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تجھے کس چیز نے روکا۔ کیا تو نے اونٹنیاں نہیں خرید رکھی تھیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں کسی دنیادار کے پاس اس وقت ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ میں اس کے غصہ سے معقول عذر کے ساتھ خلاصی پالیتا کہ مجھے بات کرنے کا سلیقہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے لیکن آپ کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ اگر آج ''جھوٹ'' سے آپ کو راضی کرلوں تو قریب ہے کہ اللہ جل جلالہ مجھ سے ناراض ہونگے اور اگر آپ سے صاف صاف (اور سچ سچ) عرض کردوں تو آپ کو غصہ آئے گا لیکن قریب ہے کہ اللہ کی پاک ذات آپ کے عتاب کو زائل فرمادے گی۔ اس لئے سچ ہی عرض کرتا ہوں کہ واللہ مجھے کوئی عذر نہیں تھا اور جیسا فارغ اور وسعت والا میں اس زمانہ میں تھا کسی زمانہ میں بھی اس سے پہلے نہیں ہوا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ پھر فرمایا کہ اچھا اٹھ جاؤ تمہارا فیصلہ حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے۔ میں وہاں سے اٹھا تو میری قوم کے بہت سے لوگوں نے مجھے

ملامت کی کہ تو نے اس سے پہلے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ اگر تو کوئی عذر کر کے حضور ﷺ سے استغفار کی درخواست کرتا تو حضور ﷺ کا استغفار تیرے لئے کافی تھا میں نے ان سے پوچھا کہ کوئی اور بھی ایسا شخص ہے جس کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہو۔ لوگوں نے بتلایا کہ دو شخصوں کے ساتھ اور بھی یہی معاملہ ہوا کہ انہوں نے بھی یہی گفتگو کی جو تو نے کی اور یہی جواب ان کو ملا جو تجھ کو ملا۔ ایک ہلال بن امیہ، دوسرے مرارۃ بن ربیع رضی اللہ عنہما میں نے دیکھا کہ دو صالح شخص جو دونوں بدری[1] ہیں وہ بھی میرے شریک حال ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ہم تینوں سے بولنے کی ممانعت بھی فرما دی کہ کوئی شخص ہم سے کلام نہ کرے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ غصہ اسی پر آتا ہے جس سے تعلق ہوتا ہے بقول شخصے، ڈانٹ انہی کو پڑتی ہے پیار جن سے ہوتا ہے اور تنبیہ اسی کو کی جاتی ہے جس میں اس کی اہلیت بھی ہو۔ جس میں اصلاح وصلاح کی قابلیت ہی نہ ہو اس کو تنبیہ ہی کون کرتا ہے۔ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ممانعت پر لوگوں نے ہم سے بولنا چھوڑ دیا اور ہم سے اجتناب کرنے لگے۔ اور گویا دنیا ہی بدل گئی۔ حتیٰ کہ زمین باوجود اپنی وسعت کے مجھے تنگ معلوم ہونے لگی۔ سارے لوگ اجنبی معلوم ہونے لگے۔ در و دیوار اوپرے بن گئے۔ مجھے سب سے زیادہ اس کا فکر تھا کہ میں اس حال میں مر گیا تو حضور ﷺ جنازے کی نماز بھی نہ پڑھیں گے اور خدانخواستہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایسا ہی رہوں گا نہ مجھ سے کوئی کلام کرے گا، نہ میری نماز (جنازہ) پڑھے گا کہ حضور ﷺ کے ارشاد کے خلاف کون کرسکتا ہے۔ غرض ہم لوگوں نے پچاس دن اسی حال میں گذارے۔ میرے دونوں ساتھی تو شروع ہی سے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ میں سب میں قوی تھا۔ چلتا پھرتا بازار میں جاتا نماز میں شریک ہوتا۔ مگر مجھ سے بات کوئی نہ کرتا۔ حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہو کر سلام کرتا اور بہت غور سے خیال کرتا کہ حضور ﷺ کے لب مبارک جواب کے لئے ملے یا نہیں۔ نماز

---

[1] بدری وہ لوگ کہلاتے ہیں جو بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے۔ ان کی بزرگی اور بڑائی مسلم ہے۔ احادیث میں بھی ان کی فضیلت آئی ہے کتنی ہی حدیثوں میں ان کی مغفرت اور اللہ تعالیٰ کے ان سے خوش ہونے کی بشارتیں آئی ہیں۔ نسیم

کے بعد حضور ﷺ کے قریب ہی کھڑے ہوکر نماز پوری کرتا اور آنکھ چرا کر دیکھتا کہ حضور ﷺ مجھے دیکھتے بھی ہیں یا نہیں جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو حضور ﷺ مجھے دیکھتے اور جب میں ادھر متوجہ ہوتا تو حضور ﷺ منہ پھیر لیتے اور میری جانب سے اعراض فرمالیتے۔

غرض یہی حالات گذرتے رہے اور مسلمانوں کا بات چیت بند کرنا مجھ پر بہت ہی بھاری ہوگیا تو میں ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیوار پر چڑھا۔ وہ میرے رشتہ کے چچازاد بھائی بھی تھے اور مجھ سے تعلقات بھی بہت ہی زیادہ تھے۔ میں نے اوپر چڑھ کر سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے ان کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے۔ انہوں نے اس کا بھی جواب نہ دیا۔ میں نے دوبارہ قسم دی اور دریافت کیا وہ پھر بھی چپ رہے۔ میں نے تیسری مرتبہ پھر قسم دیکر پوچھا انہوں نے کہا۔ اللہ جانے اور اس کا رسول ﷺ۔ یہ کلمہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور وہاں سے لوٹ آیا اسی دوران میں ایک مرتبہ مدینہ کے بازار میں جارہا تھا کہ ایک قبطی کو جو نصرانی تھا اور شام سے مدینہ منورہ اپنا غلہ فروخت کرنے آیا تھا یہ کہتے ہوئے سنا کہ کوئی کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پتہ بتادو۔ لوگوں نے اس کو میری طرف اشارہ کرکے بتایا وہ میرے پاس آیا اور غسان کے کافر بادشاہ کا خط مجھے لاکر دیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ تمہارے آقا نے تم پر ظلم کر رکھا ہے تمہیں اللہ ذلت کی جگہ نہ رکھے اور نہ ضائع کرے تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے (دنیا کا قاعدہ ہوتا ہے کہ کسی بڑے کی طرف سے اگر چھوٹوں کو تنبیہ ہوتی ہے تو ان کو بہکانے والے اور زیادہ کھونے کی کوشش کیا کرتے ہیں اور خیر خواہ بن کر اس قسم کے الفاظ سے اشتعال دلایا ہی کرتے ہیں) کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ خط پڑھ کر انا للہ پڑھی کہ میری حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ کافر بھی مجھ میں طمع کرنے لگے اور مجھے اسلام تک سے ہٹانے کی تدبیریں ہونے لگیں۔ یہ ایک اور مصیبت آئی اور اس خط کو لے جا کر میں نے ایک تنور میں پھونک دیا اور حضور ﷺ سے جا کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کے اعراض کی وجہ سے میری یہ حالت ہوگئی کہ کافر مجھ میں طمع کرنے لگے۔ اسی حالت میں چالیس روز ہم پر گذرے تھے کہ حضور ﷺ کا قاصد میرے

پاس حضور ﷺ کا یہ ارشاد لے کر آیا کہ اپنی بیوی کو بھی چھوڑ دو میں نے دریافت کیا کہ کیا منشاء ہے اس کو طلاق دے دوں کہا نہیں بلکہ علیحدگی اختیار کرلو۔ اور میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی ان ہی قاصد کی معرفت یہی حکم پہنچا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہدیا کہ تو اپنے میکے چلی جا۔ جب تک اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ فرمائیں وہیں رہنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ہلال بالکل بوڑھے شخص ہیں کوئی خبر گیری کرنے والا نہ ہوگا تو ہلاک ہو جائیں گے۔ اگر آپ اجازت دیں اور آپ کو گرانی نہ ہو تو میں کچھ کام کاج ان کا کر دیا کروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا مضائقہ نہیں لیکن صحبت نہ کریں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس چیز کی طرف تو ان کو میلان بھی نہیں جس روز سے یہ واقعہ پیش آیا آج تک ان کا وقت روتے ہی گذر رہا ہے۔ کعب[1] رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھ سے بھی کہا گیا کہ ہلال کی طرح تو بھی اگر بیوی کی خدمت کی اجازت لے لے تو شاید مل جائے۔ میں نے کہا وہ بوڑھے ہیں میں جوان ہوں، نہ معلوم مجھے کیا جواب ملے اس لئے میں جرأت نہیں کرتا غرض اس حال میں دس روز اور گذرے کہ ہم سے بات چیت میل جول چھٹے ہوئے پورے پچاس دن ہو گئے۔ پچاسویں دن کی صبح کی نماز اپنے گھر کی چھت پر پڑھ کر میں نہایت غمگین بیٹھا ہوا تھا۔ زمین مجھ پر بالکل تنگ تھی اور زندگی دوبھر ہو رہی تھی کہ سلع پہاڑ کی چوٹی پر سے ایک زور سے چلانے والے نے آواز دی کہ کعب خوشخبری ہو تم کو۔ میں اتنا ہی سن کر سجدے میں گر گیا اور خوشی کے مارے رونے لگا اور سمجھا کہ تنگی دور ہو گئی۔ حضور ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد ہماری معافی کا اعلان فرمایا۔ جس پر ایک شخص نے تو پہاڑ پر چڑھ کر زور سے آواز دی کہ وہ سب سے پہلے پہنچ گئی۔ اس کے بعد ایک صاحب گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگے ہوئے آئے۔ میں جو کپڑے پہن رہا تھا وہ نکال کر بشارت دینے والے کی نذر کر دیئے۔ خدا کی قسم ان دو کپڑوں کے سوا اور کوئی کپڑا اس وقت میری ملک میں نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے دو کپڑے مانگے ہوئے پہنے اور حضور ﷺ کی

---

[1] ممکن ہے بیوی نے کہا ہو کہ بیویوں سے علیحدگی کا حکم اب تک نہیں ہوا تھا۔ یا کسی بچے یا منافق نے کہا ہو کہ صحابہؓ تو بولتے ہی نہ تھے۔ نسیم

خدمت میں حاضر ہوا اس طرح میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی خوشخبری لے کر لوگ گئے۔ میں جب مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تو وہ لوگ جو خدمت اقدس ﷺ میں حاضر تھے مجھے مبارک باد دینے کے لئے دوڑے اور سب سے پہلے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر مبارک باد دی اور مصافحہ کیا جو ہمیشہ ہی یادگار رہے گا۔ میں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں جاکر سلام عرض کیا تو چہرۂ انور کھل رہا تھا اور انوار خوشی کے چہرے سے ظاہر ہو رہے تھے۔ حضور اقدس ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی کے وقت میں چاند کی طرح سے چمکنے لگتا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میری جائیداد جو ہے وہ سب اللہ کے راستے میں صدقہ ہے (کہ یہ ثروت ہی اس مصیبت کا سبب بنی تھی) حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس میں تنگی ہوگی۔ کچھ حصہ اپنے پاس بھی رہنے دو۔ میں نے عرض کیا کہ بہتر ہے خیبر کا حصہ رہنے دیا جائے۔ مجھے "سچ" ہی نے نجات دی۔ اس لئے میں نے عہد کرلیا کہ ہمیشہ ہی "سچ" بولوں گا۔

علامہ ابن قیمؒ زاد العاد میں غزوہ تبوک کے قصہ کے متعلق چند فوائد ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے کعب رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کو حضور ﷺ کے سامنے سچ بولنے کی توفیق بخشی اور ان کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا جبکہ منافقین جھوٹ بولتے رہے اور ناحق عذر پیش کرتے رہے۔ انہوں نے اپنی دنیا درست کرلی اور اپنی عاقبت بالکل بگاڑ لی۔ اور سچوں کو دنیا میں کچھ مشقت تو ہوئی لیکن اللہ نے ان کی عاقبت کو صلاح و فلاح والا بنا دیا۔ اسی سچ پر دنیا و آخرت قائم ہے۔ جن چیزوں کی ابتداء تلخ اور کڑوی ہو وہ انجام کار شیریں ہوتی ہیں اور جن کی ابتداء شیریں ہو وہ انجام کار تلخ ہوتی ہیں۔ اور حضور ﷺ کا کعب رضی اللہ عنہ کو یہ فرمانا: اما ھذا فقد صدق "اس نے سچ کہا یہ اس قرینہ کے قائم ہونے کے وقت لقب (یعنی ھذا کے سب کے) مفہوم سے استدلال کرنے میں ظاہری دلیل ہے جو مذکورہ شخص کی (مذکورہ) حکم کے ساتھ تخصیص کا تقاضا کرتا ہے"۔ آگے چل کر فرماتے ہیں: کہ نبی ﷺ کا باقی سب پیچھے رہ جانے والوں میں سے صرف ان تینوں سے بات کرنے سے منع کرنا یہ دلیل ہے ان کے سچے ہونے پر اور باقی لوگوں کے جھوٹے ہونے پر۔

پس آپ نے چاہا کہ بچوں سے علیحدگی اختیار کریں تا کہ ان کے گناہ پر سرزنش کریں۔ جبکہ منافقین کا مرض اتنا بڑا تھا کہ علیحدگی اختیار کر کے ان کی تادیب اور سرزنش ممکن نہ تھی۔ لہٰذا اس بیماری کی دواء نفاق کے مرض میں کام نہیں آتی اور اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ بھی بندوں کے جرائم کی سزاؤں میں یہی معاملہ فرماتے ہیں لہٰذا اللہ اپنے اس مومن بندہ کی جس سے محبت کرتے ہیں اور جو اس کے نزدیک عزت والا ہے ادنی سی لغزش پر اس کی تادیب فرماتے ہیں تا کہ بیدار رہے اور بچتا رہے اور جو اس کی آنکھوں سے گر جاتا ہے اور بے وقعت ہو جاتا ہے تو اسے معاصی میں چھوڑ دیتے ہیں۔ جب بھی وہ گناہ کرتا ہے تو اسے نعمت دی جاتی ہے اس پر وہ مغرور یہ سمجھتا ہے کہ شاید یہ اس کی عزت افزائی ہے اور اسے معلوم نہیں کہ یہ اس کی اہانت ہے اور رب تعالیٰ کا اس کو عذاب شدید دینے کا ارادہ ہے اور ایسی عقوبت کا جس کوئی انجام نہ ہو۔ (علامہ ابن قیم کا کلام ختم ہوا)

سچوں کی تعریف کرتے ہوئے رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں،

''لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ .... اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ'' (البقرہ:۱۷۷)

''نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کو (قبلہ سمجھ کر ان کی) طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور (خدا کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتوں داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں۔ اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) ''سچے'' ہیں اور یہی لوگ ہیں جو (خدا سے) ڈرنے والے ہیں''

حضرت مولانا تھانویؒ ان آیات کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

یہاں سے آگے سورہ بقرہ کا باقی نصف ہے جس میں مسلمانوں کو ان کے اصول و فروع کی تعلیم ہے اور یہ مضمون ختم سورت تک چلا گیا ہے۔ اس کا مجمل عنوان ''بر'' ہے جو ظاہری و باطنی تمام طاعات کو شامل ہے۔ ان میں ایمان سمیت معاشرت و جہاد تک کے جملہ احکام کی ایک کلی اور اصولی تعلیم دی گئی ہے۔ پھر ''بر'' کی آگے تفصیل بیان کی گئی ہے جس میں بیع و شراء اور شہادت تک کے احکام آگئے ہیں پھر ان پر بشارت اور رحمت و مغفرت کا وعدہ مذکور ہے مجموعی طور پر ان مضامین کا حاصل برّ کا بیان ہے خواہ اجمالاً یا تفصیلاً۔

(بیان القرآن ج ۱ ص ۹۸ ملخصاً و بتصرفٍ)

اس آیت میں مذکورہ برّ ہر قسم کی خیر کو جامع ہے اور ان آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اہل کتاب کے زعم میں جو اعمال ہیں وہ برّ نہیں۔ علامہ قرطبیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''اس آیت میں اہل ایمان کے صدق اور ان کے تقوی کی صفت کا بیان ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ''انہی صفات والے اہل ایمان ہیں''

علامہ واحدیؒ فرماتے ہیں ''ان سب ابواب برّ کی اور نیکوکاری کی شرط یہ ہے کہ ان سب صفات کو اپنے اندر جمع کیا جائے۔ اگر کسی میں ان میں سے ایک صفت نہ ہوئی تو وہ بر والا نہ ہوگا، اس لئے برّ والا وہی ہوگا جو ان جملہ صفات کو اپنے اندر جمع کرے گا۔ اسی لئے بعض نے ان سب صفات کو اپنے اندر پیدا کرنا فقط انبیاء کرام کی صفت بتلایا ہے اور بعض نے اس کو مومنین کے لیے بھی عام کیا ہے''۔ واللہ اعلم۔

بہرحال لفظ ''بر'' سب نیکیوں کو شامل ہے۔ اور آخر میں ان صفات والوں کی بابت ذکر فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے اسلام سچے دل سے قبول کیا کہ یہ لوگ اپنے ایمان واعتقاد میں سچے ہیں۔ اوپر ''بیان القرآن'' کے حوالہ سے بیان کر دیا گیا ہے کہ ان کے درمیان نہایت عمدہ اعلیٰ اور جامع مضامین متعلقہ ایمان وعبادت اور جہاد و معاشرت اور نکاح و وصیت وغیرہ کے ہیں جن کا بیان ختم سورت تک چلا گیا ہے۔

بہرحال اتنا اس آیت سے بدیہی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ''صدق وتقوی'' ہی وہ صفت ہے جو بر کے ان ابواب کو کھولتا ہے۔

قرآن کریم کی صدق کی یہ دعوت بتلاتی ہے کہ عقل سلیم کا مقتضیٰ بھی صدق ہی کی دعوت دیتا ہے اور عقل کامل جھوٹ کو نہایت برا جانتی ہے پھر جس کذب بیانی اور دروغ گوئی میں نہ دین کا نفع ہو اور نہ دنیا کا وہ اور بھی زیادہ قبیح اور بری ہے۔ ایک ایمان سے لبریز دل اور دماغ نیکیوں اور سچائیوں کی طرف لپکتا ہے اور برائیوں سے مجتنب اور گریزاں ہوتا ہے۔

علماء کرام نے سچ پر آمادہ کرنے کے اسباب ذکر کیے ہیں جن میں سے ایک عقل ہے اور دوسرا دین وشریعت ہے جو سچ میں نجات اور جھوٹ میں ہلاکت بتلاتی ہے۔ اور بھلا شریعت وہ حکم بیان بھی کیسے کرسکتی ہے جو اس فطری عقل جس پر بچہ پیدا ہوتا ہے کے خلاف ہو۔ بلکہ شرع شریعت تو اس عقل کے مقتضاءات کو اور زیادہ نکھارتی اور واضح کرتی ہے۔

جب عقل جھوٹ سے نفرت کرتی ہے تو شرع شریف تو اور بھی زیادہ اس سے کراہت کا اظہار کرتی ہے۔

سچ پر ابھارنے والا تیسرا سبب ومحرک علماء کرام نے مروت بیان کیا ہے۔ مروت آدمی کو جھوٹ سے ورے کرتی ہے اور صدق و دیانت کے قریب لاتی ہے۔

چوتھا سبب بدنامی کا ڈر ہے۔ یہ ان لوگوں کا نصیبہ ہے جو نفس کے تابع ہیں کہ نہ خدا سے حیاء کھاتے ہیں اور نہ شرع شریف کا انہیں کچھ پاس ولحاظ ہے ہاں البتہ لوگوں میں بدنام ہونے سے ڈرتے ہیں اس لئے جھوٹ سے گریزاں ہوتے ہیں۔

رب تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو بھی اپنے دربار سے خالی ہاتھ نہ لوٹائے گا۔

اعلیٰ اخلاق میں سے یہ بات ہے کہ ہماری منزل سچ ہو ہمارا مطلوب ومقصود سچ ہو کہ سچ ہی دنیا و آخرت میں مددگار اور معاون ومساعد ہے۔ سچائی سے بڑھ کر اچھا دوست اور غم خوار وغم گسار کوئی نہیں۔ (ماخوذ از ''ادب الدنیا والدین'' للماردی)

اگرچہ علامہ ماردیؒ نے یہاں معتزلہ کے خیالات کو بنظر تحسین دیکھا ہے کہ وہ عقل کو دین پر مقدم رکھتے ہیں۔ بہرحال اس کلامی بحث کو چھوڑ کر خلاصہ یہ ہے کہ سچ پر قائم ہونے کے اسباب عقل ودین دونوں ہیں۔

سچ ہر ایک کے لیے ضروری اور لازم ہے۔ سچ چھوٹوں کو بڑا اور بڑوں کو اور بڑا کر دیتا ہے۔ حتی کہ بادشاہ اور حکام و امراء بھی سچ بولنے سے بے نیاز نہیں۔ بلکہ جو شخص جتنا بڑا ہوتا جاتا ہے سچ بولنا اس کے لیے اس قدر ضروری اور لازمی ہوتا جاتا ہے۔

جب کہ اس کا دوسرا پہلو اور بھی زیادہ قابل غور ہے۔ کہ انسان جھوٹ ایک ہتھیار سمجھ کر استعمال کرتا ہے اور اپنے تئیں اپنے سے ضرر کو دور کرنے کے لیے جھوٹ کو بطور آلہ کے استعمال کرتا ہے تو جس انسان کو اپنے سے ضرر دور کرنے کے دوسرے فطری اور جائز اسباب میسر ہوں اس کو جھوٹ کا سہارا لینا اور بھی زیادہ مذموم ہے اس لئے حدیث میں آتا ہے کہ ''تین آدمی ہیں کہ جن سے روز قیامت نہ رب تعالیٰ بات کریں گے نہ ان کی طرف نگاہ رحمت سے التفات فرمائیں گے اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کریں گے۔

(ان میں سے ایک) وہ ہے جو بادشاہ ہو کر جھوٹ بولے۔ (مسلم۔کتاب الایمان)

جھوٹ اخلاق کو گھن کی طرح چاٹ جاتا ہے پھر پیچھے سوائے فسق و فجور کے اور کیا رہ جاتا ہے؟ اور یہی فسق و فجور دوزخ کی طرف کشاں کشاں لئے جاتا ہے۔

اور سچ آدمی کے کمالات کو آراستہ اور صفات کو اور زیادہ شائستہ بناتا ہے پھر دل نیکیوں سے بھر جاتا ہے اور قدم خود بخود جنت کی طرف اٹھتے ہیں۔

سچ انسانیت کا زیور ہے اس کے بغیر انسانیت حیوانیت ہے۔

اب سچ کے متعلقہ جمع شدہ جملہ مواد کو جو قرآن و حدیث سے اور اکابر اسلاف کی کتب سے اکٹھا کیا ہے اس کو ایک ترتیب کے مطابق ذکر کرتے ہیں۔

آخر میں یہ دعا ہے کہ رب تعالیٰ ہمیں سچا بنائے، سچا رکھے، سچا اٹھا لے، اور سچا اٹھائے اور سچوں میں انجام کرے اور سچی جگہ پہنچائے آمین یارب العالمین۔

طالب دعا

ابوزلفہ محمد آصف نسیم جھنگ شہری

انبیائے کرام علیہم السلام کی عصمت وصداقت

ضروری تھا کہ پہلے رب تعالیٰ کی صداقت کو بیان کیا جاتا لیکن اس بارے میں خود خدا کا یہ فرمان کافی ہے

"وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلاً" (النساء:۱۲۲)

''اس سے بڑھ کر کوئی بات کا سچا نہیں''

اور جب کائنات کا ذرہ ذرہ اس خدا کی خالقیت، ربوبیت، وحدانیت اور الوھیت کی صداقت کی گواہی دے رہا ہے جس کو اس کے نہ ماننے والے بھی مانتے ہیں تو اس کے بعد رب تعالیٰ کی سچائی پر مزید کسی دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت رہ نہیں جاتی اس لیے اب ہم انبیائے کرام کی عصمت وصداقت پر بات کرتے ہیں۔

عصمت یہ صداقت کی سب سے اعلیٰ شکل ہے اور یہ صفت نبوت کا لازمہ ہے۔ یہ اگرچہ ہر بشر کے لئے ضروری ہے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کی نسبت یہ صفت لازم ہے بلکہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی فطری صفات میں سے ہے کسی بھی نبی سے یہ ممکن نہیں کہ اس سے خلاف مروت کوئی بات صادر ہو جیسے جھوٹ اور خیانت اور ناجائز ذرائع سے لوگوں کا مال کھانا وغیرہ کیونکہ یہ صفات ایک عام آدمی کے مناسب نہیں تو خدا کے ایک نبی مقرب اور رسول مکرم سے یہ باتیں کیسے صادر ہو سکتی ہیں۔ اور اگر انبیا سے جھوٹ کا واقع ہونا جائز ہوتا تو ان کی وحی کی دی ہوئی خبروں پر اعتماد نہ رہتا اور خلق خدا کو یہ وھم رہتا کہ شاید ان ہستیوں نے یہ باتیں خود سے تراش کر خدا کی طرف منسوب کر دی ہیں۔ اللہ کی پناہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے کسی قسم کا کوئی جھوٹ واقع ہو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کی صفت کو ''صدق'' کے ساتھ متصف بیان فرمایا ہے۔ نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے بارے میں فرمایا:

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (سورۃ الصافات:۳۷)

''(نہیں) بلکہ وہ حق لے کر آئے ہیں اور (پہلے) پیغمبروں کو سچا کہتے ہیں''

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کہا،

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۔

(سورۃ مریم: ۴۱)

''اور کتاب میں ابراہیمؑ کو یاد کرو بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے''

اور اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ۔ (سورۃ مریم: ۵۴)

''وہ وعدے کے سچے اور ہمارے بھیجے ہوئے نبی تھے''

اور یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

''أَنَا رَاوَدْتُّهُ عَنْ نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ'' (سورۃ یوسف: ۵۱)

''(اصل قصہ یہ ہے کہ) میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور وہ بے شک سچا ہے''

انبیاء کرام اور مرسلین عظام کے اس وصف محمود کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مسلسل تعریف بیان کی ہے۔ وہ خوبیاں جن سے انبیاء کرام اپنے جیسے باقی انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں وہ ان کا گناہوں اور شہوت کی باتوں سے دور اور الگ تھلگ رہنا اور ہر اس بات سے اجتناب کرنا ہے جو مروت میں مخل ہو یا شرافت کو ضائع کر دے یا انسان کی شرافت ختم کر دے۔ یہ رب تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں۔ ان کے اخلاق سب سے کامل، ان کا عمل سب سے پاکیزہ، ان کا نفس سب سے پاک صاف اور ان کی سیرت سب سے زیادہ معطر ہے۔ کیونکہ انہیں بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نمونہ بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ ان کے انہی پاکیزہ اخلاق اور صدق و صداقت سے لبریز زندگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو زندگی کے تمام شعبوں میں ان حضرات کی اقتداء کرنے کا اور ان کے اخلاق اپنانے کا اور انکے طریقے پر چلنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ'' (سورۃ الانعام: ۹۰)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی تھی تو تم نے انہیں کی ہدایت کی پیروی کی''

یہی وہ عصمت ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ثابت ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں گناہ کی آلائشوں سے بچا کر رکھا ہے۔ اور اس نعمت سے خدا نے فقط ان ہستیوں کو ہی نوازا اور انہیں اس شرف کے ساتھ ممتاز کیا۔ اور بری عادتوں کے ارتکاب سے اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ اور یہ بات کسی طور پر مناسب بھی نہیں کہ ایک رہنما خود تو فضیلت کا حکم دے اور بری عادت سے روکے پھر خود فواحش اور منکرات کا مرتکب بھی ہو۔

گناہ یہ معنوی نجاستیں ہیں جو حسی نجاستوں اور گندگیوں کے مشابہ ہیں۔ لہٰذا ان کی نسبت انبیاء کرام علیہم السلام اور رسولوں کی طرف کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ حدیث شریف میں آتا ہے۔

''جس نے ان برائیوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو وہ خدا کی ستاری کے ساتھ خود کو چھپائے (یعنی اپنے گناہ کا کسی کے سامنے تذکرہ نہ کرے) اور اگر اس نے خود ہی اپنے گناہ کو ظاہر کر دیا (اور وہ گناہ حدود میں سے ہوا) تو ہم اس پر کتاب اللہ (کے حکم) کو جاری کریں گے''

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا انبیاء کرام علیہم السلام سے صغیرہ گناہ واقع ہوتے ہیں یا نہیں جبکہ اس پر ان کا اتفاق ہے کہ وہ کبائر سے اور ہر اس بری خصلت سے معصوم ہیں جو بالاجماع برائی اور نقص ہو۔ کیونکہ ہمیں ان کے افعال، اخبار اور ان کی سیرتوں میں مطلقاً انکی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اگر ہم ان کے لئے صغائر کو جائز قرار دے دیں تو ان کی اقتداء ممکن نہ رہے گی۔ کیونکہ پھر ان کے تمام افعال میں تمیز نہیں ہو سکے گی کہ آیا یہ نیکی اور مباح ہے یا ممنوع اور حرام ہے کیونکہ کسی کو کسی غیر شرعی کام کا حکم دینا درست نہیں۔

ابو اسحاق اسفرائنی کہتے ہیں انبیاء سے گناہوں کا وقوع ممکن نہیں کیونکہ وہ کبائر اور صغائر دونوں سے معصوم ہیں اور یہ معجزہ کی دلیل کا بھی مقتضی ہے۔ البتہ بعض علماء انبیاء کرام علیہم السلام سے صغائر کے واقع ہونے کے قائل ہیں یقیناً یہ ایک بے اصل قول ہے۔ اکثر علما کا یہی مذہب ہے کہ انبیاء سے گناہوں کا صدور جائز نہیں۔ بعض متاخرین فرماتے ہیں کہ یوں کہنا مناسب ہے اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء سے گناہوں کے واقع ہونے کی خبر دی ہے اور ان کی طرف اس کی نسبت کی ہے اور اس پر انہیں زیر عتاب بھی فرمایا ہے اور خود انہوں نے اپنے

بارے میں بھی اس کی خبر دی ہے کہ ان باتوں سے وہ الگ ہو گئے اور توبہ استغفار کر لی۔

اس جیسے جتنے اقوال بھی کتب حدیث وغیرہ میں آئے ہیں ان میں تاویل کی گنجائش ہے۔ اور یہ وہ امور ہیں جو ان کے مناصب کے مناسب نہیں۔ البتہ ان حضرات سے یہ امور خطا اور چوک کے طور پر صادر ہوئے ہیں اور فی الواقع وہ بھی گناہ نہیں کیونکہ یہ ان حضرات کی عالی شان کے مطابق تو سیئات ہیں مگر ہم جیسوں کے حق میں یہ بھی حسنات ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ: "نیک لوگوں کی حسنات مقرب لوگوں کی سیئات ہوتی ہیں"

کیونکہ بعض اوقات وزیر کی اس کام میں بھی پکڑ ہوتی ہے جس پر مزدور کو انعام دیا جاتا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ حق بات یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے ان کی شان کے مطابق ذنوب سرزد ہو سکتے ہیں لیکن یہ ان کے منصب نبوت میں مخل نہیں اور نہ ہی یہ ان کے مرتبوں میں طعن ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی لغزشوں کی تلافی کی اور ان کو چن لیا ان کو ہدایت دی ان کا تزکیہ فرمایا اور ان کو منتخب کر لیا، "صلوات الله عليهم و سلامه"

(تفسیر قرطبی ج ۱۱ ص ۳۵۵)

انبیاء کرام علیہ السلام کی وہ لغزشیں جو نصوص میں وارد ہوئی ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا ممنوعہ درخت سے کھا لینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی جماعت کے ایک آدمی کو قتل کرنا وغیرہ کہ علماء نے ان جیسے واقعات کی مندرجہ ذیل توجیہات بیان کی ہیں:

۱۔ یہ معصیت نہیں بلکہ یہ صرف خلاف اولی افعال تھے۔

۲۔ یہ افعال معصیت نہیں بلکہ اجتہادی غلطی تھے۔

۳۔ بفرض محال اگر یہ حکم خداوندی کی مخالفت اور معصیت بھی ہے تو یہ نبوت سے پہلے واقع ہوئے تھے۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ان لغزشوں کا ارتکاب دوبارہ نہیں ہوا۔ بلکہ انہوں نے اس کے فوراً بعد توبہ واستغفار کرتے ہوئے نیک اعمال کی کثرت کی۔ اور یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اللہ کے

نبی موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

رَبِّ بِمَا اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَکُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ۔

(سورۃ القصص: ۱۷)

''تو نے جو مجھ پر مہربانی فرمائی ہے میں (آئندہ) کبھی گنہ گاروں کا مددگار نہ بنوں گا''

اور فرمایا،

''هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ'' (سورۃ القصص: ۱۵)

''یہ کام تو (اغوائے) شیطان سے ہوا''

پھر قیامت کے دن جب لوگ آپؑ کے پاس شفاعت کے لئے جائیں گے تو آپؑ ان سے یہ فرمائیں گے کہ ''میں نے ایک جان کو قتل کیا ہے جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا اے رب (آج اس روز تو) مجھے اپنی جان (کی فکر ہے) اپنی جان کی۔

اس مقام پر یہود و نصاریٰ دونوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ یہود کی گستاخی اس حد تک بڑھی کہ انہوں نے سب نبیوں کو گنہگار کہہ دیا اور انصاری کی عقیدت یہاں تک بڑھی کہ انہوں نے جناب مسیحؑ کے علاوہ سب ہی کو گنہگار قرار دے دیا۔ ان بے بنیاد باتوں سے انصاری کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا گنہگار ہونا ان کا عقیدہ ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام بنی آدم گنہگار ہیں۔ اور روز قیامت انہیں کسی کی سفارش نصیب نہ ہوگی اور نہ ہی کوئی انہیں خدا کے عذاب سے مخلصی بخشے گا۔ کیونکہ گنہگار گنہگار کو نہیں بچا سکتا۔ تو روز قیامت صرف جناب مسیحؑ ہی ساری انسانیت کو بچائیں گے۔

بلاشبہ یہ عقیدہ ایک طرف تو ادیان سماویہ کی تعلیمات کے خلاف ہے اور عقل بھی اس سے انکار کرتی ہے تو دوسری طرف یہ عقیدہ ہندوانہ وثنیت کی جدید تشریح بھی ہے کہ بھگوانوں کی حیثیت ہندوؤں کے نزدیک یہی کچھ ہے۔ رب تعالیٰ کی کتابوں میں اس عقیدہ کی ہرگز ہرگز گنجائش نہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا معصوم ہونا جہاں شرع شریف کا تقاضا ہے وہیں عقل کا بھی

مقتضیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

''وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ...... وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ۔

(سورۃ الانبیاء:۷۳)

''اور ان کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم بھیجا اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے''

''الصادق المصدوق'' احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ؐ کی عصمت وصداقت

راست گوئی اور سچائی ایسی صفات ہیں جن کی اہمیت ہر مذہب میں اور ہر دور میں یکساں طور پر تسلیم کی گئی ہے اس کے بغیر انسان کے اخلاق کا بیان نامکمل ہے اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اس کی طرف خوب توجہ دلائی ہے اور اس کی جا بجا تاکید فرمائی ہے۔ آپؐ نے سچ بولنے کی تعلیم دی اور کذب بیانی اور دروغ گوئی سے منع فرمایا خود آپؐ کی راست گوئی دوست اور دشمن سب کے نزدیک مسلم تھی آپؐ کے صدق وامانت کے آپؐ کے بچپن سے ہی تذکرے تھے حتیٰ کہ جن لوگوں نے آپؐ کو ساحر، مجنون، شاعر اور کاہن تک کہا وہ بھی آپؐ کو ''الصادق الامین'' کے لقب سے یاد کرنے پر خود کو مجبور پاتے تھے۔ انہوں نے سب کچھ کہا مگر نہ کہا تو ''دروغ گو'' یا ''کذب بیان'' نہ کہا آپؐ کا بدترین مخالف ابوجہل بھی آپؐ کے بارے میں یہ کہتا ہے اور یہ کہنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے:

''محمد (ﷺ) میں آپؐ کو جھوٹا نہیں کہتا البتہ آپؐ جو کچھ کہتے ہیں میں اس کو صحیح نہیں کہتا''

(ترمذی)

اس بدترین دشمن کو بھی جھوٹا کہنے کی جرأت وجسارت نہ ہوسکی کہ جب کائنات کا ذرہ ذرہ آپؐ کی صداقت پر شہادت دے رہا تھا تو ایک ابوجہل کی کیا مجال تھی کہ ان سب کے مقابلے میں دوسرے کٹہرے میں کھڑا ہو کر آپؐ کو کاذب کہتا؟۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ روم کے دربار میں جب ہرقل نے ابوسفیان سے

پوچھا کہ ''کیا تم نے جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اس کو اس دعوے سے پہلے کبھی جھوٹ پر آزمایا ہے؟ تو ابوسفیان نے جواب نفی میں دیا'' (بخاری۔ باب بدء الوحی)

عطائے نبوت کے بعد جب آپؐ نے صفاء پہاڑی پر چڑھ کر نبوت کا پہلا اعلان کرنے کے لیے قریش کو جمع کیا تو سب سے پہلے ان سے اس بات کی شہادت لی کہ آپؐ ہمیشہ ''صادق الامین'' ہی پائے گئے ہیں، چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

''اگر میں تمہیں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے جو صبح یا شام میں تم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے تو تم یقین کرو گے''؟

سب نے بیک زبان جواب دیا، ''ہم نے آپؐ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا''

(بخاری)

ایک روز قریش کے سر برآوردہ لوگوں کے مجمع میں نضر بن حارث کہنے لگا، ''اے گروہ قریش! یہ جو تم پر تازہ مصیبت آئی ہے اس کا اب تک تم کوئی حل نہیں نکال سکے، محمد (ﷺ) نے تمہارے سامنے اپنا شبابِ بتایا وہ تم سب سے زیادہ پسندیدہ، بات کا سچا اور امین تھا اب جب کہ وہ ایک عمر گذار چکا ہے اور بڑھاپے میں قدم رکھ رہا ہے اس نے تمہارے سامنے چند باتیں پیش کیں تو تم اسے ساحر کہتے ہو حالانکہ خدا کی قسم وہ ساحر نہیں ہیں، ہم نے سحر خوب دیکھا ہے، یا پھر تم انہیں کاہن کہتے ہو حالانکہ بخدا وہ کاہن بھی نہیں ہیں کیونکہ ہم کہانت سے بھی بخوبی واقف ہیں، یا پھر تم انہیں شاعر کہتے ہو حالانکہ واللہ وہ شاعر بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم اشعار اور اصناف اشعار سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ یا پھر تم انہیں مجنون کہتے ہو حالانکہ خدا کی قسم! وہ مجنون بھی نہیں ہیں کیونکہ ہم نے جنون کو بھی دیکھا ہے اے قریش! تم اپنے معاملات پر غور کرو کیونکہ اللہ نے تم پر ایک امر عظیم (کوئی بڑا معاملہ) نازل کیا ہے''

(سیرت ابن ہشام)

لیجئے! آپؐ کے بدترین دشمن کا آپؐ کی پیٹھ پیچھے صداقت کی شہادت دینے کا ایک عبرت آموز واقعہ بھی پڑھئے۔ روایات میں آتا ہے کہ قریش کے سرداروں میں سے ایک آدمی ابوجہل کو مکہ کے کسی راستے میں ملا اس نے ابوجہل کو ٹھہرا کر کہا:

''اے ابوالحکم! یہاں میرے اور تیرے سوا کوئی نہیں۔ میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا محمد سچا ہے یا جھوٹا؟۔

ابو جہل نے اسے صراحت سے جواب دیا'' اللہ کی قسم محمد (ﷺ) سچا ہے اور اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا'' اس نے کہا'' پھر کونسی چیز تمہیں اس کی اتباع سے روک رہی ہے؟

ابو جہل نے اس سے کہا،'' ہم میں اور بنو ہاشم میں باہم مقابلہ ہوا۔ ہمارا جھگڑا سرداری اور فخر میں تھا۔ پس ان لوگوں نے کھانا کھلایا تو ہم نے بھی کھانا کھلایا۔ انہوں نے پانی پلایا تو ہم نے بھی پلایا۔ انہوں نے پناہ دی تو ہم نے بھی پناہ دی۔ یہاں تک کہ ہم بازی کے دو گھوڑوں کی طرح تھے پھر وہ ہم سے بڑھ گئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم میں ایک نبی مبعوث ہوا ہے۔ تو ہم نبی کہاں سے لاتے؟ اللہ کی قسم! ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ہی اس کی اتباع کریں گے۔

اس بارے میں اللہ سبحانہ نے اپنے نبی سے فرمایا:

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ ...... بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ

(سورۃ الانعام:۳۳)

''ہم کو معلوم ہے کہ تجھ کو غم میں ڈالتی ہیں ان کی باتیں سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں''

یہ اللہ کا دشمن اور اس امت کا فرعون ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سچا ہونے کا اقرار و اعتراف کرتا ہے لیکن سرداری اور لیڈرشپ کی کھوٹی اور جھوٹی محبت نے اس کو آپ ؐ کی اتباع سے روک دیا۔

اسی لیے آپ ؐ سچائی اور راست گوئی کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ کبھی مزاح میں بھی کوئی بات خلاف واقعہ نہ فرمائی کہ جسے ''غلط بیانی'' کہہ سکیں۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی بابت خود ارشاد فرمایا،'' میں مزاح کرتا ہوں لیکن بات صرف حق ہی کہتا ہوں'' (ترمذی)

نبی کریم ﷺ کی نبوت وصداقت کے چند دلائل

اس بابت ہمارے لئے صرف یہی بات بس ہے کہ خود قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور صدق وصداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ یہ کوئی آج کا قصہ نہیں، صدیوں پہلے کی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام انس وجن کو کتاب اللہ میں اس بات کا چیلنج کیا تھا کہ اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر لا دکھاؤ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْنَ۔ (سورۃ البقرہ:۲۴)

''پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کے واسطے تیار کی گئی ہے''

پھر اسی چیلنج کو دوسری جگہ ذکر فرماتے ہیں:

فَلْیَأْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِہٖ اِنْ کَانُوْا صَادِقِیْنَ۔ (سورۃ الطور: ۳۴)

''پھر چاہیے کہ لے آئیں کوئی بات اسی طرح کی اگر وہ سچے ہیں''

عرب لوگ فصاحت وبلاغت کے شہسوار ہونے کے باوجود قرآن کے اس چیلنج کا سامنا نہ کر سکے اور تنگ آ کر تلوار تو اٹھالی مگر نہ کر سکے تو یہ نہ کر سکے کہ قرآن جیسی کوئی ایک سورت یا آیت ہی بنا لاتے۔ قرآن میں ہم سے پہلوں کی اور ہم سے بعد والوں کی خبریں ہیں یہ قرآن ہمارے درمیان حکم ہے اور فصاحت وبلاغت، احکام تشریعیہ کی حکمتوں کے اعجاز اور علمی وطبی ہر قسم کے معجزانہ اسلوب پر مشتمل ہے۔

دراصل یہ ساری بشریت کے لئے کتاب ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف یوں بیان کی ہے،

وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافاً کَثِیْرًا۔

(سورۃ النساء:۸۲)

اور اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے“

اب ہم آپ کے صدق کے چند دلائل ذکر کرتے ہیں صحیح احادیث میں آتا ہے کہ:
کنکریوں نے آپ کی مٹھی میں اللہ کی پاکی بیان کی ایک درخت آپ کے آگے جھک گیا، اسطوانہ حنانہ آپکے شوق میں تڑپا ضرورت کے وقت آپ کے لیے کھانا زیادہ کر دیا گیا۔ اور آپکی انگلیوں سے پانی جاری ہوا کہ یہ سب آپ کے معجزات ہیں۔ جو آپ کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس مقام پر ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ کو گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کے تمام معجزات عطا کیے گئے۔ آپ کا ایک امتیازی معجزہ آپ کے کریمانہ اور پاکیزہ اخلاق ہیں جن کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنی قیمتی کتاب ”الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح“ میں فرماتے ہیں کہ،
رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور آپ کے اخلاق اور اقوال اور افعال آپ کی نبوت کے دلائل میں سے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں، آپ کی شریعت آپ کی نبوت کی نشانی ہے آپ کی امت اس کی نشانی ہے۔ آپ کی امت کا علم ان کا دین اور اس امت کے صالح آدمیوں کی کرامات بھی آپ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اور یہ بات آپکی پیدائش سے لیکر بعثت تک اور بعثت سے لیکر موت تک کی سیرت میں غور وفکر کرنے سے اور آپ کے نسب اور آپ کے شہر اور آپ کی اصل اور آپ کے فضل میں غور وفکر کرنے سے ظاہر ہوگی۔
آپ کا نسب تمام روئے زمین میں سب سے شرافت والا، خالص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔ کہ آپ کے بعد جو بھی نبی آیا وہ آپ ہی کی ذریت میں سے آیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو بیٹے عطا فرمائے تھے اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام جن کا تورات میں بھی ذکر ہے

اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے جو کچھ بھی پیدا ہوگا اس کی بھی خوشخبری تورات میں دی گئی ہے۔ پھر وہی کچھ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ظاہر ہوا جس کی خوشخبری دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ نہیں ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذریت کے لئے دعا کی کہ اللہ ان میں سے ایک رسول ان میں بھیجئے۔ نبی کریم ﷺ نبی ابراہیم کے سب سے اعلیٰ خاندان قریش اور قریش کے سب سے اونچے خاندان بنو ہاشم اور مکۃ الکرمہ کی اس وادی سے تھے جس کو ام القریٰ کہتے ہیں۔ اس میں خدا کا وہ قدیم گھر ہے جس کو جناب ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حکم سے بنایا اور لوگوں کو اس کے حج کرنے کی طرف بلایا۔ وہ دن اور آج کا دن، عہد ابراہیمی سے اس گھر کا حج ہوتا چلا آرہا ہے اور گذشتہ آسمانی کتابوں میں اس کو بڑے اچھے اوصاف کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ کامل تربیت اور پرورش والے تھے۔ سچائی، نیکی، اعلیٰ اخلاق اور عدل وانصاف میں ہمیشہ معروف رہے۔ نبوت سے پہلے بھی کبھی آپ نے کوئی برائی اور ظلم نہیں کیا۔ نبوت سے پہلے جو بھی آپ کو جانتا تھا چاہے بعد میں آپ پر ایمان لایا یا نبوت کے بعد اس نے کفر کیا لیکن کسی کے نزدیک بھی آپ میں کوئی مذموم وصف موجود نہیں تھا جو اس وقت لوگوں میں مشہور ہو۔

آپؐ کے اقوال افعال اور اخلاق میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس پر کوئی عیب لگایا گیا ہو۔ اور کسی کو بھی آپ پر جھوٹ اور ظلم اور برائی کا تجربہ نہیں ہوا آپؐ کی خلقت اور صورت سب سے اچھی اور کامل تھی اور تمام خوبیاں آپؐ میں جمع تھیں جو آپکے کمال پر دلالت کرتی تھیں۔ آپؐ ان پڑھ قوم کے ایک امی شخص تھے۔ نہ کوئی آپکو جانتا تھا اور نہ ہی آپ کی قوم کو۔ اور کوئی اہل کتاب بھی آپکو نہیں جانتا تھا لوگوں کے علوم بھی آپؐ نے نہیں پڑھے تھے۔ اور نہ ہی ان لوگوں کے ساتھ کبھی اٹھے بیٹھے تھے۔ اور چالیس سال کی عمر سے پہلے آپؐ نے کبھی نبوت کا دعویٰ بھی نہیں کیا تھا۔ پھر آپؐ اچانک ایک ایسی بات لائے جو سب سے عجیب اور سب سے بڑی تھی اور وہ ایسا کلام تھا کہ اولین اور آخرین میں سے کسی نے ایسا

کلام نہیں سنا تھا۔ اور ایسے امر کی خبر دی جس کو آپ کے شہر اور قوم کے لوگوں میں کوئی جانتا نہیں تھا۔ پھر کمزور لوگوں نے آپ کی اتباع کی اور سرداروں نے آپؐ کی تکذیب اور دشمنی کی۔ اور ہر طریقے سے آپؐ کو اور آپ کے متبعین کو ہلاک کرنے کی کوشش کی جس طرح کہ اب تک ہر زمانے کے کفار انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ کرتے چلے آئے تھے۔ جن لوگوں نے آپؐ کی اتباع کی انہوں نے کسی رغبت یا خوف سے نہیں کی۔ کیونکہ آپؐ کے پاس کوئی مال نہیں تھا جو آپؐ ان کو عطا کرتے اور نہ ہی کوئی بلند منصب تھا جن پر آپؐ ان کو فائز کر دیتے اور نہ ہی آپؐ کے پاس کوئی جنگی طاقت یعنی تلوار وغیرہ تھی۔ بلکہ تلوار مرتبہ اور مال آپؐ کے دشمنوں کے پاس تھا اور انہوں نے آپؐ کے ماننے والوں کو مختلف اذیتیں دیں اور وہ ثواب کی امید میں صبر کرتے رہے۔ جب ایمان اور معرفت کی حلاوت ان کے دلوں میں رچ بس جاتی تھی تو پھر وہ دین سے نہیں پھرتے تھے۔ مکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ ہی سے لوگ حج کے لئے آتے تھے، حج کے موسم میں قبائل عرب جمع ہوتے تھے۔ اس موقع پر آپؐ اللہ کا پیغام ان لوگوں تک پہنچانے کے لئے ان کے پاس جاتے اور ان کی تکذیب، ظلم اور اعراض پر صبر کرتے ہوئے ان کو اللہ کی طرف بلاتے رہتے۔ یہاں تک کہ یثرب والے اکٹھے ہوگئے یہ یہودیوں کے پڑوسی تھے انہوں نے آپؐ کی خبروں کو ان یہودیوں سے بھی سن رکھا تھا اور آپ کو پہچانتے بھی تھے تو جب آپؐ نے یثرب والوں کو دعوت دی تو ان کو پتہ چل گیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا انتظار تھا جن کے بارے میں یہود نے ان کو خبریں دی تھیں اور انہوں نے بھی آپ کی خبریں سن رکھی تھیں جس سے وہ آپ کے مرتبے کو پہچان گئے تھے۔

دس سال سے کچھ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ آپؐ کی دعوت آفاق عالم میں پھیل گئی لوگ ایمان لے آئے اہلِ یثرب نے آپؐ کے ہاتھ پر ہجرت کی بیعت کی اور آپؐ کو اپنے اصحاب سمیت اپنے وطن ہجرت کر آنے کی دعوت بھی دی اور آپؐ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے پر بھی بیعت کی، چنانچہ آپؐ اپنے اصحاب سمیت مدینہ ہجرت فرما گئے۔ اس ہجرت نے تاریخ اسلام میں خدام اسلام کے دو طبقے پیدا کئے ایک مہاجرین کا اور دوسرا انصار کا۔

ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو کسی دنیاوی رغبت کی وجہ سے آپ پر ایمان لایا ہو اور نہ ہی کسی خوف کی وجہ سے۔ مگر چند انصاریوں نے ظاہر میں اسلام قبول کیا پھر ان میں سے بعض نے سچا اسلام قبول کر لیا۔ پھر آپ کو جہاد کی اجازت اور اس کا حکم دیا گیا۔ آپ ہمیشہ اللہ کے حکم کو اکمل اور اتم طریقے سے قائم فرماتے تھے سچائی، عدل اور خیر خواہی سے کہ جس میں ظلم، کذب وافتراء اور دھوکہ وفریب کی آمیزش نہ ہوتی۔ آپ لوگوں میں سب سے زیادہ سچے، سب سے زیادہ عادل اور مختلف احوال میں اللہ کے عہد کو سب سے زیادہ پورا کرنے والے تھے خواہ جنگ ہو یا امن، اور اطمینان ہو یا خوف۔، غنا ہو یا فقر، قدرت ہو یا عجز، طاقت ہو یا ضعف قلت ہو یا کثرت خواہ آپ دشمن پر قابو پا چکے ہوں یا دشمن آپ پر غالب آ گیا ہو۔ غرض آپ ان تمام احوال میں اکمل اور اتم طریقے کو اختیار فرماتے۔ یہاں تک کہ آپ کی دعوت تمام سرزمین عرب پر غالب آ گئی جو بتوں کی پرستش، کاہنوں کی خبروں، مخلوق کی طاعت، خالق کے ساتھ کفر، حرام خون بہانے اور قطع رحمی سے بھری ہوئی تھی۔ پھر وہی لوگ (اسلام لانے کے بعد) روئے زمین کے سب سے بڑے عالم، سب سے زیادہ دیندار سب سے بڑے عادل اور سب سے افضل لوگ بن گئے۔ یہاں تک کہ جب شام میں آنے کے وقت عیسائیوں نے ان حضرات کو دیکھا تو کہنے لگے، ''مسیح علیہ السلام کے حواری ان سے افضل نہیں تھے'' ہمارے سامنے ان حضرات کے علم وعمل کے آثار بھی میں اور دوسروں کے علم وعمل کے بھی۔ لیکن عقلمند لوگ ان دونوں طبقوں کے آثار واحوال میں بآسانی فرق کر سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے باوجود غالب آ جانے کے اور مخلوق کے ان کی تابعداری کرنے کے اور لوگوں کے آپ کو اپنی جانوں اور مالوں پر مقدم کرنے کے جب رحلت فرمائی تو نہ تو کوئی درہم ودینار پیچھے چھوڑا اور نہ کوئی بکری اور اونٹ، سوائے ایک خچر، ہتھیار اور زرہ کے جو ایک یہودی کے پاس تیس وسق جو کے بدلہ میں رہن تھے جو آپ نے اپنے گھر والوں کے لئے خریدی تھی۔ آپ کی ملکیت میں کچھ زمین بھی تھی جس سے کچھ تو آپ اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے تھے اور باقی کو مسلمانوں کے مصالح میں خرچ فرما دیتے تھے۔ مزید یہ کہ آپ نے حکم فرما دیا تھا کہ آپ کا ترکہ میراث نہ بنے گا اور آپ کے ورثاء کو آپ

کے ترکہ میں سے کچھ نہ ملے گا۔

ہر وقت آپؐ سے عجیب نشانیاں اور کرامات ظاہر ہوتی تھیں جنکی تفصیل بہت لمبی ہے۔ آپؐ لوگوں کو ماضی اور مستقبل کی خبریں دیتے تھے۔ اور ان کو اچھی باتوں کا حکم کرتے اور بری باتوں سے منع کرتے تھے۔ ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور خبیث چیزوں کو حرام فرماتے تھے اور شریعت کی تدریجاً تعیین کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس دین کو کامل کردیا جس کو دے کر آپؐ کو بھیجا تھا اور آپؐ کی شریعت اکمل شریعت ہوگئی رب تعالیٰ نے آپؐ کی شریعت میں ہر اس نیکی کا حکم دیا جسے عقل نیکی سمجھے اور ہر اس برائی سے روکا جسے عقل برا خیال کرے۔

آپؐ نے کبھی کسی ایسی شی کا حکم نہ فرمایا کہ لوگ یہ کہہ اٹھتے کہ '' کاش! یہ حکم نہ ملتا اور نہ ہی کسی ایسی بات سے کبھی منع فرمایا کہ لوگ کہتے کہ، کاش! اس بات سے منع نہ کیا جاتا۔ آپؐ نے لوگوں کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال فرمایا ان میں سے کسی چیز کو بھی حرام نہیں فرمایا جس طرح اوروں کی شریعت میں وہ حرام کی گئی تھیں۔

اور ہر خبیث چیز کو حرام کیا ان میں سے کسی کو بھی حلال نہیں کیا جس طرح کہ اوروں نے ان کو حلال جانا آپؐ نے تمام امتوں کی خوبیوں کو (اپنی شریعت میں) جمع فرمایا۔

اللہ، فرشتوں اور قیامت کے دن کے بارے میں جس قسم کی بھی خبر تورات، انجیل اور زبور میں مذکور ہے آپؐ نے اس کو اس سے بھی کامل ترین صورت میں بیان فرمایا۔ اور ایسی چیزوں کے بارے میں بھی بتایا جو ان گذشتہ کتب میں مذکور نہیں تھیں۔ ان گذشتوں کتابوں میں عدل وانصاف، فضائل ومحاسن اور حسنات کی بابت جو کچھ بھی مذکور تھا اس کو بیان فرمایا بلکہ اس سے بھی کامل بیان فرمایا۔ جب عقلمند اس شریعت کی عبادات اور اس کے علاوہ امتوں کی عبادات میں غور کرے گا تو اس پر اس شریعت کی فضیلت ظاہر ہو جائے گی اور اس طرح حدود، احکام اور اسلامی قوانین میں آپؐ کی امت ہر فضیلت میں باقی تمام امتوں سے زیادہ کامل ہے۔

جب ان کے علم کا تقابل باقی تمام امتوں کے علم سے کیا جائے تو ان کے علم کی فضیلت

ظاہر ہو جائے گی۔ اگر ان کے دین، عبادت اور ان کی اللہ کی فرمانبرداری کا موازنہ ان کے غیر سے کیا جائے تو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ باقیوں سے زیادہ دیندار ہیں۔ اور اگر ان کی شجاعت اللہ کے راستے میں جہاد اور اللہ کے معاملہ میں ناگواریوں پر صبر کرنے کو دیکھا جائے تو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ سب سے بڑے مجاہد اور ان کے دل سب سے بہادر ہیں اور اگر ان کی سخاوت، ان کی نیکی اور ان کے نفسوں کی عالی ظرفی کا موازنہ دوسروں سے کیا جائے تو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ دوسروں سے زیادہ سخی اور زیادہ شرافت والے ہیں۔

آپؐ کی ہی برکت سے ان کو یہ فضائل حاصل ہوئے اور آپؐ ہی کے فیضان نظر سے انہوں نے یہ کمالات ظاہریہ و باطنیہ سیکھے اور آپؐ ہی نے ان حضرات کو ان سب باتوں کا حکم دیا۔ آپؐ سے پہلے وہ اس کتاب کی اتباع نہیں کرتے تھے جس کی تکمیل کے لئے آپ تشریف لائے جس طرح مسیح علیہ السلام تورات کی شریعت کی تکمیل کے لئے تشریف لائے تھے۔

مسیح علیہ السلام کی اتباع کرنے والوں کے فضائل اور ان کے علوم بعض تورات میں سے ہیں اور بعض زبور میں سے اور بعض دوسرے نبیوں کی تعلیمات میں سے ہیں جبکہ بعض تعلیمات خود جناب مسیحؑ کی ہیں اور بعض آپؑ کے حواریوں کی ہیں۔ انہوں نے اہل فلسفہ اور دوسروں کے کلام سے بھی مدد حاصل کی یہاں تک کہ دین مسیح میں کفار کے ان امور کو بھی داخل کر دیا گیا جو دین مسیح کے مخالف تھے۔

بہر حال امت محمد ﷺ آپؐ سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتی تھی۔ بلکہ اس امت کے عام لوگوں نے آپؐ ہی کی وجہ سے موسیٰ اور عیسیٰ اور داؤد علیہم السلام اور تورات اور انجیل اور زبور پر ایمان رکھا۔ آپؐ ہی نے ان کو تمام انبیاء پر ایمان لانے کا اور اللہ کی طرف سے نازل کردہ تمام کتابوں کے اقرار کرنے کا حکم دیا اور رسولوں میں کسی قسم کا فرق کرنے سے روکا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قُولُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا...... وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ"

(سورۃ البقرہ: ۱۳۶۔ ۱۳۷)

"(مسلمانو!) کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر

اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو اور پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف ملیں ان پر (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (خدائے واحد) کے فرمانبردار ہیں۔ تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ (تمہارے) مخالف ہیں اور ان کے مقابلے میں تمہیں خدا کافی ہے اور وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے"

اسی طرح ارشاد ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ ...... لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔ (سورۃ البقرہ: ۲۸۵_۲۸۶)

"رسول (خدا) اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی ہے ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی سب خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور وہ (خدا سے) عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سنا اور قبول کیا۔ اے پروردگار ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اچھے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا اور برے کرے گا تو اس کو ان کا نقصان پہنچے گا"

رسول خداؐ کی امت دین میں کسی ایسی چیز کے ایجاد کرنے کو حلال نہیں سمجھتی جو آپؐ سے ثابت نہیں۔ اور کسی بدعت کا جس کی اللہ تعالیٰ نے دلیل نہیں اتاری ارتکاب نہیں کرتے

اور دین میں ایسی چیز جاری نہیں کرتے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ لیکن انبیاء کرام اور ان کی امتوں کی جو خبریں آپؐ نے بیان کیں وہ صرف ان کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور اہل کتاب کی جو باتیں ان کے دین کے موافق ہیں ان کی تصدیق کرتے ہیں اور جن باتوں کا صدق اور کذب معلوم نہیں ان پر سکوت اختیار کرتے ہیں اور جس کے بارے میں جانتے ہیں کہ یہ باطل ہے اس کی تکذیب کرتے ہیں اور جس نے دین میں وہ چیز داخل کی جو دین میں سے نہیں یہ لوگ اسکو نہیں مانتے جیسے ہندوستانی یونانی اور فارسی (ایران) فلسفیوں کے اقوال کہ ان کے نزدیک یہ لوگ ملحدین اور بدعتی ہیں۔

اور یہی وہ دین ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اور تابعین قائم تھے اور وہ آئمہ دین تھے جن کی امت میں سچی زبان تھی اور اسی پر مسلمانوں کی جماعت اور عامتہ الناس ہیں اور جو اس سے نکل گیا وہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک قابل مذمت اور دھتکارا ہوا ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے جو قیامت تک غالب رہے گا۔ جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا اور تا قیامت کسی کی مخالفت ان کو نقصان نہیں پہنچائے گی اور نہ ہی کسی کا مدد سے ہاتھ کھینچنا ان کو نقصان پہنچائے گا۔ (بخاری و مسلم)

چند مسلمانوں نے اس اصل میں، اگر چہ وہ اس اصل کو مانتے ہیں جو بالعموم سب رسولوں کا اور بالخصوص نبی کریم ﷺ کا دین ہے، اختلاف کیا ہے۔ لیکن جس نے اس اصل کی مخالفت کی وہ ہمارے نزدیک ملحد بے دین اور قابل مذمت ہے وہ نصاری کی طرح ہے جنہوں نے ایسا دین گھڑ لیا تھا جن پر ان کے اکابر علماء اور نیکو کار لوگ عمل پیرا نہ ہوتے تھے اور ان کے بادشاہوں نے اس پر قتال کیا۔ اور ان کے جمہور نے اس کو مذہب بنا لیا۔ حالانکہ یہ وہ من گھڑت دین تھا جو مسیح علیہ السلام کا دین نہیں تھا اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور نبی کا تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسولوں کو علم نافع اور عمل صالح دے کر بھیجا۔ تو جو کوئی رسولوں کی اتباع کرتا ہے اسے دنیا و آخرت کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور بدعت میں صرف وہی داخل ہوتا ہے جو علم اور عمل کے اعتبار سے انبیاء کی اتباع میں کوتاہی کرتا ہے۔ جب حضرت

محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا گیا تو آپکی امت کے مسلمانوں نے اسے قبول کیا۔
وہ تمام علم نافع اور عمل صالح جس پر امت محمد یہ ﷺ ہے وہ انہوں نے اپنے نبی ﷺ سے لیا ہے جیسا کہ ہر عاقل پر یہ بات ظاہر اور آشکارا ہے کہ آپؐ کی امت تمام علمی اور عملی فضائل میں تمام امتوں سے کامل ترین ہے۔ اور یہ بات سب کے نزدیک معروف اور معلوم ہے کہ فرع سیکھنے والا کا کمال وہ اصل اور سکھانے والے کا کمال ہوتا ہے۔ اس بات کا مقتضیٰ یہ ہے کہ آپؐ علم اور دین میں سب لوگوں سے زیادہ کامل ہوں۔ یہ باتیں اس یقینی علم کو ثابت کرتی ہیں کہ آپؐ اس ارشاد خداوندی:

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ (سورۃ الاعراف:۱۵۸)

''میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف''

میں سچے ہیں اور جھوٹے اور افترا پرداز نہیں۔ کیونکہ یہ قول وہی کہہ سکتا ہے جو اگر سچا ہو تو لوگوں میں سب سے بہتر اور اکمل ہو یا وہ جو اگر جھوٹا ہو تو لوگوں میں سب سے زیادہ شر والا اور خبیث ہو۔

آپؐ کا جو کمالِ علم اور کمالِ دین ذکر کیا گیا ہے وہ شر، خباثت اور جہالت کے منافی ہے لہٰذا یہ متعین ہوگیا کہ آپؐ علم اور دین میں انتہا درجہ کے کمال کے ساتھ متصف تھے۔ اور یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ آپؐ اپنے اس قول ''اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا'' میں سچے ہیں۔ کیونکہ جو سچا نہ ہو یا تو وہ عمداً جھوٹا ہوگا یا خطاءً پھر اگر تو وہ قصداً جھوٹ بول رہا ہے تو بے حد ظالم اور سخت گمراہ ہے اور اگر غلطی سے جھوٹ بول رہا ہے تو سخت جاہل اور بے راہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا علم آپؐ کے جہل کے منافی تھا اور آپؐ کے دین کمال آپؐ کے جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کے منافی تھا۔ نبی کریم ﷺ کی کریمانہ صفات کے ادراک کے بعد یہ بات عالم آشکارا ہو جاتی ہے کہ نہ تو آپ جان بوجھ کر جھوٹ بولتے تھے اور نہ ہی جہالت سے بغیر جاننے کے جھوٹ بولتے تھے۔ جب آپ سے یہ بھی ثابت نہ ہوا اور وہ بھی تو یہ بات طے ہوگئی کہ آپؐ صادق ہیں اور اپنے بارے میں اس بات کو جانتے بھی ہیں کہ آپؐ صادق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں آپؐ کو ''دروغ بے فروغ'' کی ان دونوں

قسموں سے بری فرمایا، ارشاد ہے:

وَالنَّجمِ اِذَا هَوٰیo مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی o وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰیo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ (سورۃ النجم:۱۔۴)

''تارے کی قسم جب غائب ہونے لگے کہ تمہارے رفیق (محمدؐ) نہ رستہ بھولے ہیں اور نہ بھٹکے ہیں اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں یہ (قرآن) تو خدا کا حکم ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے''

پھر اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کے بارے میں بھی فرمایا جو وحی لاتا تھا:

اِنَّه لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ...... مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ۔ (سورۃ التکویر:۱۹،۲۱)

''بے شک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے جو صاحب قوت، مالک عرش کے ہاں اونچے درجے والا سردار (اور) امانت دار ہے''

پھر فرمایا:

وَمَاصَاحِبُکُمْ بِمَجنُوْنٍ...... اِنْ هُوَاِلَّا ذِکْرٌ لِّلعٰلَمِیْنَ۔

(سورۃ التکویر: ۲۲۱،۲۷)

''اور (مکے والو!) تمہارے رفیق (یعنی محمدؐ) دیوانے نہیں ہیں بے شک انہوں نے اس (فرشتے) کو (آسمان کے کھلے یعنی) مشرقی کنارے پر دیکھا ہے اور وہ پوشیدہ باتوں (کے ظاہر کرنے) میں بخیل نہیں اور یہ شیطان مردود کا کلام نہیں۔ پھر تم کدھر جا رہے ہو؟ یہ تو جہان کے لوگوں کے لئے نصیحت ہے''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنَّه لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ...... بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ۔

(سورۃ الشعراء:۱۹۲۔۱۹۵)

''اور یہ (قرآن) خدائے پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے اس کو امانتدار فرشتہ لے کر اترا ہے۔ (یعنی اس نے) تمہارے دل پر (القاء) کیا ہے تاکہ (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہو''

آگے ارشاد ہے:

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ o تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ o يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ۔

(سورۃ الشعراء: ۲۲۱، ۲۲۳)

''(اچھا) میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہ گار پر اترتے ہیں جو سنی ہوئی بات (اس کے کان میں) لاڈالتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہیں''

اللہ سبحان وتعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے کہ شیطان اپنی غرض حاصل کرنے کے لئے اسی کے پاس آتا ہے جو اس کے مناسب ہو۔ چونکہ شیطان کا مقصد شر ہے اور وہ کذب اور فجور ہے اور اس کا مقصد صدق وعدل نہیں لہٰذا یہ اس سے ہی ملے گا جس میں جھوٹ ہو چاہے عمداً ہو یا خطاءً ہو۔ اور خطاء جھوٹ بھی برائی ہے۔ کیونکہ دین میں خطاء بھی شیطان کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا، ''میں اس میں اپنی رائے سے کہوں گا اگر درست ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی اور اگر غلط ہوئی تو میری اور شیطان کی طرف سے ہوگی، اللہ اور اللہ کا رسول اس سے بری ہونگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں کہ شیطان ان پر قصداً یا خطاءً نازل ہو۔ بخلاف غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ ان سے کبھی خطاء ہو جاتی ہے تو ان کی خطاء کو بخش دیا جاتا ہے۔ جب آپؐ کے بارے میں کوئی ایسی خبر ہی معلوم نہیں کہ جس میں آپؐ خطاء پر ہوں اور نہ ہی کوئی ایسا امر کہ جس میں آپؐ گنہگار ہوں تو معلوم ہوا کہ شیطان کا نزول آپؐ پر نہیں ہوتا بلکہ آپؐ پر تو عزت والے فرشتے کا نزول ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دوسری

آیت میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرمایا:

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ...... تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(سورۃ الحاقہ: ۴۰-۴۳)

"یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو اور نہ ہی کسی کاھن کے مزخرفات ہیں لیکن تم لوگ بہت کم فکر کرتے ہو (یہ تو) پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے"

علامہ ابن تیمیہ کا طویل کلام ختم ہوا۔

عصمت وصداقت نبوت کی ایک اہم دلیل

"سچی پیشین گوئیاں"

نبی کریم ﷺ کی نبوت کی عصمت وصداقت کے دلائل میں سے ایک اہم پہلو آپ ﷺ کی بیان کردہ پیشین گوئیوں کا من وعن اور حرف بہ حرف پورا ہونا ہے جس نے ثابت کر دیا کہ آپ ﷺ نے جو کچھ بھی فرمایا ہے وہ "سچ" ہے۔ آپ ﷺ اپنی طرف سے بھی جو بات کرتے تھے وہ سچ ہوتی تھی چہ جائیکہ وہ بات سچ نہ ہو جو آپ ﷺ غیب سے خبر پا کر رب تعالیٰ کے مطلع کر دینے کے بعد لوگوں کو بتلاتے تھے، آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت اور آپ ﷺ کی راست گوئی کا بیان پیشن گوئیوں پر کسی درجہ گفتگو کیے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

ذیل میں حضرت مولانا قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ کی شہرہ آفاق کتاب "رحمۃ للعالمین" سے نبی کریم ﷺ کے معجزات وصداقت کے اس اہم پہلو پر ایک نہایت پر وقار تحریر نقل کرتے ہیں اس کے بعد آپ ﷺ کی چند اہم پیش گوئیوں کو ذکر کیا جائے گا جو پوری ہوئیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

"عہد مستقبل کا علم کسی کو حاصل نہیں" وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا "کسی شخص کو بھی یہ پتہ نہیں کہ وہ آنے والے کل کو کیا کرے گا"

علم غیب کا مالک صرف رب العالمین ہے، ''لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ''

رب العالمین ہی اپنے برگزیدہ انبیاء و رسل پر علم غیب کا اس قدر حصہ ظاہر فرماتا رہا ہے جس کی ان کو ضرورت ہوئی یا جس کی ضرورت ان کی نبوت و رسالت اور صداقت کا یقین دلانے کے لئے پائی گئی۔

''فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ''

''وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول سے وہ خوش ہو''

معجزات مادی کا انکار والے اور شکوک و شبہات اور اوہام کے دام میں گرفتار تو بہت پائے جاتے ہیں مگر اخبار مستقبلہ کی اطلاع صحیح کی تاویل ایسے لوگ بھی نہیں کر سکتے لہٰذا یہ بھی معجزات میں داخل و شامل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کے نزدیک معجزات مادی کا درجہ بڑا ہے اور کسی کے نزدیک اظہار غیب کا درجہ بڑا ہے۔

صدیقہ بنت صدیق ام المومنین عائشہؓ سے صحیحین میں مروی ہے کہ ''نزول وحی سے پیشتر حضور ﷺ پر رویائے صادقہ کا باب کھولا گیا تھا حضور پرنور ﷺ جو کچھ خواب میں دیکھ لیتے بیداری میں وہ واقعہ اسی طرح ظہور پذیر ہوتا''

انبیاء علیہم السلام کے رؤیا کو دیگر اکابر صالحین کے رویاء پر یہی فوقیت ہے کہ اوروں کے خواب تمثیلی رنگ میں ہوتے ہیں مگر انبیاء کا رویاء جلوہ حقیقت ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کے ایک خواب کا سورۂ فتح میں ذکر فرمایا ہے:

''لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ''

''اللہ نے اپنے رسول کے اس خواب کو پوری حقانیت کے ساتھ پورا کیا کہ تم انشاء اللہ کعبہ میں داخل ہو گے اس وقت بعض مسلمانوں نے سر منڈائے ہوئے ہوں گے اور بعض نے بال کٹوائے ہوئے''

یہاں بھی مسجد الحرام اور حلق اور قصر اپنے اصلی معنی میں تھے۔

خواب کے بعد نبی کریم ﷺ کے وہ مشاہدات و اعلامات ہیں جن میں حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر اہل دنیا کو مطلع فرمایا ہے۔ (رحمۃ للعالمین ج ۳ص ۱۸۲۔۱۸۳)

اس عنوان کے تحت اب ذیل میں چند واقعات ذکر کیے جاتے ہیں۔

علامہ ابن کثیرؒ "کتاب شمائل الرسول" میں فرماتے ہیں،

یہ ایک بہت بڑا باب ہے۔ ان سب واقعات کا احاطہ دشوار ہے۔ لیکن ہم اس میں سے کچھ کی طرف اشارہ کریں گے۔

"واللہ المستعان و علیه التکلان ولاحول ولا قوة الا بالله العزیز الحکیم"

ہم اس باب میں قرآن و حدیث سے واقعات کو نقل کریں گے۔

☆ اللہ تعالیٰ سورہ مزمل میں جو ابتدائی مکی سورتوں میں سے ہے فرماتے ہیں:

"عَلِمَ اَنْ سَيَكُونُ مِنكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ" (سورۃ المزمل:۲۰)

"اس نے جانا کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوتے ہیں اور بعض خدا کے فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں اور بعض خدا کی راہ میں لڑتے ہیں"

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جہاد، ہجرت مدینہ کے بعد شروع ہوا تھا۔

☆ اللہ تعالیٰ سورۃ اقترب[1] میں جو مکی ہے، فرماتے ہیں:

"اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ○ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ" (سورۃ القمر:۴۴،۴۵)

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت بڑی مضبوط ہے عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے"

یہ بدر کے دن کا واقعہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے سائبان سے نکل کر یہ آیت تلاوت

[1] سورۂ قمر کا ایک نام "سورۂ اِقْتَرَبَ" بھی ہے۔ نسیم

فرمائی تھی اور مٹھی میں کنکریاں لیکر انہیں دشمنوں کی طرف پھینکا تھا۔ رب تعالیٰ نے اس جنگ میں آپکو فتح ونصرت عطا فرمادی۔ یہ آیت اس فتح کا مصداق ہے۔

☆ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ..... فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ۔

(سورۃ المسد:۱،۵)

"ابولھب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو نہ تو اس کا مال ہی اس کے کچھ کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا وہ جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی جورو بھی جو ایندھن سر پر اٹھائے پھرتی ہے اس کے گلے میں مونجھ کی رسی ہوگی"

اس سورت میں رب تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ آپ ؐ کا چچا عبدالعزی بن عبدالمطلب جس کا لقب ابولھب تھا وہ اور اس کی بیوی دونوں آگ میں داخل ہوں گے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہی ہوا کہ وہ دونوں بغیر اسلام کے شرک کی حالت ہی مر گئے۔ یہ بات بھی آپ ؐ کی اور آپ کی صداقتِ کی نبوت کی ایک زبردست دلیل ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ.........وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا" (سورۃ الاسراء: ۸۸)

"کہہ دو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنالائیں تو اس جیسا نہ لاسکیں اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں"

سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے:

"وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا .... فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا" (سورۃ البقرہ:۲۳،۲۴)

''اور اگر تم کو اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد عربی) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اس طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ۔ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلالو اگر تم سچے ہو۔ لیکن اگر (ایسا) نہ کرسکو اور ہرگز نہیں کرسکو گے''

رب تعالیٰ نے ان آیات میں خبر دی ہے کہ اگر تمام مخلوق جمع ہو جائے اور آپس میں ایک دوسری کی نصرت وحمایت بھی کریں کہ وہ قرآن کی طرح کی کوئی فصیح و بلیغ اور شیریں عبارت بنالائیں جس میں قرآن کی طرح کے حلال وحرام کے احکام کا بیان بھی ہو اور وہ ہر اعتبار سے معجزہ بھی ہو تو وہ ایسا نہ کرسکیں گے۔ بلکہ قرآن جیسی دس سورتیں بھی نہیں بنا پائیں گے۔ دس تو کیا ایک بھی نہیں بنا سکیں گے۔

ہاں رب تعالیٰ نے ان آیات میں یہ بھی خبر دی ہے کہ وہ ایسا ہرگز نہ کرسکیں گے کیونکہ (عربی زبان میں حرف) لــن مستقبل میں نفی کی ہمیشگی کے لئے آتا ہے اور اس قسم کا چیلنج اور قطعی بات صرف اس سے ہی صادر ہوسکتی ہے جس کو اپنی خبر پر اعتماد ہو اور اپنے کہے کا علم ہو اور اسے اس بات کا یقین ہو کہ کسی ایک میں اس کے خلاف کرنے کی قدرت نہیں چنانچہ ثابت ہوا بلکہ قیامت تک یہ بات ثابت رہے گی کہ نبی کریم ﷺ رب تعالیٰ سے جو کتاب لے کر آئے ہیں کوئی اس جیسی کتاب نہیں بنا سکتا۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ.........مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا'' (سورۃ النور:۵۵)

''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا ان سے پہلوں لوگوں کو ملک کا حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے اپنے لئے پسند کیا ہے مستحکم اور پائیدار کردے گا اور خوف کے بعد انہیں امن بخشے گا''

چنانچہ ایسے ہی ہوا اللہ تعالیٰ نے اس دین کو جما دیا اور اس کو بلند و برتر کیا اور اطراف عالم میں ہر سو اس کو پھیلایا اور جاری کیا متعدد مفسرین نے اس آیت کی تفسیر خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ سے کی ہے اور خلافت صدیقی کے اس آیت کے مصداق ہونے میں کوئی شک نہیں۔ لیکن یہ غیب کی خبر فقط اسی دور کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ ویسے ہی عام ہے جیسے اور خبریں عام ہیں۔

☆ اسی طرح صحیح حدیث میں یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب قیصر ہلاک ہوگیا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور جب کسریٰ ہلاک ہوگیا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم لوگ ضرور ان دونوں کے خزانوں کو اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے'' (بخاری و مسلم و مسند احمد)

یہ سب کچھ خلفاء ثلاثہ ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ہوا۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''هُوَ الَّذِىْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ (سورۃ التوبہ: ۳۳)

''وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ کافر ناخوش ہوں''

چنانچہ یوں ہی ہوا کہ یہ دین عام ہوا اور باقی تمام ادیان پر زمین کے مشارق اور مغارب پر غالب آ گیا۔ اور اس کا کلمہ صحابہ اور بعد والوں کے زمانہ میں بلند ہوگیا اور تمام علاقے ان حضرات کے زیر فرمان آ گئے اور تمام علاقوں والے ان کے فرمان بردار بن گئے۔ لوگ یا تو مومن بن کر دین میں داخل ہو گئے یا مال خرچ کرنے اور فرمانبرداری کے ذریعے صلح کرنے والے بن گئے یا جنگ کرنے والے بن گئے اور اسلام اور مسلمانوں کے اقتدار اور غلبہ سے ان کے دل ڈر گئے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کے مشارق اور مغارب کو سمیٹ دیا اور جو زمین میرے لیے سمیٹی اس تک میری امت کی حکومت عنقریب پہنچ جائے گی۔ (مسلم: ۷۱۱۸)

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ" (سورۃ الفتح: ۱۶)

"جو گنوار پیچھے رہ گئے تھے ان سے کہہ دو کہ تم ایک سخت جنگجو قوم کے (ساتھ لڑائی کے) لئے بلائے جاؤ گے ان سے تم (یا تو) جنگ کرتے رہو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے"

چاہے یہ گنوار بنو ھوازن ہوں یا مسیلمہ کذاب کے ساتھی یا روم والے ہوں۔ کہ ان سب کے ساتھ یونہی ہوا۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا.........وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرًا" (سورۃ الفتح: ۲۰،۲۱)

"خدا نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا کہ تم ان کو حاصل کرو گے سو اس نے غنیمت کی تمہارے لئے جلدی فرمائی۔ اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔ غرض یہ تھی کہ یہ مومنوں کے لئے (خدا کی) قدرت کا نمونہ ہو اور وہ تم کو سیدھے رستے پر چلائے اور (وہ غنیمتیں دیں) جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے اور وہ خدا ہی کی قدرت میں تھیں اور خدا ہر چیز پر قادر ہے"

چاہے یہ دوسری غنیمت جس کا اس آیت میں وعدہ ہے وہ خیبر کی فتح کا وعدہ ہو یا مکہ کی فتح کا جیسے یہ وعدہ کیا گیا تھا ویسے ویسے ہی یہ علاقے فتح ہوئے اور مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ......فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا" (سورۃ الفتح: ۲۷)

"بے شک خدا نے اپنے پیغمبر کو سچا (اور) صحیح خواب دکھایا کہ تم خدا نے

چاہا تو مسجد حرام میں سرمنڈوا کر اور اپنے بال کتروا کر امن وامان سے
داخل ہو گے اور کسی طرح کا خوف نہ کرو گے جو بات تم نہیں جانتے تھے
اس کو معلوم تھی سو اس نے اس سے پہلے ہی جلد فتح کرا دی''

یہ وعدہ ٦ھ میں حدیبیہ کے سال میں پورا ہوا اور ٧ھ میں عمرۃ القضاء کے سال میں پایہ تکمیل کو پہنچا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! کیا آپ نے ہمیں نہیں بتایا تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ آ کر طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا'' کیوں نہیں لیکن کیا میں نے تمہیں یہ (بھی) خبر دی تھی کہ تم اسی سال آؤ گے عرض کیا نہیں ۔ فرمایا، تم آؤ گے اور اس کا طواف کرو گے ۔ (بخاری ۵، ۲۷۳۱، ۲۷۳۲)

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ" (سورۃ الانفال: ۷)

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب خدا تم سے وعدہ کرتا تھا کہ
(ابوسفیان اور ابوجہل کے) دوگروہوں میں سے ایک گروہ تمہارا
(مسخر) ہو جائے اور تم چاہتے تھے کہ جو قافلہ بے (شان و) شوکت
(یعنی بے ہتھیار) ہے وہ تمہارے ہاتھ آ جائے''

یہ وعدہ بدر کے واقعہ میں تھا جب رسول اللہ ﷺ قریش کے تجارتی قافلہ کو پکڑنے کے لئے مدینہ سے نکلے تو قریش کو پتہ چل گیا کہ وہ ہمارے قافلے کو پکڑنے کے لئے آ رہے ہیں تو انہوں نے تقریباً ایک ہزار جنگجوؤں کو بھیجا ۔ جب رسول اللہ ﷺ اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے آنے کا پتہ چل گیا ۔ تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا کہ ایک گروہ پر آپکو کامیابی ضرور ملے گی ۔ یا تجارتی قافلے پر یا (ہتھیار بند) حفاظتی قافلے پر ۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم یہ چاہ رہے تھے کہ تجارتی قافلے کا وعدہ پورا ہو کیونکہ اس میں اموال بھی بہت تھے اور اس میں مردوں کی تعداد بھی کم تھی اور حفاظتی دستہ سے مقابلہ کو ناپسند کر رہے تھے کیونکہ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور ان کے مقابلے میں مشقت بھی زیادہ تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حفاظتی قافلہ کو پسند

فرمایا اور اس میں اپنا وعدہ پورا فرمایا اور اپنے سخت عذاب کو ان کفار پر مسلط کردیا جس کو کوئی ہٹانے والا نہیں تھا۔ اس غزوہ میں ان سرکش کفار کے ستر سردار مارے اور ستر قید کیے گئے۔ ان کی جانوں کے فدیے میں ان کافروں نے بہت زیادہ مال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس غزوہ میں مسلمانوں کیلئے دنیاوآخرت کی دونوں خیروں کو جمع کردیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِيْنَ۔

(سورۃ الانفال: ۷)

''اور خدا چاہتا تھا کہ اپنے فرمان سے حق کو قائم رکھے اور کافروں کی جڑ کاٹ (کر پھینک) دے''

اور سورۂ انفال میں ہی ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

''يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْ اَيْدِيْكُمْ ...... وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ''

(الانفال: ۷۰)

''اے پیغمبر جو قیدی تمہارے ہاتھ میں (گرفتار) ہیں ان سے کہہ دو کہ خدا اگر تمہارے دلوں میں نیکی معلوم کرے گا تو جو (مال) تم سے چھین لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں عطا کرے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کردے گا۔ اور خدا بخشنے والا مہربان ہے''

چنانچہ اسی طرح ہی ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان میں سے اسلام قبول کرنے والوں کو دنیا و آخرت کا بہترین بدلہ عطا فرمایا۔

اسی طرح بخاری میں بھی اس قسم کی ایک روایت ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ''اے اللہ کے رسول! مجھے بھی عطا فرمائیں میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا ہے'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لو پکڑو'' اور آپ ؐ نے ایک کپڑے میں اتنی مقدار میں مال دیا کہ جس کو اٹھانا ان کے بس میں نہیں تھا۔ پھر اس کو کم کرتے رہے یہاں تک کہ اتنی مقدار رہ گئی جس کو اپنے کندھے پر اٹھا سکتے تھے اس کو لیکر وہ

چلے گئے۔ یہ واقعہ بھی اس آیت کریمہ کی تصدیق ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ۔

(سورۃ التوبہ: ۲۸)

''اور اگر تم کو مفلسی کا خوف ہو تو خدا چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا''

چنانچہ اسی طرح ہوا کہ مشرک حاجیوں کے ذریعے سے ایام حج میں جو ان کے پاس آتا تھا اس کے عوض میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے قتال مشروع کر دیا اور ان پر جزیہ مقرر کر دیا اور کفر کی حالت میں قتل ہونے والے کے مال کو مجاہد کے لئے مقرر کر دیا گیا جیسا کہ روم میں اہل شام کے کفار اور عراق میں فارس کے مجوس کے ساتھ ہوا اور اس کے علاوہ ان ملکوں میں بھی ایسا ہی ہوا جن کے گرد و نواح میں اسلام پھیل گیا اور ان کے شہروں اور کھلی زمینوں پر اسلام کا حکم نافذ کر دیا گیا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ'' (سورۃ التوبہ: ۳۳)

''وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس (دین) کو (دنیا کے) دوسرے دینوں پر غالب کرلے اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں''

☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ۔ (سورۃ التوبہ: ۹۵)

''جب تم ان کے پاس لوٹ کر جاؤ گے تو تمہارے روبرو خدا کی

قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے درگذر کرو سو ان کی طرف التفات
نہ کرنا یہ ناپاک ہیں"

چنانچہ قرآن کریم کی یہ پیشین گوئی بھی ایسے ہی ثابت ہوئی۔ واقعہ یوں ہے کہ جب غزوہ تبوک سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی ہوئی تو منافقین کی ایک جماعت جو اس غزوہ سے رسول خدا ﷺ اور مسلمانوں سے پیچھے رہ گئی تھی، تو وہ آ کر لگے قسمیں کھانے اللہ کی کہ وہ پیچھے رہنے میں معذور تھے حالانکہ وہ جھوٹ بول رہے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دے دیا کہ ان کے احوال کو ان کے ظاہر پر چھوڑ دو اور لوگوں کے سامنے ان کو رسوا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس جماعت کے ۱۴ افراد کے بارے میں اطلاع دے دی تھی اور بتلا دیا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپؐ نے ان سب کے نام بتائے تھے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلَافَكَ اِلَّا قَلِيْلًا" (سورۃ الاسراء:۷٦)

"اور قریب تھا کہ یہ لوگ تمہیں زمین (مکہ) سے پھسلا دیں تا کہ تمہیں وہاں سے جلاوطن کر دیں اور اسوقت تمہارے پیچھے یہ بھی نہ رہتے مگر کم"

چنانچہ ایسا ہی ہوا جب کفار مکہ اس بات کا مشورہ کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا مار ڈالیں یا اپنے درمیان سے نکال دیں اور پھر ان کی رائے قتل کے بارے میں طے ہوگئی۔ تو اس وقت اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے درمیان سے نکل جاؤ تو آپؐ اور آپؐ کے دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے۔ آپ دونوں غار ثور میں تین دن چھپے رہے پھر اس کے بعد وہاں سے کوچ فرمایا۔

رب تعالیٰ کی اپنے اس ارشاد سے یہی مراد ہے ارشاد ہے:

"اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ.........وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ"

(سورۃ التوبہ: ۴۰)

''اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو خدا ان کا مددگار ہے (وہ وقت تم کو یاد ہوگا) جب ان کو کافروں نے گھروں سے نکال دیا (اس وقت) دو (ہی شخص تھے جن) میں (ایک ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور) دوسرے (خود رسول اللہ ﷺ تھے) جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے۔ اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے تو خدا نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو خدا ہی کی بلند ہے اور خدا زبردست (اور) حکمت والا ہے''

اور اس ارشاد خداوندی سے بھی یہی مراد ہے:

''وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا...... وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمَاكِرِیْنَ''

(سورۃ الانفال: ۳۰)

''اور (اے محمدؐ! اس وقت کو یاد کرو) جب کافر لوگ تمہارے بارے میں چال چل رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا جان سے مار ڈالیں یا (وطن سے) نکال دیں تو (ادھر تو) وہ چال چل رہے تھے اور (ادھر) خدا چال چل رہا تھا اور خدا سب سے بہتر چال چلنے والا ہے''

اسی وجہ سے ارشاد فرمایا:

وَاِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلَافَكَ اِلَّا قَلِیْلًا۔ (سورۃ الاسراء: ۷۶)

''اور اس وقت تمہارے پیچھے یہ بھی نہ رہتے مگر کم''

چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسے قرآن نے اس واقعہ کی خبر دی کہ جن لوگوں نے یہ مشورے کیے تھے وہ آپ کی ہجرت کے بعد اتنی دیر تک مکہ ہی ٹھہرے رہے جتنی دیر تک آپ کی سواری مدینہ میں نہیں پہنچ گئی اور مہاجرین وانصار آپکے تابع نہیں ہوئے۔ پھر بدر کا واقعہ پیش آ گیا تو اس میں یہ مشورہ کرنے والے سردار قتل کئے گئے اور ان کے سر توڑ دیئے گئے۔ آپ کو اس

واقعہ کے پیش آنے سے پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ آپؐ کو بتا دیا تھا اس لیے سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیہ بن خلف سے کہا تھا کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ''وہ تجھے ماریں گے'' اس نے کہا۔ ''کیا تم نے (خود) سنا ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''ہاں'' تو امیہ کہنے لگا، اللہ کی قسم! وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ (بخاری)

حدیث کے راوی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعات کے اگلے حصہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''(پھر جب ہم میدان بدر میں پہنچے تو) آپؐ نے اپنے صحابہ کو مقتولین کی جگہوں کی طرف واقعہ سے پہلے ہی اشارہ کر دیا تھا پھر جس جس جگہ آپؐ نے اشارہ فرمایا تھا کوئی مقتول اسی سے سر مو بھی نہ ہٹا''

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''الٓمٓ o غُلِبَتِ الرُّوْمُ............وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ''

(سورۃ الروم:۱-۶)

''الٓمٓ۔ (اہل) روم مغلوب ہو گئے نزدیک کے ملک میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہو جائیں گے چند ہی سال میں پہلے بھی اور پیچھے بھی خدا ہی کا حکم ہے اور اس روز مومن خوش ہو جائیں گے (یعنی) خدا کی مدد سے وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ غالب (اور) مہربان ہے (یہ) خدا کا وعدہ (ہے) خدا اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''

چنانچہ خدا کا یہ مذکورہ وعدہ اسی طرح پورا جس طرح خدا نے اس کے واقع ہونے کی قرآن کریم میں خبر دی تھی۔ جب فارس والے روم پر غالب آئے تو مشرکین بہت خوش ہوئے اور ایمان والوں کو اس سے غم لاحق ہوا کیونکہ نصاریٰ مجوس سے زیادہ اسلام کے قریب تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بتا دیا کہ روم والے عنقریب سات سال کے اندر اندر فارس والوں یقینی آتش پرستوں پر غالب آ جائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو مشرکین کے ساتھ اس بات کی شرط بھی لگالی تھی کہ اس مدت میں یوں ہی ہوگا جیسا کہ

مشہور روایت میں یوں ہی آتا ہے۔ پھر قرآن کی دی ہوئی خبر سچی ثابت ہوئی کہ فارس والوں کے غلبہ کے بعد روم والوں کا فارس پر بہت عظیم غلبہ ہوا۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ............اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ" (سورۃ حم سجدہ:۵۳)

''ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ یہ (قرآن) حق ہے۔ کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے''

قرآن کی یہ پیشین گوئی بھی اسی طرح ثابت ہوئی۔ رب تعالیٰ نے اپنے دلائل اور قدرت کی نشانیوں کو لوگوں کی ذاتوں اور آفاق عالم میں ظاہر فرمایا اور نبوت کے دشمنوں اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مجوس و مشرکین پر جنگ کو مسلط فرمایا۔

یہ سب باتیں بصیرت والوں اور عقل والوں کی رہنمائی کرتی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ حق پر ہیں اور جو وحی وہ اللہ کی طرف سے لائے ہیں وہ سچی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے سینوں اور ان کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیا بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''ایک مہینہ کی مسافت سے میری رعب کے ساتھ مدد کی گئی'' (متفق علیہ)

یہ آپؐ کی اللہ کی طرف سے نصرت اور تائید تھی کہ آپ کا دشمن ایک مہینہ کی مسافت سے ہی آپؐ سے خوف کھاتا تھا۔ ایک قول کے مطابق آپؐ جب کسی قوم سے جنگ کا عزم فرماتے تو وہ آپکے ان کے پاس جانے سے ایک مہینہ پہلے ہی مرعوب ہو جایا کرتے تھے۔

''صلوات اللہ و سلامه علیه دائما الی یوم الدین''

اب ذیل میں چندان پیشین گوئیوں کو ذکر کیا جاتا ہے جن کا احادیث میں تذکرہ آتا ہے۔ کہ یہ سب واقعات بھی اسی طرح ہی ظہور پذیر ہوئے جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے ان کا ہونا بتلایا تھا۔

☆ حضرت خباب بن الارت سے روایت ہے کہ ”جب وہ اور ان جیسے کمزور لوگ نبی اکرم ﷺ سے مدد طلب کرنے کے لئے آئے۔ آپؐ اس وقت کعبہ کے سایے میں اپنی چادر سر کے نیچے رکھے ہوئے تھے کہ ”آپؐ ان کے لیے اس عذاب (وسزا) اور (دشمنوں کے) توہین (آمیز سلوک) سے (نجات کے لیے) ان کے لیے دعا فرمائیں“ تو آپؐ اٹھ کر بیٹھ گئے اور آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ ”تم سے پہلے لوگوں میں سے کسی کو جب (ایمان لانے کی وجہ سے) چیر کر دو ٹکڑے بھی کر دیا جاتا تھا تو یہ بات بھی اس کو دین سے نہ ہٹاتی تھی، اور خدا کی قسم! رب تعالیٰ اس امر کو پورا کر کے رہیں گے۔ لیکن تم لوگ جلدی مچاتے ہو۔ (بخاری)

چنانچہ اسلام بعد میں اسی طرح غالب آیا جس طرح رسول خدا ﷺ نے فرمایا تھا۔

☆ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ہجرت کر کے ایک ایسی جگہ جا رہا ہوں جس میں کھجور کے درخت ہیں۔ میرا خیال اس طرف گیا کہ شاید وہ یمامہ یا ہجر (کا خطہ) ہوگا لیکن وہ تو مدینہ (یعنی) یثرب تھا۔ اور میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تلوار کو زور زور سے ہلا رہا ہوں تو اس کا سامنے والا حصہ ٹوٹ گیا۔ یہ وہ مصیبت تھی جو احد کے دن مومنوں کو پہنچی پھر میں نے دوبارہ زور سے ہلائی تو وہ اس سے بھی بہتر حالت میں لوٹ آئی۔ تو یہ مومنوں کو ملنے والی فتح اور اکٹھا ہونا تھا۔ اور میں نے خواب میں ایک گائے دیکھی اور خدا کی قسم! (وہ) خیر (ہی) ہے۔ چنانچہ وہ (گائے) احد کے دن ایمان والے تھے۔ اور خیر یہ بدر کے بعد ملنے والا ثواب اور (دنیاوی) خیر تھی“ (بخاری)

یہ سب واقعات بھی خدا کے حکم سے رسول خدا ﷺ کی پیشین گوئی کے عین مطابق واقع ہوئے۔

☆ ابی بن خلف کا قصہ بھی آپؐ کی پیشین گوئیوں میں سے ہے جو اپنا گھوڑا پال رہا تھا ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو کہنے لگا کہ ”میں اس پر بیٹھ کر (العیاذ باللہ) تجھے قتل کروں گا۔ آپؐ نے اس سے فرمایا ”بلکہ انشاء اللہ میں ہی تجھے قتل کروں گا۔ چنانچہ

آپؐ نے احد کے دن اس کو قتل کر دیا۔

☆ بخاری شریف میں ہے کہ آپؐ بدر کے دن مقتولین کی ہلاکت کی جگہوں کی طرف اشارہ کرنے لگے۔ انشاء اللہ کل یہ جگہ فلان کی ہلاکت گاہ ہوگی۔ ان میں سے کوئی بھی اسی جگہ سے الگ نہیں ہوا جس کی طرف آپؐ نے اشارہ فرمایا تھا۔ (بخاری و مسلم)

☆ اسی طرح قزمان نامی ایک آدمی کا قصہ ہے جو جنگ میں کسی مشرک کو شاذ و نادر ہی چھوڑتا تھا کہ جس کو دیکھتا اس کا پیچھا کر کے اسے اپنی تلوار سے موت کے گھاٹ اتار دیتا تھا۔ یہ خیبر کے دن کا قصہ تھا۔ لوگ کہنے لگے کہ جتنا آج فلاں آدمی کام آیا ہے اتنا کوئی کام نہیں آیا۔ آپؐ نے فرمایا "وہ جہنمی ہے" یہ سن کر ایک آدمی نے کہا کہ میں اس کے ساتھ ہو گیا کہ دیکھوں تو بھلا یہ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ اس کو زخم لگا تو اس نے موت میں جلد بازی کی اور اپنی تلوار کی دھار کو اپنے سینے پر رکھ کر زور لگایا۔ یہاں تک کہ وہ اندر گھس گئی (یعنی اس نے خودکشی کر لی) وہ آدمی لوٹا اور کہا۔ اشهد ان لااله الا الله و انك رسول الله" آپؐ نے فرمایا، کیا بات ہے؟ (کہ تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو) اس نے عرض کیا آپ نے ابھی کچھ دیر پہلے جس آدمی کا تذکرہ کیا تھا اس کا معاملہ یوں یوں ہوا۔ (بخاری)

☆ انہیں سچی خبروں میں سے آپ کا اپنے چچا کو اس صحیفہ کی خبر دینا ہے جس میں قریش کے خاص خاص لوگوں نے آپس میں معاہدہ کیا تھا، اور بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے بارے میں ایکا کر لیا تھا کہ نہ تو ان کو ٹھکانہ دیں گے نہ ان سے نکاح کرینگے اور نہ ان سے خرید و فروخت کرینگے جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے حوالے نہ کر دیں گے۔ ابو طالب قریش کے پاس آئے اور کہا کہ میرے بھتیجے نے تمہارے صحیفے (لکھے ہوئے کاغذ) کے بارے میں مجھے کچھ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیمک کے کیڑے کو اس صحیفے پر مسلط کر دیا پس وہ سوائے اللہ کے ناموں کے سب کھا گیا۔ تم اس صحیفہ کو لاؤ اگر معاملہ ایسا ہی نہ ہوا تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ انہوں نے اسے اتار کر کھولا تو بات ویسی ہی تھی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا۔ اس وقت انہوں نے اس (معاہدے) کے حکم کو توڑ دیا۔ چنانچہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب مکہ میں داخل ہو گئے اور اسی حالت میں لوٹ آئے جس میں پہلے تھے۔

☆ انہیں سچی خبروں میں سے خندق کی کھدائی کے دن حضور ﷺ کا کسری کے شہروں اور شام کے محلات اور اس کے علاوہ دوسرے شہروں کی فتح کی خبر دینا بھی ہے۔ جب حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ایک چٹان پر چوٹ لگائی تو اس چوٹ سے آگ نکلی پھر دوسری مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ کہ چوٹ لگانے سے اس چٹان سے روشنیاں نکلیں اور آپؐ نے چند پیشین گوئیاں فرمائیں جو اسی طرح واقع ہوئیں۔ اس واقعہ کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔

☆ اور انہیں پیشین گوئیوں میں سے ایک حضور ﷺ کا یہ بتانا ہے کہ اس بکری کی دستی (کا گوشت) زہر آلود ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا آپؐ نے بتایا۔ یہودیوں نے اس کا اعتراف بھی کیا اور حضرت بشر بن البراء بن معرور جنہوں نے آپؐ کے ساتھ اس گوشت سے کھانا کھایا تھا وہ اس کے زہر کی وجہ سے فوت ہوگئے۔

☆ عبدالرزاق نے معمر کے واسطے سے ذکر کیا ہے کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے اللہ کشتی والوں کو بچالے۔ پھر تھوڑی دیر توقف کرنے کے بعد فرمایا (اب وہ درست) بہہ رہی ہے۔ یہ کشتی غرق ہونے کے قریب تھی اور اس میں اشعری تھے جو آپ کے پاس آرہے تھے جبکہ آپؐ اس وقت خیبر میں تھے۔ بعد میں کشتی والوں نے آکر اسی طرح بتایا جس طرح رسول خدا ﷺ نے فرمایا تھا۔

☆ انہیں میں سے ایک ابو رغال نامی شخص کی قبر کے بارے میں آپ کا خبر دینا ہے جب آپ طائف جاتے ہوئے اس کی قبر پر سے گزرے تھے کہ ''اس کے ساتھ سونے کی ایک ٹہنی ہے'' چنانچہ اس کی قبر کھودی گئی تو آپ کی خبر کے مطابق وہ ٹہنی قبر سے مل گئی'' (ابوداؤد)

☆ اسی طرح جب آپؐ قریش اور عرب کے سرداروں کی تالیف قلب کے لئے غنائم کی تقسیم میں آپؐ نے انہیں انصار پر ترجیح دی تو بعض کے دلوں میں یہ بات آگئی کہ ان پر دوسروں کو ترجیح دی گئی ہے اس وقت حضور ﷺ نے انصار کو تسلی دینے کے لئے خطبہ ارشاد فرمایا کہ ''کیا تم اس سے خوش نہیں کہ لوگ بکریاں اور اونٹ اپنے ساتھ لے جائیں اور تم اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے ساتھ لیکر اپنی سواریوں کی طرف جاؤ۔ اور فرمایا: میرے بعد بھی تم اپنے اوپر ترجیح دیکھو گے پس صبر کرتے رہنا یہاں تک کہ مجھ سے حوض پر آملو۔

(بخاری روایت بالمعنی)

آگے فرمایا: ''لوگ بکثرت ہوں گے اور انصار کم ہونگے۔ اس سے پہلے صفا پر آپ ؐ نے ان کو خطبہ میں ارشاد فرمایا: زندگی تو تمہاری زندگی ہے اور موت بھی تمہاری موت ہے'' چنانچہ یہ سب کچھ ویسے ہی ہوا جیسے آپ ؐ نے فرمایا تھا۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا: ''جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ؐ کی جان ہے تم ان دونوں کے خزانوں کو اللہ کے راستے میں ضرور خرچ کرو گے۔ (بخاری، مسلم)

چنانچہ آپ ؐ کے بعد خلفاء ثلاثہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اس پیشین گوئی کا مصداق واقع ہوا یہ ممالک مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوئے اور ان حضرات نے روم کے بادشاہ قیصر اور فارس کے بادشاہ کسریٰ کے خزانے اللہ کے راستے میں خرچ کیے۔

☆ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھا جب ایک آدمی نے آکر فاقہ کی شکایت کی پھر دوسرا آیا اور اس نے رہزنی کی شکایت کی۔ آپ ؐ نے فرمایا اے عدی! تم نے حیرہ (شہر) دیکھا ہے؟ عرض کیا نہیں دیکھا البتہ اس کے بارے میں سنا (ضرور) ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا ''اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم ضرور دیکھو گے ایک عورت پالکی (ھودج) میں حیرہ (شہر) سے سوار ہو کر آئے گی اور بیت اللہ کا طواف کرے گی اللہ کے سوا اسے کسی کا خوف بھی دامن گیر نہ ہوگا۔ عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا کہ طے (قبیلہ) کے وہ بد معاش اس وقت کہاں ہونگے جنہوں نے شہروں میں فساد مچا رکھا ہے؟

آگے ارشاد نبوی ہے کہ اور اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم ضرور کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔ میں نے کہا ''کسریٰ بن ھرمز'' آپ ؐ نے فرمایا ''ہاں کسریٰ بن ہرمز'' اور اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک آدمی کا ہاتھ سونے یا چاندی سے بھرا ہوا ہوگا وہ کوئی آدمی تلاش کرے گا جو اسے (زکوٰۃ میں) قبول کرے تو اسے کوئی قبول کرنے والا نہیں

ملے گا۔ اور تم میں سے ایک روز قیامت خدا تعالیٰ سے ملے گا کہ اس وقت اس کے اور خدا کے درمیان (خدا کے فرمان کا اس کے لئے) کوئی ترجمہ کرنے والا نہ ہوگا تو رب تعالیٰ اس کو فرمائیں گے ''کیا میں نے تمہارے پاس رسول نہیں بھیجا تھا جس نے تمہیں تبلیغ کی؟ وہ کہے گا، ہاں بالکل کی ہے۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے کیا میں نے تمہیں مال نہ دیا اور اس کا تم پر فضل نہ فرمایا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں۔ پھر وہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو سوائے جہنم کے اسے کچھ نظر نہیں آئے گا اور اپنی بائیں جانب دیکھے گا تو ادھر بھی جہنم ہی کو دیکھے گا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے سے اگر وہ نہ پاؤ تو اچھی بات سے''

عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر میں نے وہ عورت دیکھی جو حیرہ (شہر) سے چلی اور اس نے بیت اللہ کا طواف کیا اور اسے اللہ عزوجل کے سوا کسی کا خوف نہ تھا۔ اور میں ان لوگوں میں بھی شامل تھا جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کا خزانہ فتح کیا۔ اور اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم ضرور دیکھو گے جو ابوالقاسم نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ آدمی ہتھیلی بھر سونا یا چاندی لیکر نکلے گا۔ (اور وہ کسی مستحق کو تلاش کرے گا مگر وہ کسی کو مستحق نہ پائے گا۔ اور ایسا ضرور ہوگا) (بخاری)

☆ ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ

حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو یہ بشارت دی تھی کہ ان کی موت اسلام کی حالت میں آئے گی اور وہ جنت والوں میں ہونگے۔ چنانچہ ان کی موت نہایت اچھے حالات میں آئی۔ لوگ ان کی زندگی میں ہی ان کے لئے جنت کی گواہی دیتے تھے کیونکہ ان کے بارے میں پیغمبر ﷺ صادق وامین کی خبر تھی کہ وہ اسلام پر ہی مریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (بخاری)

☆ عشرہ مبشرہ کے بارے میں بھی یہ خبر ثابت ہے کہ وہ جنتی ہیں۔ (مسند احمد)

☆ بلکہ آپ ؐ سے یہ خبر بھی ثابت ہے کہ جس نے درخت کے نیچے بیعت کی اس میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ ان کی تعداد کے بارے میں ایک قول چودہ سو کا ہے اور

ایک قول پندرہ سو کا ہے۔ (ترمذی)

ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی منقول نہیں کہ اس نے قابل تعریف زندگی نہ گزاری ہو اور اس کی موت راست روی اور استقامت اور توفیق پر نہ ہوئی ہو۔ اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں اور احسان ہیں۔

یہ نبوت کی نشانیاں اور رسالت کے دلائل تھے۔ علامہ ابن کثیر کا طویل کلام ختم ہوا۔

شروع میں ''رحمۃ للعالمین'' کے حوالہ سے یہ بتلا دیا گیا ہے کہ پیشین گوئیاں آپؐ کی نبوت اور صداقت کی زبردست دلیل تھیں جن کو رب تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً ضرورت کے تحت ظاہر فرمایا۔ ان پیشین گوئیوں کی علماء کرام نے دو قسمیں بیان کی ہیں۔

ایک قسم کی وہ پیشین گوئیاں ہیں جن کا تعلق نبی کریم ﷺ کی یا اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے تھا اور ان کا زمانہ کچھ زیادہ بعید بھی نہ تھا پس گویا کہ ان کا تعلق زمانہ حال سے تھا جیسا کہ گذشتہ واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے گو کہ ان میں بعض واقعات مستقبل کے بھی آ گئے ہیں۔

دوسری قسم کی وہ پیشین گوئیاں ہیں جس کا تعلق آئندہ زمانہ سے ہے اس میں وہ خبریں بھی شامل ہیں جن کا تعلق گذشتہ زمانہ سے بھی ہے۔ اب ذیل میں پیشین گوئی کی اس قسم کے متعلق چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب کے یقین و ایمان میں اضافہ کرنے کے لئے مستقل طور پر انہیں اس قسم کی پیشین گوئیاں بیان فرمایا کرتے تھے۔ قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ اخبار اطلاع مستقبلہ کے بارے فرماتے ہیں:

''حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے اور حضور ﷺ نے ہر ایک بات جو قیامت تک ہونے والی تھی بیان فرما دی جسے یاد ہے اسے یاد ہے جو بھول گیا وہ بھول گیا میرے سامنے بھی جب وہ واقعہ آ جاتا ہے جو میں بھول چکا تھا تو اسے دیکھتے ہی سمجھ جاتا ہوں جیسے ہم کسی شخص کو بھول جایا کرتے ہیں اور پھر اس کا منہ دیکھ کر اس کو پہچان لیا کرتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

مسلم شریف میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مذکور بالا روایت کے متعلق

مزید یہ صراحت ہے کہ ''حضور ﷺ نے نماز فجر کے بعد ظہر تک خطبہ فرمایا، نماز پڑھ کر پھر خطبہ شروع کردیا غروب شمس تک یہی ہوتا رہا۔ اس خطبہ میں واقعات تا قیامت کا ذکر فرمایا تھا۔ جسے وہ خطبہ زیادہ یاد رہ گیا وہ ہم میں سے زیادہ عالم ہے'' (مسلم شریف)

(رحمۃ للعالمین ج ۳ ص ۱۸۳)

اب ذیل میں چند اخبار مستقبلہ و ماضیہ کو بیان کیا جاتا ہے جن کو لسان نبوت صداقت بیان سے مذکور ہونے کا شرف حاصل ہوا اور وہ واقعات تکوینی طور پر اسی طرح ہی ظہور پذیر ہونے کے پابند ہو گئے۔

☆ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آیا عرض کیا ''اے اللہ کے رسول! فلاں آدمی مرگیا آپؐ نے فرمایا نہیں مرا۔ اس نے دوبارہ عرض کیا کہ ''فلاں آدمی مرگیا'' آپؐ نے فرمایا نہیں مرا اس نے تیسری مرتبہ عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ فلاں نے اپنے نیزہ سے اپنے آپ کو ذبح کرلیا (چنانچہ ایسا ہی ہوا تھا) حضور ﷺ اس کی نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوئے۔ (بیہقی)

☆ قیس بن ابی غرزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک لڑکی میرے پاس سے گزری تو میں نے اس کے پہلو کو پکڑ لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ: ''صبح کو لوگ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے لگے۔ میں بھی بیعت کرنے کے لئے آیا لیکن آپ نے مجھے بیعت نہیں کیا اور فرمایا تو لڑکیوں کو چھیڑنے والا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اللہ کی قسم! دوبارہ نہیں کروں گا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے مجھے بیعت فرمالیا۔

☆ عاصم بن کلیب اپنے والد سے اور وہ ایک انصاری سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ قبر پر گورکن کو وصیت کررہے ہیں کہ پاؤں کی طرف سے وسیع کرو، سر کی طرف سے وسیع کرو۔ جب آپؐ لوٹے تو ایک عورت نے آپ کو کھانے کی دعوت دی۔ آپؐ تشریف لائے کھانا لاکر آپؐ کے سامنے رکھا گیا۔ آپؐ نے اس میں اپنا دست مبارک رکھا لوگوں نے بھی ہاتھ رکھے اور کھانا شروع کردیا۔ ہمارے باپ دادا (یعنی بڑوں) نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ

نے لقمہ اپنے منہ میں آہستہ آہستہ چبانا شروع کیا پھر فرمایا ''میں محسوس کر رہا ہوں کہ بکری کا گوشت اس کے گھر والوں کی اجازت کے بغیر لیا گیا ہے'' راوی فرماتے ہیں کہ اس (دعوت پکانے والی) عورت نے پیغام بھیجا کہ ''اے اللہ کے رسول! میں نے بقیع کی طرف بکری خریدنے کے لئے آدمی بھیجا لیکن نہیں ملی۔ پھر میں نے اپنے پڑوسی کو پیغام بھیجا جس نے بکری خرید رکھی تھی کہ اس کو قیمت کے بدلہ مجھے بھیج دو لیکن وہ نہیں ملا پھر میں نے اس کی عورت کو پیغام بھیجا تو اس نے یہ بکری میرے پاس بھیج دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے قیدیوں کو کھلا دو'' (ابوداؤد)

☆ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''آپ نے ایک جگہ ہمارے بیچ میں کھڑے ہو کر قیامت تک کے سارے احوال ذکر کر دیے۔ جو اس کو جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو ان سے جاہل رہا سو جاہل رہا۔ پھر کبھی میں کوئی ایسی بات دیکھتا ہوں جو میں بھول گیا ہوتا ہوں تو اس کے دیکھتے ہی پہچان لیتا ہوں جیسے کوئی آدمی کسی آدمی کو جانتا ہو تو جب وہ غائب ہو جائے پھر وہ اسے دیکھ لے تو (فوراً) پہچان لیتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

☆ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد مردوں کو کوئی فتنہ اتنا نقصان دینے والا نہیں جتنا عورتوں کا فتنہ ہے'' (مسلم)

اگر ہم اس حدیث کو موجودہ حالات کے تناظر میں دیکھیں تو نبی کریم ﷺ کی اس پیشین گوئی کو سمجھنا چنداں مشکل نہیں رہ جاتا ہے۔ آج کے دور میں ہر شیطانی ہوس پورا کرنے کا پہلا ذریعہ جس طرح عورت کو بنا لیا گیا ہے اور عورتوں نے بھی جس طرح رب کی دھرتی پر فسق و فجور کا طوفان بدتمیزی برپا کیا ہوا ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ حدیث اپنے مفہوم اور آئندہ کی خبر پر سورج سے زیادہ روشن دلیل بن کر سامنے آتی ہے۔

☆ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''تم ایسا علاقہ عنقریب فتح کرو گے جس میں ''قیراط'' (نامی سکہ) چلتا ہوگا تو وہاں والوں کے ساتھ اچھائی کا برتاؤ کرنا کیونکہ ان کے لئے ذمہ اور رحم ہے۔ جب تم دیکھو کہ دو آدمی ایک اینٹ (کے بقدر) جگہ پر جھگڑ رہے ہیں تو تو وہاں سے نکل جا۔ (مسلم)

چنانچہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ۲۰ھ میں مصر فتح ہوا اور وہاں کا سکہ قیراط تھا۔

☆ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "یہ دین اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ بارہ خلیفہ نہ ہوں جائیں جو سارے کے سارے قریش کے ہونگے پھر قیامت سے پہلے چند جھوٹے نکلیں گے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت سفید محل کے خزانے کو فتح کرے گی جو کسریٰ کا محل ہے۔ اور میں تمہیں حوض پر ملوں گا۔ (مسلم)

☆ حضرت حذیفہ بن الیمان سے روایت ہے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میرے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرو۔

(ابن ماجہ۔ ترمذی)

ان دونوں احادیث میں نبی کریم ﷺ نے جن جن واقعات کی خبر دی ہے وہ اسی طرح ہوئے اور جو رہ گئے ہیں وہ قیامت سے پہلے ضرور ہو کر رہیں گے۔ ہمارے قریب زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر کے رسول خدا ﷺ کی لسان نبوت صداقت بیان کی صداقت اور سچائی پر اور اپنی بدبختی اور شقاوت پر مہر لگا کر رسول خداؐ کی پیشین گوئی کو سچا کر دکھایا۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ احد پہاڑ پر چڑھے اور آپکے ساتھ ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ اتنے میں وہ پہاڑ ہلنے لگا تو آپؐ نے پہاڑ پر اپنا پاؤں مبارک مارا اور فرمایا "ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں" (بخاری)

یہ بھی آپؐ کی نبوت کی ایک دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کائنات کے سب سے بڑے نبی ہیں اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو رتبہ صداقت وصدیقیت بارگاہ رسالت سے نوازا گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلعت شہادت سے سرفراز کیے گئے۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں سویا

ہوا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھ پر دو کنگن رکھے گئے۔ میں نے دونوں کو توڑ دیا۔ پھر خواب میں ہی میری طرف یہ وحی بھیجی گئی کہ میں ان دونوں کو پھونک ماروں۔ میں نے پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے۔ میں نے اس کی کہ یہ تاویل کی دو جھوٹے کذاب نکلیں گے۔ صنعاء والا (اسود عنسی) اور یمامہ والا (مسیلمہ)۔

مسیلمہ کذاب اپنی قوم کے ساتھ آیا تھا اور آ کر یہ کہنے لگا، ''اگر محمد (ﷺ) اپنے بعد یہ امر میرے حوالے کر دیں تو میں ان کی اتباع کر لوں گا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا پتہ چلا آپؐ نے اس سے فرمایا ''اللہ کی قسم! اگر تو مجھ سے یہ کھجور کی ٹہنی مانگے تو وہ بھی تجھے نہیں دوں گا۔ اور اگر تو نے روگردانی کی تو اللہ تجھے ضرور موت کے گھاٹ اتارے گا (کہ تیری کونچیں کاٹ کے رکھ دے گا) تیرے ساتھ جو ہوگا اسے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں''

چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ اللہ نے اسے غارت کیا اور یمامہ کے دن اس نے اپنے چہرے پر دائمی بربادی کا داغ لگایا اور مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو کر جہنم کی آغوش میں چلا گیا۔ اسی طرح اسود عنسی کو صنعاء میں قتل کیا گیا۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کا اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سرگوشی کرنے اور ان کو ایک خاص بات کی خبر دینے کا قصہ مروی ہے چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام ہر سال قرآن کا ایک دفعہ دور کرتے تھے۔ لیکن اس سال انہوں نے مجھ سے دو دفعہ دور کیا ہے۔ میرا یہی خیال ہے کہ میری رحلت کا وقت قریب آ گیا ہے یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رونے لگیں آپؐ نے پھر ان سے سرگوشی کی اور ان کو بتایا کہ وہ جنت کی عورتوں کی سردار ہونگی اور وہ سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کریں گی۔

(بخاری و مسلم)

یعنی آپؐ کی وفات کے بعد سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسے کہ آپؐ نے خبر دی تھی۔

حضرت اویس قرنیؒ کے قصہ کے بارے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بتایا تھا کہ ''وہ تابعین میں سب سے بہتر ہیں۔ ان کو برص کا

مرض تھا تو انہوں نے اللہ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے پورے جسم سے سوائے درہم کے بقدر ان سے دور فرمادیا۔ وہ اپنی ماں کے فرمانبردار تھے اور اگر اللہ پر کسی بات کی قسم کھا لیتے تو اللہ ضرور پوری کرتا۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تھا کہ ان سے اپنی مغفرت کی دعا کروانا۔ (مسلم)

بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ان سے ملاقات ہوئی تو آپ نے انہیں اسی طرح پایا جس طرح نبی کریم ﷺ نے بتلایا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان سے دعا کی درخواست بھی کی تھی۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ ایک آگ حجاز کی زمین سے نہ نکلے گی جس میں بصری کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہوں گی'' (بخاری)

مورخین نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ۶۵۴ھ میں پیش آیا۔ کہ رات کو ایک ایسی آگ نکلی جس کی روشنی میں لوگ رات کو بھی لکھ سکتے تھے اور ہر گھریوں روشن ہو گیا تھا جیسے اس میں چراغ جل رہا ہو۔ لوگوں نے مکۃ المکرّمہ تک میں اس آگ کی روشنی دیکھی۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''دو قسم کے لوگ جہنمی ہیں۔ میں نے ان دونوں کو ابھی تک نہیں دیکھا۔ ایک وہ لوگ جن کے پاس گائے کی دموں کی طرح کوڑے ہیں جو لوگوں کو مارتے ہیں اور (دوسری) وہ عورتیں ہیں جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہیں دوسروں کی طرف مائل ہونے والی اور دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والیاں ہیں ان کے سر بختی اونٹ کے کوہانوں کی طرح ہیں۔ ایسی عورتیں ہرگز جنت میں داخل نہ ہونگی اور نہ ہی اس کی بو سونگھ سکیں گی حالانکہ اس کی بو اتنی اتنی مسافت سے آتی ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ان دو قسموں میں سے ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جو ہمارے اس زمانے میں بکثرت ملتے ہیں ان کو ''رجالہ'' اور ''جاندار یہ'' کہتے ہیں (دراصل

---

[1] یہ علامہ ابن کثیر مرحوم کے فرشتہ سیرت جیسے لوگوں کے عہد کا حال ہے آج جبکہ یہ عریانی کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے یہ دور اس پیشین گوئی کا مصداق بننے کا یقیناً زیادہ اہل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ (آمین) نسیم

یہ اس زمانہ کی پولیس تھی) یہ آج بھی ہیں اور صدیوں پہلے بھی (غالباً رومیوں وغیرہ کے عہد میں بھی) تھے۔ دوسری قسم کی وہ عورتیں ہیں جو (اتنا تنگ یا) ایسا باریک لباس پہنتی ہیں جو ان کے ستر کو نہیں چھپاتا۔ بلکہ یہ شرمگاہوں اور زینت کو اور زیادہ ظاہر اور واضح کرتا ہے۔ وہ عورتیں اپنی چال میں غیر مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں۔ یہ مصیبت اس زمانے میں بہت عام ہے اور اس سے پہلے بھی تھی اور یہ نبوت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے کیونکہ جیسا نبی کریم ﷺ نے بتایا تھا بعینہ وہی ہوا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے اس زمانے میں یہ نشانی زیادہ واضح اور صریح ہے۔ بے حیائی اور عریانی اب اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ زمانہ ماضی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے!

☆ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ ہر سو سال بعد اس امت کے لئے ایک ایسا آدمی بھیجے گا جو دین کی تجدید کرے گا" (ابوداؤد)

حضور ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا "میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ دین حق پر (قائم اور) غالب رہے گا کسی کا ان سے الگ ہونا اور ان کی مخالفت کرنا ان کو نقصان نہیں دے گا۔ یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے اور وہ اسی حال میں ہونگے۔

صحیح بخاری میں حدیث کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ "وہ شام میں ہوں گے۔

ابن کثیرؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ "یہ بات بھی نبوت کی نشانیوں میں سے ہے کہ محدثین باقی تمام اسلامی ممالک کی نسبت شام میں زیادہ ہیں۔ خاص طور پر دمشق شہر میں اللہ اس کی حفاظت فرمائے۔

علامہ نوویؒ کی رائے یہ ہے کہ بظاہر اس طبقے میں علما اور عبادت گزار اور مجاہدین بھی شامل ہیں یہ پیشن گوئی صرف محدثین ہی کے ساتھ خاص نہیں۔

☆ نبی کریم ﷺ کی صداقت کا باب اس وقت تک مکمل نہ ہوگا جب تک کہ آپ ؐ کی سچائی صداقت، راستبازی اور آپ ؐ کے تمام عالم کے لیے نجات دہندہ ہونے اور آپ ؐ کے اس دنیا میں آخری نبی بن کر تشریف لے آنے کو گذشتہ کتب سماویہ سے بیان نہ کر دیں۔ دوسرے لفظوں میں "کتب سابقہ" میں آپ ؐ کے متعلق بشارات اور پیشین گوئیاں جو فقط

آپ ﷺ کے ظہور میں آنے سے ہی پوری ہوگئیں آپ کی پیشین گوئیوں کا دوسرا پہلو ہے۔

جس طرح آپ ﷺ نے جو جو پیشین گوئیاں فرمائیں وہ حرف بہ حرف پوری ہوئیں اسی طرح پہلے انبیاء ورسل نے جو پیشین گوئیاں آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کے بارے میں کیں اسی طرح آپ ﷺ کی پیدائش سے لیکر وفات تک کے متعلق جو کچھ گذشتہ کتابوں نے بیان کیا، بعثت سے قبل اور بعثت کے بعد کے واقعات کی بابت جو جو خبریں ہیں، ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد کے واقعات حتی کہ غزوات وسرایا اور اسراء ومعراج اور وفود وعلالت اور ازواج واولاد تک کی بابت جو جو پیشین گوئیاں ان ''سابقہ کتابوں'' میں موجود ہیں وہ بعینہ ہی سچ سچ اور برحق ثابت ہوئیں۔

قاضی سید محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے ''رحمۃ العالمین'' کی تینوں جلدوں میں ان سب واقعات وحوادث کے متعلق پیشین گوئیوں کو جابجا بیان کیا ہے ان سب بکھرے موتیوں کو جمع کرنا ایک نہایت کٹھن کام تھا۔ البتہ قائد ملت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاریؒ کی مشہور عالم تصنیف ''قصص القرآن ج۴ ص ۲۱۷ تا ۳۴۸'' میں ان سب کو بالاستیعاب نقل کیا گیا ہے۔

ذیل میں ''قصص القرآن'' کے مذکورہ بالا حوالہ سے ہی ایک مضمون نہایت اختصار اور ترمیم کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے جس میں ان پیشین گوئیوں کی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے اس کے بعد اس موضوع پر ایک مختصر تحریر پیش خدمت کی جائے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ .... وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ''

(آل عمران: ۸۱)

''اور جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی

مدد کرنا ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا) انہوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا (خدا نے فرمایا کہ) تم اس عہد و پیمان کے گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں''

یہ وہ عہد ہے جو ازل میں خاتم الانبیاء ﷺ کے متعلق سب انبیاء کرام علیہم السلام سے لیا گیا تھا اور دراصل اس خطاب سے ان کی امتیں مقصود ہیں۔ یہ عہد نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ:

''مادیت و روحانیت کا فاعل مختار ایک ہی ہے، مادیت میں جاری رب تعالیٰ کے قانون فطرت کا مشاہدہ ہر ایک کو شب و روز ہے۔ جبکہ نظام روحانیت کا ادراک حواس خمسہ سے بالاتر ہے۔ عقل سلیم کی راہ نمائی سے یہ حقیقت عالم آشکار ہوتی ہے کہ اس میں رب تعالیٰ کا ایک ہی قانون نافذ اور جاری و ساری ہے۔

مادی اشیاء کے آغاز و انجام کے سلسلے پر مشتمل اس کائنات میں لازم تھا کہ روحانیت کا بھی ایک آغاز اور ایک انجام ہوتا۔ اس کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوتی ہے جو مادی سلسلہ نسب کے پہلے باپ ہونے کے ساتھ ساتھ خدا کی بخشی ہوئی امانت ہدایت و صداقت کے پہلے ''نبی اور ''ایلچی'' بھی تھے۔

ایک خدا کی ایک رشد و ہدایت پر مبنی اس صداقت کی تعلیم کا سلسلہ بھی ایک ہونا چاہیے تھا جس کا آغاز اپنے انجام کے ساتھ زنجیر کی متصل اور مسلسل کڑیوں کی طرح اس طرح جڑا ہو کہ اگر ایک کڑی بھی درمیان سے چھوٹتی ہو تو ابتداء و انتہاء کے دونوں سرے ہاتھوں سے نکلتے ہوں یعنی کسی ایک نبی کا انکار سب کے انکار اور اس پورے سلسلہ روحانیت کی تکذیب کے مترادف ٹھہرایا گیا قرآن اس کو ''لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کہتا ہے اور لسان نبوت کے پاکیزہ الفاظ میں اس کی ترجمانی یوں ہے ''نحن بنو علّاتٍ دیننا واحدٌ'' یعنی ہم تمام انبیاء و رسل کی تعلیمات اصل و بنیاد میں اس طرح ایک ہیں جیسا کہ علاتی بھائی کہ ان سب کا باپ ایک ہی ہوتا ہے۔

پھر سلسلہ روحانیت کی یہ کڑیاں باہم متصل ہونے کے باوجود آغاز وانجام میں مراتب کا وہ فطری فرق رکھتی ہیں جو مادی اشیاء کے نشو ونما کے جملہ مراحل میں فطری اور تکوینی طور پر پایا جاتا ہے کہ انجام کمال اور درجہ میں ہمیشہ بلند اور اعلیٰ ہوتا ہے کہ انجام ہی اس سلسلہ کا محور ومرکز (Center) ہوتا ہے اور وابستہ وپیوستہ کی منزل مقصود سمجھا تا ہے۔

پھر جب ہر شی کی طرح انسانیت اپنے بچپن سے شباب کی طرف بڑھی کہ ایک کنبے سے جس کا ایک باپ تھا جو روحانی طبیب بھی تھا، خاندانوں برادریوں قبیلوں اور قوموں اور جغرافیائی نسلوں میں تقسیم ہوگئی۔ اور وحدت نے کثرت کی شکل اختیار کر لی اور اس کثرت میں بھی تنوع پیدا ہوا۔ ٹھیک اسی طرح روحانیت بھی اور اس کا سلسلۂ رشد وہدایت بھی نقطہ وحدت پر قائم رہتے ہوئے تنوع اور کثرت کی شکل اختیار کر گئی کہ اب ہر ہر قوم قبیلے اور آبادی کے لیے جدا جدا ہادی اور پیغمبر آنے لگے۔ یہ متعدد انبیاء کرام علیہم السلام اپنی دعوت رشد وہدایت وصداقت میں ایک ہی بنیاد پر قائم تھے۔ اسی کو قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً .... وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" (البقرہ:۲۱۳)

"(پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذھب تھا (لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو خدا نے (ان کی طرف) بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے اور ان پر سچائی کے ساتھ کتابیں نازل کیں تاکہ جن امور میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے ان کا ان میں فیصلہ کردے۔ اور اس میں اختلاف بھی انہی لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجودیکہ ان کے پاس کھلے ہوئے احکام آچکے تھے (اور یہ اختلاف انہوں نے صرف) آپس کی ضد سے (کیا) تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے خدا نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اس کی راہ دکھادی اور خدا جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھادیتا ہے"

صدیوں پر محیط رشد وہدایت کا یہ سلسلہ قوموں کے تنوع کے باوجود مقصد وحدت کو پیش نظر رکھ کر اس کی طرف برابر حرکت کرتا رہا اور بالآخر اس نے مقصد کمال اور مرکز وحدت کو پالیا۔

خدائی صداقت پر مبنی یہ پیغام فروعی اور وقتی تنوع کے عارضہ کے باوجود اصل واساس اور بنیاد میں ایک تھا۔

خدا کی وحدانیت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ اس کا یہ پیغام اب اپنے فروعی تنوع کو سمیٹ کر ایک نقطہ پر آ کر ٹھہر جائے اور ساری کائنات اس کو بیک وقت سنے۔ اور اس عالمگیر پیغام کو ایک ایسا نبی سنائے جس کے بعد فروعی تنوع اور کثرت کی احتیاج باقی نہ رہے۔

خالق کائنات کا یہ قانون فطرت اس بات کا مقتضی تھا کہ عالم روحانیت کی یہ ''مثل اعلیٰ'' ایسے دور کے ساتھ رونما ہو جس میں انسانی عقل کا ارتقاء اور عقلی استعدادات اپنے رشد وکمال پر ہوں۔ کہ جب پورا مادی کارخانہ مادی اسباب کی بنا پر ایک کنبہ اور ایک خاندان بن کر رہ جائے، ملکوں کی بہتات وکثرت کے باوجود کسی ایک گوشہ کی حرکت یا سکون تمام کائنات کو متاثر کرے۔ اس وقت عالم روحانیت کا یہ آخری نقطہ انسان کی ارتقائی عقل کو اپنی دعوت کی یکتائی اور وحدت سے متاثر کر سکے۔ اور دنیا چاہے یا نہ چاہے مگر سوسائٹی کے نظام کو عملاً خدا کا ایک کنبہ بنا کر عالمگیر اخوت ومساوات کو پیش کرے۔ اور نتیجہ یہ نکلے کہ دین حق صرف تعلیم قرآن ہی میں منحصر ہو کر رہ جائے۔

تاریخ اٹھایئے، چھٹی صدی عیسوی ہے اس میں انسانیت ایک عالمگیر تاریکی میں ڈوبی ہے، آسمانی مذاہب بھلائے جا چکے ہیں اس نہایت تیرہ وتاریک اور ابتر نظام میں قرآن کی آواز بلند ہوتی ہے۔ زمانہ نئی کروٹ لیتا ہے ایک انقلاب برپا ہوتا ہے، جلد یا بدیر قوموں کی قومیں قرآنی وحدت وحقانیت کا اعتراف کرتی ہیں خواہ رشک سے یا حسد سے تسلیم کر کے یا انکار کر کے، غرض مذھب وسوسائٹی دونوں اس کے اثر کو اس کے پیغام کو قبول کئے بغیر نہ رہ سکے۔ خالص توحید اور خدا پرستی نے انسانی زندگی سے متعلقہ ہر گمراہانہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ آج کی دنیا کا ہر عاقل قرآن کی صداقت وافادیت کو تسلیم کرنے لگا۔

اب یہ سمجھنا چنداں مشکل نہ رہا کہ یورپ وایشیا اور افریقہ وامریکہ میں غرض کسی بھی

جگہ میں سوسائٹی یا مذہب کی جو آواز بھی اٹھی ہے بلا تعصب وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ قرآن اور پیغمبر قرآن کی ہی صدائے بازگشت ہے۔

مرکزیت و وحدت وجود میں لانے کے لیے ضروری ہوا کہ ایسے پیغام و پیغمبر کی نصرت وحمایت کا انتظام واہتمام روز ازل سے ہی کیا جائے اور انہیں بتلا دیا جائے کہ جب اس آخری پیغام کی ''صدائے حق'' بلند ہو تو سب امتیں اس کو قبول کریں اور اس کی نصرت وتائید کو فرض سمجھیں۔

اور یہی وہ ''عہد میثاق'' ہے جس کو گذشتہ امتوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی لسان صداقت سے ''بشارتوں'' اور ''پیشین گوئیوں'' کی شکل میں سنا یہی وجہ ہے کہ امتداد زمانہ کی وجہ سے شرک اور تحریف کے باوجود تمام مذاہب وادیان میں ایک ''اوتار''، یا ''نبی'' یا ''مرسل'' کی معرفت کے ساتھ ایک ''منتظر ہستی'' کا مشترک عقیدہ پایا جاتا ہے۔ یہود و نصاریٰ ہر قسم کی تحریف کے باوجود ایک ''ایلیا''، ''وہ نبی''، ''فارقلیط'' (پیراکلیوطاس) بمعنی ''احمد''، ''روح حق''، یا ''ناصر'' وغیرہ کے انتظار میں ہیں۔ دوسری طرف مجوسیت میں ایک ''نجات دہندہ'' اور ہندوؤں کے ''ویدک دھرم'' یا ''سناتن دھرم'' میں بھی ایک ''اوتار'' کا انتظار ہے۔

مذھب و دھرم کا مذاق اڑانے والے ناستک گروہ کو چھوڑ کر ہزاروں برس پر محیط انسانیت میں ''یہ مشترک انتظار'' ایک مشترک عقیدہ کی شکل میں رہا ہے۔ اور یہ ایک قابل انکار حقیقت اور اٹل صداقت ہے۔ البتہ جن کو ازلی ابدی بدبختی اور حسد دامن گیر ہوا وہ اس منتظر ہستی کے آجانے کے باوجود بھی انکار پر ڈٹے رہے اور خوب پہچان لینے کے باوجود بھی ماننے سے گریز کرتے رہے۔

ہندوستان کا قدیم مذھب اپنی حقیقت کھو کر محض چند وھمی رسومات کے سہارے زندگی کے آخری سانس گن رہا ہے۔ اس لیے ان کے ہاں ''منتظر'' ہستی کا جو عقیدہ اب بھی ''شنبلی'' میں جو ''کلنکی اوتار'' کے نام سے موجود ہے اس کو یقینی طور پر نبی کریم ﷺ پر منطبق کرنا سوال بن گیا ہے؟

بدھ مذہب بھی اپنی اصل وحقیقت گم کر چکا ہے۔ اس لئے یہود ونصاری کی کتابوں تورات وزبور اورانجیل وغیرہ سے ہی نبی کریم ﷺ کی بابت چند بشارات پیش کر دینا کافی ہے۔ جو کتابیں کہ لاکھ تحریفوں کے باوجود بھی ان بشارتوں کے انطباق سے انکار کرنے میں قاصر نظر آتی ہیں" (قصص القرآن ج۴ص ۲۱۷۔۲۲۵۔ ملخصا وتبصرف)

اب ذیل میں تورات وانجیل کی چند بشارات نقل کی جاتی ہیں تا کہ رسول عربی جناب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی صداقت کا دوسرا پہلو بھی کامل ہو۔

☆ اشعیاء کے صحیفوں کے لمبے کلام میں بنی اسرائیل کو ڈانٹا گیا ہے۔ اور اس میں یہ مضمون بھی ہے کہ "میں تمہاری اور تمام امتوں کی طرف نبی کو بھیجوں گا جو امی ہوگا۔ نہ وہ سخت مزاج ہوگا اور نہ سخت دل اور نہ ہی بازاروں میں زور سے آوازیں کسنے والا ہوگا۔ میں ہر اچھی چیز کی طرف اس کی راہنمائی کروں گا اور اس کو کریمانہ اخلاق عطا کروں گا۔ پھر سنجیدگی اور وقار کو اس کا لباس بناؤں گا اور نیکی کو اس کا شعار بناؤں گا اور تقوی اس کے ضمیر میں رکھ دوں گا۔ اور حکمت اس کی عقل ہوگی اور وقار اس کی طبیعت ہوگی اور عدل اس کی سیرت ہوگی اور حق اس کی شریعت ہوگی اور ہدایت اس کی ملت ہوگی اور اسلام اس کا دین ہوگا اور قرآن اس کی کتاب ہوگی اور احمد اس کا نام ہوگا اس کے ذریعے میں گمراہی سے ہدایت دوں گا۔ اور اس کی وجہ سے گمنامی کے بعد بلندی دوں گا اور اور فرقت کے بعد اکٹھا کروں گا اور اسی کے ذریعے مختلف دلوں کو جوڑوں گا اور اس کی امت کو لوگوں کے (نفع کے) لئے نکالی گئی خیرات (بہترین امت) بناؤں گا اس کی قربانیاں ان کے (جانوروں کے) خون ہونگے اور ان کی انجیلیں (قرآن) ان کے سینوں میں ہونگی۔ رات کے راھب اور دن کے شیر (بہادر) ہوں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

☆ شعیاء کے کلام کی پانچویں فصل میں ہے "وہ (اور اس کی امت) دوسری امتوں کو غلہ کے کھلیان کی طرح روندیں گے اور عرب مشرکین پر مصیبت آئے گی اور وہ اس کے سامنے شکست کھا جائیں گے"

☆ شعیاء کے کلام کی چھبیسویں فصل میں ہے "یہ جنگل کی زمین پیاس سے خوش ہوگی

اور احمد کو لبنان کے محاسن (اچھائیاں) عطا کیے جائیں گے۔لوگ اللہ کے جلال کو اس کے حسن کے ساتھ دیکھیں گے"

☆ تکوین سفر اول میں ہے "اسماعیل کے بیٹے کا قبضہ تمام امتوں پر ہوگا اور ہر امت آپ کے ماتحت ہوگی اور وہ اپنے بھائیوں کے سب گھروں میں رہے گا"

☆ تکوین سفر رابع میں ہے: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل سے کہو "میں تمہارے جیسا ہی ان کے اقرباء میں کھڑا کروں گا اور اپنی وحی اس کے منہ میں ڈالوں گا، تم اس کی اتباع کرنا۔

☆ سفر خامس (یعنی "سفر میعاذ") میں ہے کہ:

"موسیٰ علیہ السلام نے اپنی آخری عمر میں بنی اسرائیل کو خطاب کیا اور ان سے فرمایا "جان لو کہ اللہ عنقریب تمہارے لئے تمہارے اقارب میں سے ایک نبی کو مبعوث فرمائیں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے وہ تمہیں اچھی باتوں کا حکم کرے گا اور بری باتوں سے روکے گا، پاکیزہ چیزوں کو تمہارے لئے حلال کرے گا اور ناپاک چیزوں کو تمہارے لیے حرام ٹھہرائے گا۔

تو جس نے ان کی نافرمانی کی اس کے لیے دنیا کی رسوائی اور آخرت کا عذاب ہے۔

ذرا قرآن کریم کی اس آیت کو بنظر امعان دیکھئے کہ اس میں اسی پیشین گوئی کا ذکر نہیں تو اور کیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ......وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ" (سورۃ الاعراف:۱۵۷)

"وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی جو نبی امی ہیں پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر)

پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں"

☆ سفر خامس کے آخر میں جو موجودہ تورات کا آخر ہے لکھا ہے کہ "اللہ طور سینا (پہاڑ) سے آیا اور ساعید (پہاڑ) سے نمودار ہوا اور فاران کے پہاڑ سے بلند ہوا۔ اور اپنے قدس کے ٹیلوں سے ظاہر ہوا اس کی دائیں جانب نور ہے اور اس کی بائیں جانب آگ ہے۔ قومیں ان کے پاس اکٹھی ہو رہی ہیں"

یعنی اللہ کا امر آیا جو طور سیناء سے شروع ہوا۔ یہ وہ پہاڑ ہے جس پر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے تھے۔ اور ساعیر سے نمودار ہوا۔ یہ بیت المقدس کے پہاڑوں کا نام ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں پر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تھے۔ اور فاران کی پہاڑیوں سے اس کا امر بلند ہوا اور یہ بلا اختلاف حجاز کی پہاڑیاں ہیں۔ اور سب کچھ محمد ﷺ کی زبان پر ہی ظاہر ہوا۔ اور ان تین جگہوں کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں بھی ہے۔

"وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ"

(سورۃ التین: ۱۔۳)

"انجیر کی قسم اور زیتون کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر کی (قسم)"

"و التین و الزیتون" سے مراد "بیت المقدس" ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام تھے اور "طور سینین" وہ پہاڑ ہے جس پر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے اور "بلد الامین" سے مراد وہ شہر ہے جہاں نبی کریم ﷺ کو مبعوث کیا گیا تھا یہاں رب تعالیٰ نے فضیلت کے مدارج کو ملحوظ رکھا کہ سب سے پہلے کم پہلے فضیلت والی جگہ کا ذکر کیا پھر اس سے افضل کا پھر اس سے بھی افضل کا ذکر کیا۔

☆ انجیل برنابا میں بھی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں صریح بشارتیں آئی ہیں۔ مثلاً (ص ۱۶۱) میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد صبر کر" "ان کا اسم مبارک "محمد" ہے" (ص ۲۶۱)

اور یہ بھی لکھا ہے کہ "اے اللہ ہمارے پاس اپنے رسول کو بھیجیں۔ اے محمد عالم کو نجات دینے کے لئے جلدی آئیں"

نصاریٰ ان روایات کے منکر ہیں وہ برنابا کی ان روایات کو یہ کہہ کر جھٹلا دیتے ہیں کو

''برنابا''تو زانی تھا اسی لیے گرجانے اس کو دھتکار دیا تھا تو ہم ایک زانی کی روایات کس طرح اور کیونکر قبول کریں۔

بہر حال خدا جس کو چاہے ہدایت دے عیسائی مانیں یا نہ مانیں مگر یہ روایات ان کی انجیلوں میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم

☆ حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا: رب تعالیٰ نے یہود کو دھمکاتے اور انہیں جناب رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے اوپر غالب کریں گے اور ان میں اللہ تعالیٰ نبی کو مبعوث کریں گے اور ان پر کتاب نازل ہوگی اور ان کی حکومت اور اقتدار تمہاری ذاتوں پر ہوگا وہ تمہیں زیر کریں گے اور حق کے ساتھ تمہاری تذلیل و تحقیر کریں گے۔ قیدار بن اسماعیل کے لوگ مختلف قبیلوں کی جماعتوں میں نکلیں گے ان کے ساتھ سفید گھوڑوں پر فرشتے ہونگے وہ تمہارا گھیراؤ کر لیں گے اور تمہارا انجام آگ ہوگی۔ اللہ آگ سے بچائے۔ آگے دانیال حضرت محمدؐ کا نام صراحۃً لیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''اے محمد! تیر تمہارے حکم سے سیراب ہونگے۔

فرشتے کی حضرت دانیال علیہ السلام سے گفتگو میں یہ بھی ہے کہ میں ان (بنی اسرائیل) پر لعنت اور ناراضگی کی مہر لگاؤں گا پس وہ ہمیشہ ہی ملعون رہیں گے اور ان پر ذلت اور مسکنت مسلط رہے گی یہاں تک کہ میں بنی اسرائیل کے نبی کو مبعوث کر دوں جس کی بشارت میں نے ھاجرہ کو دی تھی میں نے ہاجرہ کی طرف اپنے فرشتے کو بھیجا تھا اس فرشتے نے ان کو بشارت دی۔ میں اس نبی کی طرف وحی بھیجوں گا اور اس کو نام سکھاؤں گا اور اس کو تقویٰ سے مزین کروں گا اور نیکی کو اس کا شعار بناؤں گا۔ اور تقویٰ اس کا ضمیر اور سچ اس کا قول اور وفا اس کی طبیعت اور قصد اس کی سیرت اور رشد اس کی سنت بناؤں گا۔ صرف اس کو ایسی کتاب دوں گا جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرے گی اور ان کے بعض مضامین کو منسوخ کرنے والی ہوگی۔ اور اس کو میرے پاس لایا جائے گا۔ میں اسے ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر چڑھاؤں گا۔ یہاں تک کہ وہ تمام آسمانوں کے اوپر ہو جائے گا پھر میں اسے اپنے قریب کروں گا اور اس پر سلامتی نازل کروں گا۔ پھر اس کو پیغام دے کر اپنے بندوں کی طرف بھیج دوں گا۔ جو امانت اس کو سونپی گئی ہے وہ اس کی حفاظت کرے گا قول کا سچا ہوگا۔

میری توحید کی طرف نرمی اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلائے گا۔ نہ وہ سخت گو ہوگا اور نہ اکھڑ مزاج اور نہ ہی بازاروں میں شور مچانے والا۔ اپنے ساتھیوں پر بڑا مہربان اور دشمنوں پر بڑا رحیم ہوگا۔ اپنی قوم کو میری توحید اور بندگی کی طرف بلائے گا وہ لوگوں کو میری وہ نشانیاں بتائے گا جو اس نے دیکھی ہیں لوگ ان کی تکذیب کریں گے اور ان کو اذیت دیں گے۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ بشارت اب بھی یہود و نصاریٰ کے پاس ان کی کتابوں میں موجود ہے وہ اس کو پڑھتے ہیں اور کہتے ہی کہ اس بشارت والا ابھی ظاہر نہیں ہوا لیکن یہ سراسر جھوٹ ہے وہ دل کی گہرائیوں سے مانتے ہیں گو زبانوں سے اقرار نہ بھی کریں کہ یہ ساری بشارتیں صرف اور صرف خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ہیں۔

☆ انجیل یوحنا کے باب ۱۴ کے صفحہ نمبر ۱۵ میں ہے۔ ''اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو میری وصیتوں کی حفاظت کرنا۔ میں باپ سے مطالبہ کروں گا کہ وہ تمہیں ایک اور تسلی دینے والا (نبی) عطا کرے جو ہمیشہ تم میں رہے۔

اس بشارت میں ''بارکلیتوس'' کا لفظ آتا ہے یہ ایک یونانی لفظ ہے جس کا لفظی معنیٰ ''احمد'' یعنی بہت زیادہ تعریف کرنے والا ہے۔ یہ آپ کا نہایت مشہور نامی ہے۔

☆ انجیل لوقا (۱۴:۲) میں ہے کہ ''آسمانوں میں رب کی تعریف ہے اور زمین میں اسلام ہے اور لوگوں کے لئے ''احمد'' ہیں۔ لیکن رب کی اس کتاب کو بدلنے والوں نے یوں بدل دیا'' آسمانوں میں رب کی تعریف ہے اور زمین پر سلامتی ہے (نا کہ اسلام) اور لوگوں کے لئے خوشی ہے (نا کہ جناب احمد ﷺ) خدا کتاب اللہ میں اس تبدیلی کرنے والوں پر لعنت کرے۔

☆ بخاری میں عطاء بن یسارؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ملا۔ میں نے کہا مجھے بتا کہ کیا تورات میں رسول اللہ ﷺ کی صفات کیا آئی ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم! ان کی اس میں بعض وہ صفات مذکور ہیں جو قرآن میں بھی مذکور ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یَاأَیُّهَا النَّبِیُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا''

(سورۃ الاحزاب:۴۵)

''اے پیغمبر! ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے''

تورات میں ہے کہ اے پیغمبر! تو امیوں (ان پڑھوں) کی حفاظت گاہ ہے۔ تو میرا بندہ اور رسول ہے میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے نہ اکھڑ ہے، نہ بدگو اور نہ ہی بازاروں میں شور مچانے والا اور برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتا بلکہ معاف کر دیتا ہے اور بخش دیتا ہے۔ آگے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک ان کی روح قبض نہیں کریں گے جب تک کہ ان کے ذریعے ٹیڑھی ملت کو درست نہ فرمادیں کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرلیں اور ان کے ذریعے اندھی آنکھوں اور بہرے کانوں کو اور بند دلوں کو نہ کھول دیں۔

☆ اس قسم کی ایک روایت دارمی نے عطا سے اور انہوں نے ابن سلام سے بیان کی ہے کہ ابن کعب سے جو علماء یہود میں ہیں اور جو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آئے تھے روایت ہے کہ ہم نے تورات میں یہ لکھا ہوا پایا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ میرا پسندیدہ بندہ ہے نہ وہ اکھڑ ہے نہ بدگو اور نہ ہی بازاروں میں شور مچانے والا اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دیتا ہے بلکہ معاف کر دیتا ہے اور بخش دیتا ہے۔ ان کی جائے پیدائش مکہ ہے اور انکی ہجرت طیبہ (مدینہ منورہ) کی طرف ہے اور ان کی حکومت شام تک ہے۔ ان کی امت حمادون (اللہ کی بہت تعریف کرنے والے) ہے جو خوشی اور غمی میں اللہ کی تعریف بیان کرتے ہیں اور ہر جگہ اللہ کی حمد و ثناء کرتے ہیں۔ ہر بلند جگہ پر وہ اس کی بڑائی بیان کرتے ہو (یعنی چڑھائی چڑھتے وقت اللہ اکبر کہتے ہیں) سورج کی نگرانی کرتے ہیں۔ (یعنی نماز کے وقت کا خیال رکھتے ہیں) نماز کو اس کے وقت میں ادا کرتے ہیں۔ آدھی پنڈلیوں پر لنگی یا تہبند باندھتے ہیں اور اپنے اعضاء کو وضو میں دھوتے ہیں۔ ان کا منادی آسمان کی فضاء میں پکارتا ہے (یعنی اذان دیتا ہے) قتال کے وقت میں اور نماز کے وقت میں ان کے اوصاف ایک جیسے ہیں۔ رات کو ان کی آواز (ذکر و عبادت اور تلاوت کرتے ہوئے) شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ جیسی ہوتی ہے۔

علماء کرام نے تورات اور انجیل میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں موجود بشارتوں کو جمع

کیا ہے جو تقریباً ڈیڑھ سو سے زیادہ ہیں۔ علامہ رحمت اللہ کیرانویؒ نے ''اظہار الحق'' (بائیل سے قرآن تک) میں ان کے اکثر حصہ کو ذکر کیا ہے اس کے علاوہ ''قصص القرآن'' وغیرہ میں بھی اس کا کافی حصہ آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ...... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ''

(سورۃ آل عمران: ۸۱-۸۲)

''اور جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے کہ تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنا ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا) انہوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا۔ (خدا نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان) کے گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں تو جو اس کے بعد پھر جائیں وہ بدکردار ہیں''

''سچی'' باتیں ان کی یاد رہیں

حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کو جس سعادت مند، رضائے خداوندی سے بہرہ مند طبقہ نے حرز جان بنایا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں بات کو آگے بڑھانے سے پہلے کہ سچ کے ایمان و توحید سے لیکر معاشرت و معاملات تک کے تعلق اور ان میں سچ کی اہمیت کو بتایا جائے برکت کے لیے اس سعادت مند طبقہ کی چند سچی باتیں محض اس لئے پڑھ لیں تاکہ ایمان و اخلاص اور صدق و دیانت میں ان سچوں کے سچے جذبات و خیالات اور ایمان و احساسات کی صورت سامنے آ جائے کہ جو یقیناً دل کو ایمان سے بھر کر پوری زندگی کو سچائی کا پیکر بنانے کی دعوت دیتی ہیں بقول شاعر:

باتیں ''اُن کی'' یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سنیئے گا

پڑھتے کسی کو سنیے گا تو دیر تلک سر دھنیے گا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف خلفاء راشدین کے اقوال کو انتخاب کر کے پیش کیا جاتا ہے:

حضرت صدیقؓ کی سچی باتیں

ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب ''کتاب الحذر'' میں نقل کیا ہے اور ابن عساکر نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا ہے کہ ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خطبہ میں یہ فرماتے تھے ''الحمد لله رب العالمین'' میں اس خدا کی حمد وثناء کرتا ہوں اور اسی سے مدد چاہتا ہوں اور اس سے موت کے بعد عزت کا سوال کرتا ہوں۔ بیشک میری اور تمہاری موت قریب آ چکی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا، اور ڈرانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا تا کہ جو زندہ ہیں ان کو ڈرائیں اور کافروں پر اتمام حجت ہو جائے۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے سیدھا رستہ پالیا اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ بھٹک گیا میں تمہیں اللہ کے تقوی اور اس کے اس حکم کو مضبوطی سے تھامنے کی وصیت کرتا ہوں جو اس نے تمہارے لئے مشروع کیا ہے اور تمہیں اس کے ذریعے ہدایت کی۔ لا الہ الا اللہ کے بعد اسلام کی جامع ترین ہدایت (اور سیرت) امیر کی سننا اور اس کی اطاعت کرنا ہے۔ جس نے امیر کی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اطاعت کی وہ کامیاب ہو گیا اور اس نے اپنے ذمہ حق کو ادا کر دیا۔

نفس پرستی سے بچو۔ جو آدمی خواہشات اور طمع اور غضب (یعنی طیش) سے محفوظ رہا وہ کامیاب ہو گیا۔ فخر سے بچو اور وہ شخص کیا فخر کرے گا جو مٹی سے پیدا ہوا پھر مٹی ہی میں لوٹ جائے گا پھر اس کو کیڑے کھائیں گے پھر آج وہ زندہ ہے اور کل کو مردہ ہو گا لہٰذا دن بدن اور لحہ بہ لحہ عمل کرو اور مظلوم کی بددعا سے بچو اور اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو اور صبر کرو کیونکہ عمل سارے کا سارا صبر ہی سے ہے۔ اور ڈرتے رہو کیونکہ ڈرنا نفع دے گا اور عمل کرتے

رہو کہ وہ قبول کیا جائے گا۔ جس عذاب سے اللہ تعالیٰ نے ڈرایا ہے اس سے بچو۔ اور اللہ کی رحمت کی طرف دوڑو۔ سمجھو اور سمجھاؤ، ڈرو اور ڈراؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں سب کچھ بیان کر دیا کہ کس چیز سے پہلے والے ہلاک ہوئے اور کس چیز نے پہلوں کو نجات دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال و حرام اور پسندیدہ و ناپسندیدہ سب اعمال کو واضح بیان کر دیا ہے۔ میں تمہارے لئے اور اپنے لئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھوں گا۔ اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے اس کے سوا نہ کوئی نیکی کی توفیق دینے والا ہے اور نہ کوئی گناہ سے بچانے والا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جو اعمال تم خالص اللہ کے لئے کرتے ہو اور اپنے رب کی اطاعت کرتے ہو اور اپنے حصہ کو محفوظ کرتے ہو اور خوش ہوتے ہو اور جو تم نوافل آگے بھیجتے ہو اس سے تمہارے فرائض کی کمی پوری کی جائے گی اور جب تمہیں اس کی ضرورت ہوگی اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ اور اے اللہ کے بندو! اپنے ان بھائیوں اور ساتھیوں کو یاد کرتے رہو جو پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال پر سے گذرے ہیں اور ان پر ہی کھڑے ہیں (اور ان کے اچھے اور برے ہونے کے اعتبار سے) سعادت یا شقاوت و بدبختی میں پڑے ہیں۔ اللہ کا کوئی شریک نہیں اور اللہ اور اس کی مخلوق میں سے کسی کے بھی درمیان ایسا نسب نہیں جس کی وجہ سے اسے خیر عطا کی جائے اور اس سے برائی ہٹائی جائے مگر اس کی فرمانبرداری اور اس کے حکم کی اتباع سے ہی یہ ممکن ہے اس خیر میں کوئی خیر نہیں جس کے بعد جہنم ہو اور اس شر میں کوئی شر نہیں جس کے بعد جنت ہو۔ میں یہ بات کہتا ہوں اور اللہ سے اپنے لیے اور تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں اور اپنے نبی ﷺ پر درود بھیجو۔ والسلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بات چھڑی ہے تو آپؓ کی صداقت اور صدیقیت کو ذکر کئے بغیر گذر جانا کسی طور پر بھی مناسب نہیں آیئے پڑھتے ہیں کہ مقام صدیقیت کیا ہے؟

حضرت صدیق اکبرؓ کی صداقت اور مقام صدیقیت

ہم کم علموں اور کم نصیبوں کے وہ دماغ کہاں کہ جناب صدیق اکبر کے مقام صداقت کو بیان کر سکیں۔ ذیل میں علامہ ابن قیمؒ کی ایک نہایت وقیع تحریر پیش کی جاتی ہے جو حضرت

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صداقت وصدیقیت پر روشن ڈالتی ہے۔

علامہ ابن قیمؒ سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں ہدایت کے مراتب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ چوتھا مرتبہ وہ ''مرتبہ تحدیث'' ہے اور یہ وحی خاص کے مرتبہ سے کم ہے اور صدیقین کے مرتبہ سے بھی کم ہوگا جو کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تھا۔ جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اگر میری اس امت میں سے کوئی ہے تو وہ عمر بن خطاب ہیں۔ (محدث وہ ہوتا ہے جس کی اللہ کی طرف سے خاص راہنمائی ہوتی ہے)

علامہ ابن قیم آگے فرماتے ہیں کہ میں نے ''شیخ الاسلام تقی الدین بن تیمیہ'' کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ بات یقینی ہے کہ ہم سے پہلی امتوں میں یہ (محدثین لوگ) ہوتے تھے۔ اور اس امت میں ان کے وجود کو ان شرطیہ کے ساتھ معلق کیا گیا ہے حالانکہ یہ سب سے افضل امت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی پہلی امتوں کو اس کی احتیاج تھی لیکن یہ امت اپنے نبی اور اس کی رسالت کی وجہ سے اس سے مستغنی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رب تعالیٰ نے اس امت کو کسی محدث کسی الہام والے کسی کشف والے اور خواب والے کا محتاج نہیں بنایا۔ لہٰذا یہ تعلیق اس امت کے کمال اور استغناء کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کے نقص کی وجہ سے۔ اور محدث وہ شخص ہوتا ہے کہ جس کے جی میں ایک چیز پیدا ہوتی ہے اور پھر ویسا ہی ہو جاتا ہے جو اس کے دل میں آیا تھا۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں، ''صدیق محدث سے زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ وہ اپنی صدیقیت اور متابعت کے کمال کی وجہ سے تحدیث اور الہام اور کشف سے مستغنی ہوتا ہے اس لئے کہ اس نے اپنے سارے کے سارے دل کو اور سر کو اور ظاہر و باطن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا اور اس کی وجہ سے ماسوی سے مستغنی ہو گیا۔ کہ اس محدث کے دل میں جو کچھ آیا اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر پیش کیا جائے گا اگر اس کا دل اس کے موافق ہوا تو

---

۱ آج بھی کچھ ایسے بزرگ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ ''اللہ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے اور یہ کہہ کرامت کو ایک بدعت پر لگا دیتے ہیں'' اللہ ان سے بچائے۔ نسیم

۲ کلالہ: ''وہ شخص جو مرنے کے بعد اپنے پیچھے نہ باپ چھوڑے نہ اولاد جو اس کی وارث بنے بلکہ بہن بھائی اس کے وارث بنیں'' نسیم

فہم اور نہ مردود ہوگا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ صدیقیت کا مرتبہ تحدیث کے مرتبے سے اوپر ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ بہت سے توہم پرست اور جاہل جو یہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں اللہ کی طرف سے یہ بات آئی ہے تو اس کے دل میں ایسا کچھ ضرور آیا ہوگا لیکن کس کی طرف سے؟ شیطان کی طرف سے یا اس کے رب کی طرف سے؟ یہ پتہ نہیں۔ جب یہ کہتا ہے کہ اللہ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے[1] تو بات کی سند اس ذات کی طرف کرتا ہے، جس کے بارے میں معلوم ہی نہیں کہ واقعی اس نے یہ بات ڈالی ہے اور یہ جھوٹ ہے۔ امت کا محدث اس قسم کی بات نہیں کہتا اور نہ ہی اس کے منہ سے زندگی بھر ایسی بات نکلتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی پناہ اس قسم کی بات سے! بلکہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کاتب نے (آپ کے کسی نامے میں یوں) لکھ دیا کہ "یہ بات رب تعالیٰ نے امیر المومنین عمر بن خطاب کو سجھائی ہے" تو آپؓ نے فرمایا "نہیں اس کو مٹا دو اور لکھو کہ یہ عمر بن خطاب کی رائے ہے۔ اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو عمر کی طرف سے اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہے۔

کلالہ[1] کے بارے میں آپؓ نے فرمایا "میں اس میں اپنی رائے سے کہوں گا اگر درست ہوا تو اللہ کی طرف سے اور اگر غلط ہوا تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔

یہ اس ذات گرامی کا قول ہے جس کے محدث ہونے کی شہادت رسول اللہ ﷺ دے رہے ہیں۔ اب آپ ہی ان اتحادیوں اور حلولیوں اور اباحیوں وغیرہ (باطل مسالک والوں) کو دیکھئے کہ اگر ان میں سے کوئی یہ کہے کہ میرے رب نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے تو آپ ہی ان دونوں کہنے والوں (یعنی جناب عمر رضی اللہ عنہ اور ان بدبخت بدعتیوں) اور ان کے مرتبوں اور ان کی باتوں اور ان کی حالتوں کو ملاحظہ فرمائیں اور ہر حق والے کو اس کا حق مرحمت فرمائیں اور اصل اور نقل کو ایک ہی چیز نہ بنائیں۔

آگے شیخؒ نے مرتبہ افہام کے بارے میں کلام کرتے ہوئے، فرمایا "اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے فہم یہ صدیقیت کا عنوان ہے اور ولایت نبویہ کا منشور ہے اور اس میں علماء کے مراتب مختلف ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا شمار کم و بیش ہزار کے قریب ہے اگر ہم

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھیں تو ان کا ایمان اس امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑا ہے۔ وہ مردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے پھر ان کے بہت سے واقعات ایسے ہیں جو ان کے یقین اور تصدیق کی عظمت پر دلالت کرتے ہیں۔ جس سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جائے گی کہ وہ اس امت کے صدیق کیوں ہیں۔ جیسا کہ حدیبیہ کے دن کا واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ اس معاہدہ میں اس امت کی ہتک عزت ہے اس لئے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ''کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے''؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''کیوں نہیں'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''تو پھر ہم اپنے دین میں پستی (اور ذلت اور دب کر صلح کرنے) کی اجازت کیوں دیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا ''میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں کروں گا اور وہ پروردگار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے ہمیں نہیں کہا تھا کہ عنقریب ہم بیت اللہ جا کر اس کا طواف کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کیا میں نے تمہیں یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال؟۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''نہیں'' آپؐ نے فرمایا ''تو تم ضرور آ کر اس کا طواف کرو گے'' (اس سال نہ سہی اگلے سال ہی سہی) پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور یہی بات دھرائی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا ''ارے بھائی! وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کریں گے اور وہ ان کا مددگار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں بھی جانتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔'' حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''انہیں کے دامن کو مضبوطی سے تھام لو، اللہ کی قسم وہ حق پر ہیں'' (مسلم)

آپؓ کی صدیقیت وصداقت کا ایک اہم واقعہ یہ بھی ہے کہ ''جب مشرکین نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آ کر یہ کہا کہ تمہارا ساتھی (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہتا ہے کہ اسے آسمانوں پر لے جایا گیا ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا اگر انہوں نے کہا ہے تو سچ کہا، خدا کی قسم! میں تو اس سے بھی بڑی بات میں ان کی تصدیق کرتا ہوں میں آسمانی خبروں کے

بارے میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ (سنن)

ایک اہم واقعہ لشکر اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد روانہ کرنا اور مرتدین سے قتال کرنا ہے۔ جب کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض صحابہ بھی ظاہری احوال میں ان سے معارضہ کر رہے تھے۔ حالانکہ درست آپؓ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تھے۔

لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ کسی نبی علیہ السلام کو بھی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا ساتھی نہیں ملا۔ اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے تو یہ کہا تھا:

كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ۔ (سورۃ الشعراء:۶۲)

''ہرگز نہیں میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے رستہ بنائے گا''

مگر حضور اکرم ﷺ نے یہ اللہ کی معیت (ساتھ ہونا) اپنے اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ثابت کی اور فرمایا:

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (سورۃ التوبہ:۴۰)

''غم نہ کر کہ خدا ہمارے ساتھ ہے''

یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہاڑ پر چلے جانے کے بعد ان کے ساتھی تو مرتد ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے پاس سے لوٹے تو ان کو بچھڑے کی عبادت میں مشغول پایا جبکہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہدایت و توحید اور علم و عمل پر مضبوطی سے قائم رہے اور وہ ذرا بھی نہیں ڈگمگائے سقیفۂ بنی ساعدہ کے دن حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کوئی ہے کہ جس کے بارے میں ایسی تین آیتیں نازل ہوئی ہوں،

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (سورۃ التوبہ:۴۰)

''(اس وقت) دو (ہی شخص تھے جن میں) ایک (ابو بکر تھے اور) دوسرے (خود رسول اللہ) جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے''

وہ دونوں کون تھے؟ (ان دو میں ایک یہی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تو تھے پس یہ) فرمایا (اور)

پھر اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اوران سے بیعت کی اور لوگوں نے بھی اچھی بیعت کی۔

بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "ہم حضور ﷺ کے زمانے میں لوگوں کو ایک دوسرے پر ترجیح دیتے تھے لہٰذا ہم ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترجیح دیتے تھے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو" (بخاری)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم میرے اس ساتھی کو چھوڑ دو گے (کہ جب) سب لوگوں نے (یہ) کہا کہ "تم جھوٹے ہو" اور (ایک) ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اس وقت یہ) کہا کہ "آپ سچے ہیں" (بخاری)

حضرت عمر بن خطابؓ کی سچی باتیں

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے "تم جانتے ہو کہ (دوسروں کے مال کا) لالچ فقر ہے اور (ان کے مال سے) ناامیدی غنا ہے۔ آدمی جب کسی چیز سے ناامید ہو جاتا ہے تو وہ اسی سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اور فرمایا، جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا اور جو معاف نہیں کرتا اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔ جو توبہ نہیں کرتا اسے معاف نہیں کیا جائے گا اور جو (خدا سے) ڈرتا نہیں اس کی حفاظت نہیں کی جاتی۔ تم میں سے وہ شخص کامیاب ہوگیا جو خواہشات، غصہ اور طمع سے بچا رہا اور اس کو صدق و صداقت (اور سچی بات) کی توفیق مل گئی تو صدق اس کو خیر کی طرف کھینچے گا۔ اور دوروغ گو فسق و فجور کا مرتکب ہے اور فسق و فجور میں مبتلا ہونیوالا ہلاک ہوگیا پس تم فسق و فجور سے بچو۔ وہ آدمی کیسے گناہ کرتا ہے جو مٹی سے پیدا کیا گیا اور مٹی میں لوٹ جائے گا آج وہ زندہ ہے اور کل مردہ ہوگا۔ آج کا عمل آج ہی کرو اور مظلوم کی بددعا سے بچتے رہو۔

پھر یہ دعا مانگتے "اے اللہ! ہمیں اپنی رسی سے باندھے رکھ اور اپنے حکم پر ہم کو ثابت قدم رکھ اور اپنے فضل سے ہمیں رزق عطا فرما (تارہ)"

حضرت عثمان بن عفانؓ کی سچی باتیں

جب اہل شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کرلی تو اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت زیادہ غمزدہ تھے آپ منبر رسول پر تشریف لائے اور لوگوں سے خطاب فرمایا۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی پھر حضور اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجا پھر فرمایا ''تم ایک کوچ کے گھر میں ہو اور عمروں کے آخری حصہ میں ہو تو جتنا تم سے ہو سکے موت کی اچھی سے اچھی تیاری جلدی سے کرلو تم صبح کرو یا شام کرو وہ تمہارے پاس آ کر رہے گی۔ غور سے سنو دنیا دھوکہ پر ختم ہو رہی ہے:

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ۔

(سورۃ لقمان:۳۳)

''بس دنیا کی زندگی تم کو دھوکہ میں نہ ڈالے اور نہ فریب دینے والا (شیطان) تمہیں خدا کے بارے میں کسی طرح کا فریب دے''

پہلے والوں سے عبرت حاصل کرو پھر کوشش کرو اور غفلت نہ کرو کیونکہ وہ تم سے غافل نہیں۔ کہاں گئے دنیا کے دلدادہ جنہوں نے اس کو آباد کیا اور بہت عرصہ اس سے نفع اٹھایا۔ کیا اس دنیا نے ان کو پھینک نہیں دیا۔ دنیا کو وہیں پھینک دو جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو پھینکا ہے اور آخرت کی طلب کرو اللہ تعالیٰ نے اس کی بہترین مثال بیان فرمائی ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

''وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ اَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ......... وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا'' (سورۃ الکھف: ۴۵۔۴۶)

''اور ان سے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کردو (وہ ایسی ہے) جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے برسایا تو اس کے ساتھ زمین کی روئید گی مل گئی پھر وہ چورا چورا ہوگئی کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں اور خدا تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق و) زینت ہیں اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں وہ ثواب کے لحاظ سے تمہارے

پروردگار کے ہاں بہت اچھی اور امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں"

اور ایک اور خطبہ میں آپ نے فرمایا "آدم کے بیٹے! تو جان لے کہ تیرے اوپر ملک الموت مقرر کیا گیا ہے وہ تم سے پیچھے نہیں رہے گا۔ جب تک تم دنیا میں ہو وہ تمہارے علاوہ کی طرف قدم اٹھا رہا ہے۔ لہٰذا تم ڈرو اور اس کے لئے تیاری کرو اور غفلت نہ کرو کیونکہ وہ تم سے غافل نہیں۔ اے آدم کے بیٹے! اگر تو اپنے نفس سے غافل ہو گیا اور تم نے تیاری نہ کی تو کوئی اور اس کی تیاری نہیں کرے گا۔ اور اللہ سے بھی ہر حال میں ملنا ہے پس اپنے نفس کا خیال کرو اور اسے غیر کے حوالہ نہ کرو۔ والسلام

اسی طرح ایک دن لوگوں کو آپ نے اپنی قیمتی وصیتوں پر مشتمل خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا۔ "اے لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو کیونکہ اللہ کا تقویٰ اور خوف غنیمت ہے۔ سب سے عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو پہچان لے اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے اور قبر کے اندھیرے کے لئے اللہ سے روشنی حاصل کرے۔ اس بندے کو اللہ سے ڈرنا چاہیے جس کو اللہ تعالیٰ اندھا کر کے اٹھائیں گے حالانکہ وہ دنیا میں بینا تھا۔

عقلمند اور حکیم کے لئے جامع کلمات ہی کافی ہیں اور بہرے کو دور جگہ سے پکارا جائے گا۔ جان لو کہ جس کے ساتھ اللہ ہے اسے کسی چیز کا خوف نہیں اور جس کے خلاف اللہ ہو گیا تو اس کے بعد کسی اور کی امید کہاں؟

"ان بھید کی باتوں میں خدا سے ڈرتے رہو میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا ہے آپؐ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے آدمی جب بھی کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اعلانیہ اپنی چادر اوڑھا دیتے ہیں اگر خیر ہے تو خیر کی اور شر ہے تو شر کی۔ آگے یہ آیت تلاوت فرمائی:

"وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ" (الاعراف:۲۶)

"(تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانکے) اور (تمہارے بدن کو) زینت (دے) اور (جو) پرہیزگاری کا لباس (ہے) وہ سب سے اچھا ہے"

فرمایا ''(تقویٰ کالباس یہ)وقار وتمکنت اور حسن (اور اچھا رستہ) ہے۔ (ابن جریر)

آپؐ نے اپنے آخری خطبہ میں فرمایا اللہ عزوجل تمہیں دنیا اس لئے عطا فرماتے ہیں تا کہ تم اس سے آخرت طلب کرو۔ اس لئے نہیں عطا کرتے کہ تم اس میں دل لگا بیٹھو دنیا کو فنا ہے اور آخرت کو بقا ہے لہٰذا فانی دنیا کہیں تمہیں ناشکرا ہی نہ بنا دے اور آخرت سے غافل نہ کر دے۔ اس لئے باقی رہنے والی کو فنا ہو جانے والی پر ترجیح دو۔ دنیا ہر حال میں چھوٹ ہی جائے گی پھر اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ اس کا ڈر اس کے عذاب سے ڈھال ہے اور اس کے پاس ہونے کا ذریعہ ہے اور غیروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈراؤ۔ اور اپنی جماعت کو لازم پکڑے رہو اور گروہوں میں تقسیم نہ ہو جاؤ۔

''وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔ (سورۃ آل عمران: ۱۰۳)

''اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے''

حضرت علی بن ابی طالبؓ کی سچی باتیں

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ خطبہ دیا، اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور حضور ﷺ پر درود وسلام کے بعد فرمایا: اللہ کے بندو! دنیا کی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ یہ آزمائشوں سے گھرا ہوا گھر ہے اور اس کا فنا ہو جانا معروف ہے اور یہ دھوکہ کا گھر ہے۔ اس کی ہر چیز کو زوال ہے یہ دنیا والوں میں سے کبھی ایک کے پاس جاتی ہے کبھی دوسرا اس کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے اس کا مہمان اس کے شر سے کبھی سلامت نہیں رہ سکتا۔ جب دنیا والے آسودگی اور خوشحالی میں ہوتے ہیں تو یہ اس وقت اس سے آزمائش اور دھوکہ میں ہوتے ہیں زندگی اس میں مذموم ہے اور اس کی خوشحالی کو ہمیشگی

نہیں اللہ کے بندو! تم اس دنیا کے اس راستے پر ہو جس پر اس سے پہلے تم سے لمبی عمروں والے اور تم سے سخت پکڑ والے اور تم سے زیادہ بستیوں کو آباد کرنے والے اور تم سے زیادہ گہرے نشان والے تھے جن کی آوازیں بہت زیادہ ٹھہرنے کے باوجود دھیمی اور مدھم ہو چکی ہیں اور ان کے جسم بوسیدہ ہو چکے ہیں اور ان کے گھر اور بستیاں خالی ہو چکی ہیں اور ان کے نشانات مٹ چکے ہیں۔ ان کے مضبوط محلات اور ان کے تخت اور نرم و ملائم تکیے لحد والی لپی ہوئی قبروں میں سہارا دینوالے پتھروں اور چٹانوں سے بدل گئے ہیں اس کا صحن ویرانے پر بنا ہوا ہے اس کی عمارت مٹی سے پختہ کی گئی ہے اس کی جگہ ایک دوسرے کے نزدیک ہے اور اس میں رہنے والا بے وطن ہے اور آبادی والوں میں غیر آباد ہیں اور اہل محلہ اس میں اپنے آپ کو مصروف ظاہر کرتے ہیں۔ آبادیوں میں مانوس نہیں ہوتے اور پڑوسیوں کی طرح باہم نہیں ملتے۔ مصیبتوں نے ان پر حملہ کر دیا، عظیم چٹانوں اور زمین کی مٹی نے ان کو نگل لیا وہ زندہ کے بعد مردہ بن گئے اور سرسبز و خوشگوار اور لذیذ و مسرت بھری زندگی کے بعد (بھس کی طرح) چورہ چورہ ہو گئے ان کی وجہ سے دوست و احباب غمگین ہوئے۔ وہ مٹی میں رہائش پذیر ہو گئے اور کوچ کر گئے اب وہ کبھی نہیں لوٹیں گے۔ ان کے لئے دوری ہے ان کے لیے دوری ہے ہرگز نہیں۔ یہ فقط ان (کے منہ) کی باتیں ہیں۔ ان کے پیچھے برزخ ہے۔ ایک دن ان کو قبروں سے اٹھایا جائے گا گویا کہ تم اکیلے اور بوسیدگی کی حالت میں قبرستان میں پہنچو گے جہاں وہ (تم سے پہلے لوگ) پہنچے۔ اس خوابگاہ میں تم بطور رہن رکھے جاؤ گے اور تمہیں اس حفاظت گاہ میں رکھا جائے گا اور سینوں کے اندر جو کچھ ہے اس کو جانچا جائے گا اور نتیجے کے لئے تم کو مالک جلیل کے سامنے کھڑا کیا جائے گا تو گذشتہ کیے ہوئے گناہوں کے خوف سے دل اڑے ہوئے ہونگے۔ تم سے سارے حجاب اور پردے اٹھ جائیں گے اور تمہارے عیوب اور راز ظاہر ہو جائیں گے۔ وہاں ہر جی کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔ برے اعمال والوں کو برا اور اچھے اعمال والوں کو اچھا بدلہ دیا جائے گا۔

"وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ .... وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا۔
(سورۃ الکھف:۴۹)

''اور (عملوں کی) کتاب (کھول کر) رکھی جائے گی تو تم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں (لکھا) ہوگا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہائے شامت یہ کیسی کتاب ہے کہ جو نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے اور نہ بڑی بات کو (کوئی بات بھی نہیں) مگر اس کو لکھ رہا ہے اور جو عمل کیے ہوں گے سب کو حاضر پائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا''

خوارج کے قتال سے فارغ ہو کر آپؓ نے لوگوں میں یہ خطبہ بیان فرمایا: ''اے لوگو! اس شخص کی طرح نہ ہو جانا جو بغیر عمل کے آخرت کا امیدوار ہے اور لمبی آرزوؤں اور امیدوں کی وجہ سے توبہ کو موخر کر رہا ہے۔ دنیا میں عابدوں اور زاہدوں کی طرح باتیں کرتا ہے اور عمل دنیا کی رغبت کرنے والوں کی طرح کرتا ہے۔ اگر اسے کچھ دنیا دے دی جائے تو اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور اگر اس سے روک لی جائے تو قناعت نہیں کرتا اور جو کچھ اسے دیا گیا ہے اس کے شکر سے عاجز ہے اور جو باقی ہے اس کا مشتاق اور چاہنے والا ہے حکم دیتا ہے خود نہیں بجالاتا اور روکتا ہے لیکن خود نہیں رکتا۔ صالحین سے محبت کرتا ہے لیکن ان کے اعمال اختیار نہیں کرتا، ظالموں سے بغض رکھتا ہے اور خود انہیں میں سے ہے۔ ظنی چیزوں میں اس کا نفس اس پر غالب آجاتا ہے اور یقینی چیزوں میں غالب نہیں آتا۔ اگر استغناء برتے تو آزمائش میں پڑ جاتا ہے اور اگر بیمار ہو تو غمگین ہو جاتا ہے۔ اگر مفلس ہو تو مایوس اور کمزور ہو جاتا ہے۔ وہ گناہ اور نعمت کے درمیان خوشحال زندگی بسر کرتا ہے۔ عافیت میں شکر نہیں کرتا اور آزمائش میں صبر نہیں کرتا۔ گویا کہ موت سے اس کے علاوہ کسی اور کو ڈرایا جا رہا ہے گویا وہ اس کے علاوہ کسی اور سے وعدہ ہو رہا ہے اور کسی اور کو ڈانٹا جا رہا ہے۔

اے موت کے مقصود! اے موت کے یرغمال! اے زمانے کے پھل! اے شب و روز کی روشنی! اور اے بوقت دلائل گونگے! اور اے سخت فتنوں میں مبتلا! اور اے وہ جس کے اور عبرتوں کے درمیان آڑ ڈال دی گئی! میں حق کے ساتھ یہ بات کہوں گا کہ جس نے بھی نجات پائی اس نے اپنے نفس کو پہچاننے سے ہی نجات پائی اور جو بھی ہلاک ہوا وہ خود اپنے

ہی ہاتھوں ہلاک ہو اور رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا''

(التحریم: ٦٠)

''مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ''

رب تعالیٰ نے ہمیں اور تمہیں ایسا بنایا ہے جو وعظ سنے اور قبول کرے اور عمل کی طرف بلایا جائے تو اس پر عمل کرے۔

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی عبرت آموز سچی باتوں کے بعد مناسب ہے کہ ہمارے اسلاف واکابر کی سچی باتوں کا ایک نمونہ بھی سامنے آجائے جو ہمیں اس دنیا کی حقیقت اور آخرت کے ''سچ'' ہونے اور موت کے ''برحق'' ہونے کا یقین دلا دے، اور ہمارے نفس جس سچائی کو ماننے کو تیار نہیں اس ''سچائی'' کی ''سچائی'' ہمارے سامنے آجائے اور ہم صدق دل کے ساتھ اس ''سچ'' کو ایک حقیقت تسلیم کر کے اس کے مقتضیٰ پر عمل پیرا ہونا شروع کردیں۔

انسان اور دنیا کی ''سچی'' حقیقت

☆ ربیع بن برہؒ فرماتے ہیں ''اے ابن آدم! تو بدبودار جثہ ہے اور جب تک تجھ میں زندگی کی روح ہے تو تیری خوشبو عمدہ ہے۔ اگر تم سے روح جدا کردی جائے تو یہ گرا ہوا جثہ اور بدبودار مردار اور خالی جسم ہے جو عمدہ خوشبو کے بعد بدبودار مردار بن گیا ہے اور انسان اس کے قریب جانے سے وحشت محسوس کرتے ہیں۔ کونسی مخلوق تم سے عجیب ہے؟ جب تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا انجام یہی ہے اور مٹی تمہاری خواب گاہ ہے پھر بھی اس کے بعد تم اپنی لمبی جہالت کی وجہ سے اپنی آنکھوں کو دنیا سے ٹھنڈا کرتے ہو۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا:

فَجَعَلْنٰھُمْ اَحَادِیْثَ وَمَزَّقْنٰھُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ

لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ۔ (سورة سبا:۱۹)

''تو ہم نے (انہیں نابود کر کے) ان کے افسانے بنا دیئے اور انہیں

بالکل منتشر کر دیا اس میں ہر صابر و شاکر کے لئے نشانیاں ہیں''

اللہ کی قسم! صبر و شکر کا اللہ کے نزدیک بہت عظیم ثواب ہی تم کو صبر و شکر پر اکسانے والا ہے۔ قیامت کے دن تم سے بڑا غافل اور تم سے زیادہ حسرت والا کون ہوگا جب تم نے اس چیز سے اعراض کیا جس کی ترغیب تمہیں تمہارے مولا نے تمہیں دی ہے اور تم دن رات اس کا یہ فرمان پڑھتے ہو:

نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ (سورة الانفال:۴۰)

''(خدا) خوب حمایتی اور خوب مددگار ہے''

مجھے مخلوقات پر تعجب ہے کہ کیسے حق بات سے غافل ہیں جس کو ان کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں اور ان کے دل ایمان اور تصدیق کی حالت میں جو رسول لیکر آئے ہیں اس کی گواہی دے رہے ہیں۔ پھر ان کو دیکھو کہ اس سے کس قدر غفلت اور نشہ میں بہک رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! یہ غفلت ان پر اللہ کی رحمت اور نعمت ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ایمان والوں کی عقلیں بہک جاتیں ان کے دل اتر جاتے اور اکھڑ جاتے اور موت کے ذکر کے ساتھ کبھی بھی زندگی سے نفع نہ اٹھاتے۔

ایک مرتبہ ربیع بن برہؒ لوگوں کے پاس سے گزرے وہ ایک میت کی قبر پر مٹی ڈال رہے تھے۔ تو عالم وجد میں میت کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ تمہارے درمیان کون اجنبی ہے؟ لوگوں نے کہا ''وہ اجنبی نہیں بلکہ قریبی اور دوست ہے'' تو وہ رو پڑے اور فرمایا: زندوں میں مردں سے زیادہ اجنبی کون ہوسکتا ہے'' پھر فرمایا ''تو نے دل والا ہو کر اس بات کو اپنے لئے پسند کرلیا کہ تو چوپائے کی طرح زندگی گذارے کہ تو دن میں حیراں و سرگرداں اور رات کو غفلت کی نیند میں غرق ہے حالانکہ تیرے سامنے ایک بہت بڑا معاملہ آنیوالا ہے۔

وہ فرماتے ہیں ''متقیوں نے رب کی وعید کو نصب العین بنایا اور ان کے دلوں نے اس کی تصدیق و تحقیق کی''

اللہ کی قسم وہ دنیا کی زندگی سے کبیدہ خاطر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اعمال صالحہ کے ثواب سے واقف ہوتے ہیں۔ جب ان کے قلوب کی نگاہ اعمال کے ثواب پر پڑتی ہے تو دل ان کو اختیار کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں اور ان کے کرنے سے سکون پاتے ہیں۔ اللہ کی قسم! وہ خوفناک وعید اور سچے حق وعدے کو بنظر اشتیاق دیکھتے ہیں۔ جنت کا شوق ہی ان کو وعید کے خوف سے دستبردار کرتا ہے پس وہ اسی طرح اس حالت میں رہتے ہیں کہ ان کے لئے موت میں راحت رکھ دی جاتی ہے۔ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کے پیٹوں کو حرام کے عیوب ونقائص سے بھوکا رکھا جاتا ہے اور گناہ کے مناظر سے ان کی آنکھوں کو نیچے رکھا جاتا ہے۔ جب ان پر ترچھی نگاہ ڈالی جائے تو آنکھوں کو ان سے غافل رکھا جاتا ہے تاکہ دنیا میں ان کے دلوں کو منور کیا جائے۔ وہ دنیا میں رنجیدہ خاطر ہوتے ہیں اور آخرت سے مطلع اور باخبر ہوتے ہیں۔ اور ان کے دلوں کی نگاہیں غیب سے اللہ تعالیٰ کی سلطنت تک پہنچتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس ثواب عظیم کو دیکھتے ہیں جن کی انہیں امید ہوتی ہے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی محنت وکوشش کو اور زیادہ کر دیتے ہیں جب ان کی آنکھیں اس چیز کا مشاہدہ کرتی ہیں جن سے ان کی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو دنیا میں راحت نہیں اور ان کی آنکھیں کل ملک الموت کے آنے سے ہی ٹھنڈی ہونگی۔ امیدوں کی غفلت نے ہمیں جلدی آجانے والی موت سے کاٹ دیا۔ ہم دنیا میں حیرت زدہ ہیں اور غفلت ہم پر مستقل سوار رہتی ہے۔

میرے بھائیو! میں تمہیں اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تم اللہ پر ایمان رکھنے والے کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جو بہت جہالت والا ہو اور خدا کے بدلے اور سزا سے اس قوم سے بھی کم ڈرنے والا ہو جن میں بہت سے عبرتناک واقعات اور مثالیں گزر چکیں ہیں۔ پھر انہوں نے اس سے رجوع کر لیا۔ کیا تم نے ایسے عقلمند آدمی کو دیکھا ہے جو اپنے لئے ان لوگوں جیسے حال سے راضی ہو۔ اللہ کی قسم! تم لوگ اللہ کی طرف سے آزمائش یا مسلسل نعمتوں سے یا تو اللہ کی فرمانبرداری اور اس کی رضا تک پہنچو گے یا ان کا انکار کرو گے۔ اگر تم اچھائی کرو گے تو تمہارے ساتھ بھی اچھائی ہوگی اور اگر تم برائی کرو گے تو اس کا عتاب تمہارے نفس پر ہی ہوگا۔

اس لیے لوٹ آؤ کیونکہ بیان ہو چکا اور ڈرایا جا چکا اور عذر پیش کیا جا چکا اب رسولوں کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی حجت نہیں۔ اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

☆ نہایت خدا رسیدہ بزرگ مطرف بن عبداللہ فرمایا کرتے تھے ''اے بھائیو! عمل کی کوشش کرتے رہو اگر معاملہ ویسے ہی ہوا جیسا کہ ہمیں اللہ کی رحمت اور معافی سے امید ہے تو ہمارے لیے جنت میں درجات ہونگے اور اگر معاملہ سخت ہوا کہ جس سے ہم ڈرتے ہیں تو ہم یہ نہیں کہیں گے کہ:

''رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ''

(فاطر: ۳۷)

''اے ہمارے پروردگار ہم کو نکال لے (اب) ہم نیک عمل کیا کریں گے نہ وہ جو (پہلے) کرتے تھے''

بلکہ ہم کہیں گے کہ ہم نے عمل کئے لیکن انہوں نے ہمیں نفع نہ دیا۔

مطرف فرماتے ہیں ''وہ غفلت جو رب تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے صدیقین کے دل میں ڈالی ہے میں نے دیکھا کہ وہ ان کے لئے رحمت ہے اور اگر وہ ان کے دل میں اپنی معرفت کے بقدر خوف ڈال دیتا تو ان کی زندگی خوشگوار نہ ہوتی سب سے بری چیز جس سے دنیا طلب کی جائے وہ آخرت کا عمل ہے۔

مطرفؒ کا ایک عبرت آموز واقعہ ہے کہ ان کے اور ان کی قوم کے ایک آدمی کے درمیان کوئی معاملہ تھا تو اس نے مطرفؒ پر جھوٹ بولا۔ مطرفؒ نے اس سے کہا، ''اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تمہیں جلد موت دے گا'' یہ کہنا ہی تھا کہ وہ آدمی اسی جگہ پر مر گیا۔ اس کے اہل خانہ نے مطرف کے خلاف زیاد سے مدد مانگی۔ زیاد نے ان سے کہا'' کیا مطرف نے اس کو مارا ہے کیا اس کو ہاتھ لگایا ہے'' انہوں نے کہا ''نہیں'' فرمایا ''ایک نیک آدمی کی دعا تقدیر کے موافق ہوگئی۔ چنانچہ زیاد نے ان کے دعوے پر جناب مطرف کو کچھ بھی نہ کہا۔

وہ فرماتے ہیں گویا کہ دل ہمارے نہیں اور گویا کہ کسی اور سے کہا جا رہا ہے۔ سب سے زیادہ احادیث جو وارد ہوئی ہیں اور جس بات کی طرف بلایا گیا ہے وہ صدق پر قائم رہنا اور

کذب سے دور ہونا ہے۔ لہٰذا اپنے آپ اور اپنے ارد گرد والوں سے کہو آؤ کچھ دیر ایمان لائیں کیونکہ دل ہنڈیا سے زیادہ جلدی سے الٹنے پلٹنے والا ہے جب اس میں جوش آ جائے۔ ہوسکتا ہے کہ ہمارا خاتمہ ایمان وصدق پر ہو اور ہم صادقین میں سے لکھے جائیں طاعت اپنی ہم جنس اور شبیہ پر دلالت کرتی ہے اور معصیت بھی اسی طرح ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی.......... فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی"

(سورۃ اللیل: ۵۔۱۰)

"تو جس نے (خدا کے رستے میں مال) دیا اور پرہیز گاری کی اور نیک بات کو سچ جانا اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا اور نیک بات کو جھوٹ سمجھتا رہا اسے سختی میں پہنچائیں گے"

ایمان لغت میں تصدیق کو کہتے ہیں اور شریعت میں دل سے اقرار کرنا اور زبان سے بولنا اور اعضاء سے عمل کرنا ایمان کہلاتا ہے۔ یہ سب چیزیں سچ کو چاہتی ہیں جو کذب کے منافی ہے تاکہ انسان دنیا و آخرت میں اپنے ایمان سے لطف اندوز ہو۔ ذیل میں صدق ایمان کی قدرے تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

"صدق ایمان" رب تعالیٰ کے اسم "صادق" کا اذعان ویقین "سچا" بناتا ہے

رب تعالیٰ کی صفت "صدق کا بیان:

رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام صادق بھی ہے جو اسماء حسنیٰ کے ضمن میں وارد ہوا ہے ابن ابی الدنیا اور طبرانی دونوں نے اس کو "الدعا" میں نقل کیا ہے اور ابو شیخ حاکم ابن مردویہ اور ابو نعیم بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کو روایت کیا ہے ابو نعیم نے محمد بن جعفرؒ سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر بن محمد الصادق سے اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کے بارے میں دریافت کیا جن کا احاطہ کرنے والا جنت میں داخل ہوگا

توانہوں نے جواب دیا کہ ''وہ قرآن میں ہیں'' آگے فرمایا کہ سورۃ آل عمران میں یہ نام ہیں۔ یا وھاب یا قائم یا صادق، یا باعث، یا منعم، یا متفضل۔ اگرچہ اس مقام پر ہمارا مقصود صرف خدا تعالیٰ کے ''اسم صادق'' کی تفصیل بیان کرنا ہے لیکن مناسب ہے کہ اسمائے حسنیٰ کی بھی قدرے تفصیل بیان کردی جائے۔

مختلف احادیث سے اعداد و شمار کے بعد پتا چلتا ہے کہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی تعداد ننانوے ہے اور کسی صحیح حدیث میں بھی یہ سارے اسماء اکٹھے نہیں آتے بلکہ متعدد احادیث میں متفرق طور پر آتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں ان کا ذکر ہے۔ کسی آیت میں ایک یا دو ناموں کا یا اس سے زیادہ کا تذکرہ ہوتا ہے اور کوئی آیت ایک یا زیادہ پر ختم ہوتی ہے کبھی آیتوں میں ترتیب وار اللہ کے ناموں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

علماء کرام نے اسمائے حسنیٰ کے دو مجموعے مرتب کئے ہیں جن میں قدرے اختلاف ہے۔ علامہ ابن حجرؒ نے بھی انہیں مرتب کیا ہے مگر اس میں اسم ''صادق'' شمار نہیں کیا البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت صدق کا بیان کئی جگہوں میں کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا'' (سورۃ النساء:۸۷)

''اور خدا سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے''

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ۔ (آل عمران:۹۵)

''کہہ دو کہ خدا نے سچ فرمایا''

اللہ تعالیٰ کے اسماء انہیں ننانوے اسماء میں منحصر نہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں مذکور ہیں اور علماء کرام نے قرآن کریم اور احادیث میں تلاش اور تتبع کے بعد اسمائے گرامی کی جو فہرست مرتب کی ہے اسمائے حسنیٰ کچھ اس میں ہی منحصر نہیں ہیں۔ امام احمدؒ اور دیگر علماء کا یہی مذہب ہے۔

بہر حال ہم ان اسماء پر ایمان لاتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں اور وہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ جس طرح اللہ سبحانہ کی ذات مخلوقات کی ذاتوں کے مشابہ نہیں اسی طرح اس کی صفات بھی مخلوقات کی صفات کے مشابہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کا احصاء کرلیا وہ جنت میں داخل ہوگا''

اس حدیث میں من احصاھا کے الفاظ ہیں جس کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے امام بخاری وغیرہ محققین نے اس حدیث کا یہ معنیٰ بیان کیا ہے یعنی جس نے ان کو یاد کرلیا اور محفوظ کرلیا۔

مناسب ہے کہ اس مقام پر اس حدیث کی تفسیر میں علماء کے چند اقوال بیان کر دیئے جائیں۔ خطاب کہتے ہیں، اس میں کئی صورتوں کا احتمال ہے۔ پہلا یہ کہ ان کو شمار کرے یہاں تک کہ سب کو پورا کرے۔ یعنی چند نام نہ لے بلکہ اللہ تعالیٰ کو ان سب ناموں کے ساتھ پکارے اور سب کے ساتھ اس کی حمد وثناء بیان کرے۔ اس سے وہ اس ثواب کا مستحق ہوگا جس کا اس سے رب تعالیٰ کی طرف سے وعدہ کیا گیا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ''احصاء'' سے مراد طاقت رکھنا اور قدرت ہونا ہے۔ یعنی جو ان اسماء کے حق کو قائم کرنے اور ان کے مقتضیٰ پر عمل کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ یعنی ان کے معانی کا خیال کر کے اس کے مقتضیٰ کو اپنے اوپر لازم کرلے۔ مثلاً جب الرزاق کہے تو اسے اس بات کا یقین ہو کہ رزق خدا ہی دیتا ہے اسی طرح باقی اسماء میں معانی کا لحاظ کر کے انہیں دہرائے۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ اس سے مراد ان کے تمام معانی کا احاطہ کرنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ احصاء سے مراد ان پر عمل کرنا ہے۔ لہٰذا جب کوئی مثلاً ''الحکیم'' کہے تو وہ اس بات کو تسلیم کرے اور اس کی اطاعت کرے کہ رب تعالیٰ کے تمام اوامر اور نواہی اس کی تقدیر میں عین حکمت ہیں۔ اور جب اس نے القدوس کہا تو اس کا مقدس اور تمام نقائص سے منزہ ہونا اس کو مستحضر ہو۔ ابوالوفاء بن عقیل نے اسی مطلب کو پسند کیا ہے۔

''معارج القبول'' میں شیخ حافظ حکمی فرماتے ہیں کہ ''بظاہر ان اسماء کے حفظ اور ان کے احصاء کا معنی ان کی معرفت اور ان کی عبودیت کو قائم کرنا ہے جس طرح قرآن کے الفاظ کو حفظ کرنا اس آدمی کو نفع نہیں دیتا جو ان پر عمل نہ کرے بلکہ بے دین ملحدین کے بارے میں آیا ہے کہ ''وہ قرآن پڑھتے ہیں جو ان کے گلوں سے تجاوز نہیں کرتا''۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ بندہ جب دعا کرے تو جو اسماء اور صفات اس کی حاجت کے متعلق ہیں انہیں کے ذریعے

سے مانگے۔ جیسے اے رحیم مجھ پر رحم فرما اے غفور میری مغفرت فرما۔ بعینہ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے قول وفعل میں صدق کا سوال کرے جس طرح کہ حقیقی محبت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور آدمی کے لئے ضروری ہے کہ سچوں کے اخلاق اپنائے اور صفت صدق کے ساتھ موصوف ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی اس صفت کے ساتھ موصوف ہے۔

اخلاص میں سچ

اخلاص یہ ہے کہ آدمی سرے سے اپنے اخلاص کو دیکھے ہی نہیں اور جو اپنے اخلاص میں اخلاص کو محسوس کرے اور اس کو خوب اور اچھا جانے تو اس کو اپنے اخلاص میں اخلاص کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

اخلاص یہ طاعات میں تقرب الی اللہ کے ارادہ کو تمام آمیزشوں اور شبہوں سے خالی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ۔

(سورۃ البینۃ: ۵)

''اوران کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ خدا کی عبادت کریں (اور) یک سو ہوکر''

اور ارشاد ہے:

''فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا۔ (سورۃ الکہف: ۱۱۰)

''تو جو اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے چاہیے کہ عمل نیک کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے''

فضیلؒ کہتے تھے کہ لوگوں کی وجہ سے عمل کو ترک کرنا ریاء ہے اور لوگوں کی وجہ سے عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تجھے ان دونوں باتوں سے عافیت نصیب فرمائے۔ مخلص وہ ہے جو خالق ہی کی طرف ہمیشہ نظر رہنے کی وجہ سے مخلوق کو بھول جائے اور وہ اپنے

تمام اعمال وافعال میں اور اپنی تمام ظاہری اور باطنی حرکات میں اللہ ہی کو چاہتا ہو۔ تعریف کرنے والا اور مذمت کرنے والا اس کے نزدیک برابر ہو لیکن جب کوئی اس کی تعریف کرے تو وہ اپنی ستر پوشی پر اللہ کی حمد وثناء کرے کیونکہ اللہ نے اس کو خیر کی توفیق دی ہے جسے بندے دیکھتے ہیں لیکن وہ خدا سے ڈرتا بھی ہے۔ اور جس نے برا عمل کیا اور اس کا باطن برا ہو اور اس کی برائی لوگوں سے پوشیدہ ہے اور اللہ سے مخفی نہیں۔ تو وہ اس بات سے ڈرے اور اس بات سے خوف کھائے کہ اس کا باطن اس کے ظاہر سے زیادہ برا ہو اس لئے کہ باطن اگر ظاہر سے زیادہ برا ہو تو یہ ظلم ہے اور اگر دونوں برابر ہوں تو عدل ہے اور اگر باطن ظاہر پر فضیلت رکھتا ہو تو یہ فضل ہے۔

رہی وہ طاعات جن میں شریعت کا مطالبہ ظہور کا ہے جیسے حج، عمرہ باجماعت نمازیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اذان وغیرہ تو ان عبادات کے اندر ظہور شرعاً مطلوب ہے۔ ساتھ ہی ان طاعات کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرنے کے لئے نفس کا مجاہدہ بھی کرے۔ ان شعائر کے علاوہ صدقات، نیکی اور خیر کے اعمال میں اگر ان کا اظہار راہنمائی اور ان پر لوگوں کو ابھارنے کے ارادے سے ہو تو یہ بھی مشروع ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ''جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اسے اس کا اجر ملے گا اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملے گا اور جس نے کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اس کا گناہ ہوگا اور قیامت تک جو اس کو کرے گا اس کا گناہ بھی اسے ہوگا۔ (مسلم)

اس کے بعد بندے کو چاہیے کہ حتی الوسع اپنے عمل کو چھپائے کہ اللہ کے سوا کسی کو اس کی خبر نہ ہو یہ اللہ کو زیادہ راضی کرنے والا ثواب کو زیادہ بڑھانے والا سلامتی کے زیادہ قریب دشمن کے مکر کو زیادہ کمزور کرنے والا اور مصیبتوں سے دور رکھنے والا ہے۔ ان سات آدمیوں میں سے جن کو اللہ اس دن اپنا سایہ نصیب فرمائیں گے جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا ایک وہ آدمی ہے جس نے صدقہ کیا اور اس کو مخفی رکھا یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ بندے کو چاہیے کہ اللہ ہی سے امیدیں رکھے اور اسی سے ڈرے اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والی کی ملامت کی اسے پرواہ نہ ہو۔

جب یہ حقیقت ہے کہ تمام بندے اپنی ذاتوں کے اعتبار سے نہ تو کسی نفع کے مالک ہیں اور نہ ہی کسی نقصان کے، نہ موت کے اور نہ ہی زندگی کے اور نہ موت کے بعد اٹھائے جانے کے تو ان چیزوں کے کسی اور کے لئے کیسے مالک ہونگے؟ پھر جنت اور دوزخ اللہ کی قبضہ قدرت میں ہے مخلوق میں سے کسی کے ہاتھ میں نہیں تو لوگ بھلا کیسے اللہ کی ناراضگی کے بدلے لوگوں کی رضا مول لیتے ہیں؟

حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ''ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اس آدمی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس نے جہاد کیا اور وہ (اس جہاد سے) اجر اور شہرت چاہتا ہے۔ تو اسے کیا ملے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس کو کچھ نہیں ملے گا'' اس نے تین مرتبہ اس بات کو دھرایا اور رسول اللہ ﷺ ہر بار جواب میں یہی فرماتے رہے کہ ''اس کے لئے کچھ نہیں'' پھر فرمایا، اللہ صرف وہی عمل قبول فرماتے ہیں جو خالص اس کے لئے ہو اور اس سے اس کی رضا طلب کی جائے۔

ہمیں اس بات سے بچنا چاہیے کہ کہیں ہمارا کہ شمار ان لوگوں میں نہ ہو جو اللہ کے اس قول سے مراد ہیں:

''وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ..........سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوْا''

(سورۃ الزمر: ۴۷۔۴۸)

''اور ان پر خدا کی طرف سے وہ امر ظاہر ہو جائے گا جس کا ان کو خیال بھی نہ تھا اور ان کے اعمال کی برائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی''

اور فرمایا:

''قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ..........اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا''

(سورۃ الکھف: ۱۰۳۔۱۰۴)

ترجمہ ''کہہ دو کہ ہم تمہیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں''

اور فرمایا:

''وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا''
(سورۃ الفرقان:۲۳)

''اور جوانہوں نے عمل کئے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اڑتی خاک کر دیں گے''

ہمیں ہر قول و فعل میں سنت کے موافق نیت کے استحضار پر توجہ دینی چاہیے کیونکہ صحیح اعمال صرف خالص اور سچی نیت ہی سے مقبول ہوتے ہی۔ اسی لئے کسی خدا رسیدہ نے کہا ہے کہ نیت کو سیکھو کیونکہ یہ عمل سے بڑھ کر ہے۔ اور کسی اللہ والے کا یہ بھی قول ہے کہ بعض دفعہ نیت ایک چھوٹے عمل کو بہت بڑا اور بڑے عمل کو چھوٹا بنا دیتی ہے۔

رب کے ساتھ معاملہ میں ''سچائی'' صدقِ اخلاص کا مقتضیٰ ہے

بدلہ اور جزاء عمل کی جنس میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس بندوں کا جو چھوٹے سے چھوٹا عمل ہے اللہ اس کو بھی ضائع نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں کرتا اور عاقبت متقیوں کے لئے ہی بنائی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ...... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا''
(سورۃ الاحزاب:۲۳:۲۴)

''مومنوں میں سے کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انہوں نے اللہ سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا نہیں بدلا۔ تاکہ خدا سچوں کو ان کی سچائی اور بدلہ دے اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے اور (چاہے تو) ان پر مہربانی کرے بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے''

جب احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ''بڑھو ہمارے ساتھ اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو تیار کی گئی ہے متقیوں کے لئے۔ تو یہ سن کر

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ جو لنگڑے تھے کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ کی قسم! میں اس پر جنت میں ضرور جاؤں گا" چنانچہ انہوں نے قتال کیا اور شہید ہو گئے۔

اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے کیونکہ وہ لنگڑے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا۔ تو ان کے بیٹوں نے ان کو اس بار بھی منع کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معذور بنایا ہے اس لئے آپ کے نہ جانے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "میرے بیٹے مجھے آپ کے ساتھ نکلنے سے روکنا چاہتے ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں اپنے اس لنگڑے پاؤں سے جنت میں چلوں گا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تمہیں اللہ تعالیٰ نے معذور بنایا ہے اور تمہارے ذمہ جہاد بھی نہیں"۔ پھر ان کے بیٹوں سے فرمایا "تم ان کو مت روکو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو شہادت نصیب فرما دیں لہٰذا اس کو جانے دو" ان کی بیوی ھند بنت عمرو بن حرام نے انہیں طعنہ دیتے ہوئے کہا گویا کہ میں تو دیکھ رہی ہوں کہ وہ پیٹھ پھیر کر آ گیا حضرت عمرو بن جموع رضی اللہ عنہ نے اپنی ڈھال پکڑی اور یہ دعا مانگی "اے اللہ! مجھے اپنوں (یعنی بنی سلمہ کے محلے میں) واپس نہ لوٹانا"

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب شروع جنگ میں مسلمان تتر بتر ہو گئے اور پھر دوبارہ یکجا ہوئے تو میں نے عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ صف اول میں لنگڑا کر چلتے جاتے ہیں اور کفار کی طرف جاتے ہوئے یہ کہتے جا رہے ہیں کہ "خدا کی قسم! میں جنت کا مشتاق ہوں" پھر میں نے دیکھا کہ ان کا ایک بیٹا خلاد بھی دوڑا ہوا ان کے پیچھے جاتا تھا۔ دونوں لڑتے رہے حتیٰ کہ دونوں شہید ہو گئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ بدر میں شریک نہیں تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ "میں (بدر کی) پہلی لڑائی میں موجود نہ تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑی تھی اگر اللہ نے مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موقعہ نصیب فرمایا تو میں اللہ کو ضرور دکھا دوں گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ چنانچہ جب مسلمانوں کو احد میں شکست کا سامنا کرنا پڑا تو وہ

وہیں تھے اور کہہ رہے تھے "اے اللہ! جوان مسلمانوں نے کیا میں آپ سے اس کی معذرت چاہتا ہوں۔ اور میں آپ سے براءت چاہتا ہوں اس بات سے جو مشرکین نے کیا۔ پھر تلوار لیکر آگے بڑھے، راستے میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہیں کہنے لگے کہ اے سعد! کدھر جارہے ہو؟ مجھے تو احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ چنانچہ یہ کہہ کر آگے بڑھے اور شہید ہو گئے۔ بے حد زخموں کی وجہ سے آپؓ پہچانے نہیں جاتے تھے حتی کہ آپکی بہنوں نے ناک کے بانسے یا انگلیوں کے پوروں سے آپکو پہچانا۔ اور ان کے جسم پر تیر اور تلوار اور نیزے کے اسی سے زیادہ زخم تھے۔ (بخاری)

یہ بھی خدا کے ان بندوں میں سے تھے جنہوں نے جو عہد کیا اس کو سچ کر دکھایا خواہ جان دے کر اس کو سچا کیا مگر سچا ضرور کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپؐ اور آپ کے صحابہ چلے یہاں تک کہ بدر میں مشرکین سے سابقہ پڑ گیا۔ مشرکین قریب ہوئے تو آپؐ نے فرمایا "بڑھو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے کہا "واہ واہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ان سے دریافت فرمایا کہ تمہیں واہ واہ کہنے پر کس نے ابھارا۔ عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! صرف اس امید نے کہ میں بھی اس کا اہل ہو جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم اس کے اہل ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی چمڑے کی تھیلی سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان میں سے کچھ کھانے لگے تھے۔ پھر خود سے ہم کلام ہو کر کہنے لگے کہ اگر میں یہ کھجوریں کھانے تک زندہ رہا تو یہ بڑی لمبی زندگی ہوگی۔ چنانچہ جتنی کھجوریں پاس تھیں سب پھینک دیں اور لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے رضی اللہ عنہ۔

(مسند احمد، مسلم)

ان سچ پر جمنے والے سعادتمندوں میں سے ایک حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں ان کے والد خیثمہ نے ان سے کہا کہ ہم میں سے کسی ایک کا گھر میں ٹھہرنا ضروری ہے۔ مجھے نکلنے دو اور تم اپنی عورتوں کے پاس ٹھہرو۔ یہ اسوقت کی بات ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو غزوہ بدر کی دعوت دی تھی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے والد کی بات نہ مانی اور کہا کہ اگر جنت کے

علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں ضرور آپ کو ترجیح دے دیتا لیکن میں اپنے اس چہرے میں شہادت کی امید کرر ہا ہوں۔ معاملہ دونوں میں قرعہ اندازی تک جا پہنچا تو سعد کا نام نکل آیا اور وہ بدر میں اپنی تمنا کے مطابق شہید ہوئے اور ان کو چہرے پر ضرب لگی تھی۔ رضی اللہ عنہ۔

یہ سچ پر ثابت قدم رہنے والے بے شمار سعادتمندوں اور خوش بختوں میں سے چند ایک کے احوال ہیں ان پاکیزہ روحوں کی پاکیزہ زندگیوں کے سچے احوال میں ہمارے لیے دنیا و آخرت کی سچی کامیابیاں حاصل کرنے کا نمونہ ہے۔ خدا ہم سب کو سچ کی پیروی اور اقتداء کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

مومن سچا ہوتا ہے

ایمان کا لغوی معنیٰ تصدیق ہے اور صدق اس کا ایک شعبہ ہے یہ وہ فضیلت اور اخلاق ہے جو آدمی کو ہر برے اور نامناسب کام سے روکتا ہے۔ کتاب سنت اور عقل و فطرت بندوں میں سچ کو زندہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اسی لئے مسلمان ہمیشہ سچا ہوتا ہے وہ اپنے ظاہری و باطنی اقوال وافعال میں سچ کو لازم پکڑتا ہے اور سچ ہی کو محبوب رکھتا ہے کیونکہ سچ نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کا راستہ دکھلاتی ہے اور جنت ہی مسلمان کا اعلیٰ مقصد اور آخری آرزو ہے۔ اور جھوٹ اس کے برعکس اس کی نقیض ہے۔ مسلماں سچ کا التزام اس لئے کرتا ہے کیوں کہ سچ سے اس کے ایمان اور اسلام کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور کمال ایمان کی حفاظت کا سچ کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ پھر سچ پر جمنے کے پاکیزہ نتائج وثمرات اس پر مستزاد ہیں کہ جس کا پھل سچے لوگ حاصل کرتے ہیں جیسے ضمیر کی راحت اور نفس کا سکون واطمینان وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''سچ میں سکون ہے'' (ترمذی)

سچ کمائی میں برکت اور خیر کی زیادتی لاتا ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدنے والا) کو اختیار ہے جب تک کہ جدا نہ ہوں۔ پس اگر دونوں نے سچ بولا اور صاف بیان کر دیا تو دونوں کی بیع (خرید وفروخت) میں برکت ڈال دی

جائے گی اور اگر دونوں نے چھپایا تو دونوں کی بیع کی برکت اٹھادی جائے گی۔

سچ کی بدولت ہی آدمی شہادت کے درجے پر فائز ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے ''جس نے صدق دل سے اللہ تعالیٰ سے شہادت مانگی تو اللہ تعالیٰ اس کو شہداء کے درجوں پر پہنچائے گا اگر چہ وہ اپنے بستر پر ہی فوت ہو جائے''

یہ سچ ناپسندیدہ چیزوں سے نجات کا سبب ہے۔ کہتے ہیں کہ کہ ایک بھاگے ہوئے غلام نے ایک نیک آدمی کی پناہ لی اور ان سے کہا کہ کوئی اگر میرے بارے میں پوچھے تو بتانا نہیں۔ اس نیک آدمی نے کہا تم یہاں سو جاؤ اور کھجور کے پتوں کی گٹھڑی اس کے اوپر رکھ دی۔ جب اس کو ڈھونڈنے والوں نے آکر پوچھا۔ تو اس صالح آدمی نے ان سے کہا۔ ان کھجور کے پتوں کے نیچے ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید یہ ہمارے ساتھ مذاق کر رہا ہے اور چھوڑ کر چلے گئے۔ یوں وہ بھاگا ہوا غلام اس صالح آدمی کے سچ بولنے کی برکت سے بچ گیا۔

ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن الحمساء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ''نبوت سے پہلے میں نے رسول اللہ ﷺ سے خرید وفروخت کا ایک معاملہ کیا۔ کچھ بقایا جات آپ کو ادا کرنے رہ گئے۔ میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ ابھی اسی جگہ میں وہ رقم لاکر آپ کو دیتا ہوں۔ لیکن میں (یہ وعدہ کر کے) بھول گیا۔ تین دن بعد مجھے یاد آیا چنانچہ میں اسی جگہ پر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ ابھی تک اسی جگہ پر بیٹھے میرے آنے کا انتظار فرما رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ اے بھائی! تو نے تو مجھے مشقت میں ڈال دیا میں تین دن سے یہاں کھڑا تیرا انتظار کر رہا ہوں۔

یہ حدیث ہمیں بتلاتی ہے کہ رسول خدا ﷺ سچ کا کس قدر اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

جھوٹ آدمی کے اعتبار کو ختم کر دیتا ہے اور اس کی عدالت کو ساقط کر دیتا ہے امام بخاریؒ کے بارے میں روایت کیا جاتا ہے کہ وہ ایک آدمی کے پاس طلب حدیث کیلئے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس آدمی کا گھوڑا بھاگ گیا ہے اور وہ اپنی چادر کی طرف اس گھوڑے کو اشارہ کر رہا ہے گویا کہ اس میں جو ہے۔ گھوڑا (جو کے لالچ میں) قریب آیا تو

اس نے پکڑ لیا۔ امام بخاریؒ نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس جو ہیں اس آدمی نے کہا نہیں۔ میں نے تو اس کو شبہ میں ڈالا تھا۔ امام بخاریؒ نے فرمایا میں اس آدمی سے حدیث نہیں لیتا جو جانوروں سے جھوٹ بولتا ہے۔

تو اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جو آدمیوں سے جھوٹ بولے؟ سچ کی عظمت کا اندازہ ہم اس قصے سے لگا سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن حجاج بن یوسف نے خطبہ دیا اور خطبہ لمبا کر دیا اتنے میں حاضرین میں سے ایک نے کہا۔ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور وقت تیرا انتظار نہیں کرے گا اور رب تیرا عذر قبول نہیں کرے گا۔ حجاج نے اس کے قید کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کی قوم اس کے پاس آئی اور خیال کیا کہ یہ آدمی پاگل ہو گیا ہے۔ حجاج نے کہا کہ ''اگر وہ پاگل ہونے کا اقرار کر لے تو میں اسے جیل سے رہا کر دوں گا۔ اس آدمی نے کہا ''میرے لئے یہ مناسب نہیں کہ میں اللہ کی اس نعمت کا انکار کروں جو اس نے مجھ پر کی ہے اور اپنے لئے اس جنون کو ثابت کروں جس سے اللہ نے مجھے پاک رکھا ہے'' جب حجاج نے اس کا سچ پر ڈٹ جانا دیکھا تو اس کو چھوڑ دیا۔

سچ کا ایک پہلو یہ ہے کہ دوسروں پر حسن ظن ہو اور ان پر سوئے ظن نہ ہو۔ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ایک آدمی کو چوری کرتے دیکھا۔ آپؑ نے اس سے کہا تو نے چوری کی۔ آدمی نے کہا ''اللہ کی قسم! میں نے چوری نہیں کی'' عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور اپنی آنکھوں کو جھٹلاتا ہوں۔

اس لئے بعض علماء یہ کہا کرتے تھے کہ جس نے اللہ کی قسم کھا کر ہمیں دھوکہ دیا تو ہم اس سے دھوکہ کھالیں گے۔

امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک آدمی کے اندر ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور ایک احتمال ایمان کا ہو تو ہم مسلمان سے اچھا گمان کرتے ہوئے اسے ایمان پر محمول کریں گے۔

صحابہ کرام خطا کے مرتکب پر بھی بسا اوقات لفظ کذب بول دیتے تھے جیسے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مسئلہ میں فرمایا ''ابن عمر نے جھوٹ بولا'' دراصل ان سے اسی مسئلہ میں خطا ہوئی تھی اور انہوں نے اس میں حق بات کی جان بوجھ کر مخالفت نہ کی تھی۔ لہٰذا

اس فرق کو سمجھنا ضروری ہے کہ آدمی اس جھوٹ میں گنہ گار ہوتا ہے جس میں وہ ارادہ کر کے جھوٹ بولے البتہ اجتہاد کی خطا اس میں داخل نہیں۔ اسی لئے ہمیں چاہیے کہ لوگوں سے حسن ظن رکھیں اور اپنے آپ پر بدگمانی رکھیں۔ اور لوگوں میں اصل ان کے لیے جھوٹ سے براءت ہے نہ کہ تہمت لگانا کیونکہ تہمت کے لئے دلیل کی ضرورت ہے وگرنہ لوگوں سے اعراض کرنا چاہیے اور ان پر بلا وجہ تہمت طرازیوں سے گریز کرنا چاہئے۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ مومن سچا ہے اور تصدیق کرنے والا ہے۔

قبول اسلام کے بعد سب سے بڑی ذمہ داری اور شرط ایمان وعمل میں ''سچا'' ہونا ہے

لوگ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت سے ہی اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں اس کے اقرار سے احکام واوامر لازم ہو جاتے ہیں۔ صرف اس کلمہ کا تلفظ ہی ان کے خون اور مال کو محفوظ کر دیتا ہے جب تک کہ انسان اس کے حقوق ادا کرتا رہے جیسے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ، اور آخرت کا نفع بھی تب ہی ہوگا۔ لہٰذا اس کا معنی جاننا ضروری ہے اور اس پر یقین بھی ضروری ہے جو شک کے منافی ہے۔ اور اس کے مقتضی کو دل سے قبول کرنا اور زبان سے اس کا اقرار کرنا بھی ضروری ہے۔ اور خدا کے رسول کے تابع ہونا بھی ضروری ہے اور اخلاص اور نیت کو شرک کے شائبہ تک سے پاک کر کے عمل کا درست کرنا بھی ضروری ہے۔ اور اس کلمہ کی محبت اور اس کے مقتضی اور جس بات پر یہ کلمہ دلالت کرتا ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کی محبت بھی ضروری ہے اور اس کی سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ اس میں صدق ہو کہ جو کذب کے منافی ہے۔ صدق یہ ہے کہ اس کو صدق دل سے کہے اس حال میں کہ دل اور زبان ایک دوسرے کے موافق ہوں۔ اللہ عزّ وجل کا فرمان ہے:

''الٓمّٓ o اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا...... وَلَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ'' (سورۃ العنکبوت: ۱۔۳)

''الم۔ کیا یہ لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ

ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی اور جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا (اور ان کو بھی آزمائیں گے) سو خدا ان کو ضرور معلوم کرے گا جو (اپنے ایمان میں) سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں''

جبکہ دوسری طرف جن منافقوں نے اس کلمہ کو جھوٹ موٹ پڑھ لیا تھا ان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ .... وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ'' (البقرہ:۸۔۱۰)

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے یہ (اپنے پندار میں) خدا کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں مگر (حقیقت میں) اپنے سوا کسی کو چکما نہیں دیتے اور اس سے بے خبر ہیں۔ ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا۔ خدا نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا''

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد مقامات پر ان منافقین کی حالت بیان کی ہے اور ان کے نفاق کے پردوں کو چاک کیا ہے اور ان کی رسوائی اور فضیحت کو آشکارا کیا ہے۔ جیسے سورۃ بقرہ اور آل عمران اور نساء اور انفال اور توبہ وغیرہ میں ان کے احوال کو تفصیلاً بیان کیا ہے جبکہ ایک کامل سورت بھی ان کے بارے میں نازل فرمائی ہے۔

صحیحین میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو بھی سچے دل سے اس کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں تو اللہ ضرور اس پر (جہنم کی) آگ کو حرام فرما دیتے ہیں۔ (بخاری)

اس کلمہ کے آگ سے نجات دینے کی شرط یہ ہے کہ اسے صدق دل سے پڑھا جائے لہٰذا بغیر حضور قلب کے صرف زبان ہی سے کہنا دنیا و آخرت دونوں میں نفع نہ دے گا۔

بخاری و مسلم میں انس بن مالک اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما کی اعرابی کے قصہ والی حدیث ہے۔ یہ ضمام بن ثعلبہ ہیں جو بنی سعد بن بکر کے وفد میں تھے کہ جب انہوں نے اسلام کے شرائع کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپؐ نے بتلا دیا۔ اس نے عرض کیا کہ کیا اس کہ علاوہ بھی کچھ میرے ذمہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا ''نہیں'' الا یہ کہ کوئی نفلی عبادت کرلو' اس نے کہا ''اللہ کی قسم! میں نہ تو اس پر کچھ زیادتی کروں گا اور نہ ہی اس میں کوئی کمی کروں گا'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''اگر اس نے سچ کہا تو کامیاب ہوگیا'' بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ اگر اس نے سچ کہا تو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

آپؐ نے اس کی فلاح اور دخول جنت کو سچ بولنے کے ساتھ مشروط فرمایا۔

سچ کے ظاہری وباطنی اثرات وثمرات

زرارہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کرے ہیں انہوں نے فرمایا۔ جب نبی اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ بھاگے بھاگے ان کے پاس گئے۔ ان آنے والوں میں میں بھی تھا۔ جب میں نے آپؐ کے چہرہ مبارک کو دیکھا تو میں جان گیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں اور میں نے ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا ''اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ اور صلہ رحمی کرو اور لوگوں کو کھانے کھلاؤ اور رات کو اس وقت نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں، آپؐ کی خلقت اور آپؐ کی صورت مبارکہ سب سے اچھی اور کامل تھی اور تمام ان محاسن کو جامع تھی جو آپؐ کے کمال پر دلالت کریں

''الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ.........وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ'' (سورۃ النور ۳۵)

''خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ

گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل (ایسی صاف شفاف ہے کہ) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس کا تیل خواہ آگ اسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے۔ (بڑی) روشنی پر روشنی (ہو رہی ہے) خدا اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ اور خدا (جو مثالیں) بیان فرماتا ہے تو لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے۔ اور خدا ہر چیز سے واقف ہے''

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مسلمان کے دل میں خدا کے نور کی مثال وہ نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کے دل میں ودیعت کیا ہے جیسے اس کی معرفت اور اس کی محبت اور اس پر ایمان لانا اور اس کا ذکر کہ یہ سب باتیں اس کا وہ نور ہیں جو اہل ایمان کی طرف نازل کیا پھر اس سے ان کو حیات بخشی اور اسی سے ان کو لوگوں کے درمیان (پیکر ہدایت بن کر) چلنے والا بنایا اور اس کی جڑ ان کے دلوں میں ہے اور تقوی اس کا مادہ ہے۔ پھر یہ بڑھتا رہتا ہے حتی کہ ان کے چہروں، اعضاء جسموں، ان کے کپڑوں اور ان کے گھروں پر ظاہر ہوتا ہے۔ انہیں ان جیسے لوگ ہی پہچانتے ہیں اگرچہ ساری مخلوق اس کی منکر ہو۔ قیامت کے دن یہ روشنی اور نور ظاہر ہوگا۔ پل صراط کی تاریکی میں ان کے دائیں جانب آگے آگے چلے گا جس سے وہ اس کی مسافت طے کریں گے اور یہ روشنی دنیا میں ان کے دلوں میں ایمان کی روشنی کے اعتبار سے قوی اور ضعیف ہوگی بعضوں کی روشنی سورج کی طرح ہوگی بعضوں کی چاند کی طرح، بعضوں کی ستاروں کی طرح اور بعضوں کی چراغ کی طرح اور بعضوں کو پاؤں کے انگوٹھے میں روشنی دی جائے گی جو کبھی جلے گی اور کبھی بجھے گی۔ اور جتنی اس کی روشنی دنیا میں ہوگی اتنی ہی اس کو (روز قیامت) پل صراط پر دی جائے گی۔ بلکہ یہ اس کا ہی نفس نور ہوگا جو کھلم کھلا ظاہر ہوگیا۔
جب منافق کے پاس دنیا میں ہی روشنی نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کی روشنی ظاہری ہوگی نہ کہ

باطنی طور تو اس کو (وہاں بھی) ظاہری روشنی ہی دی جائے گی جس کا (آخرکار) نتیجہ تاریکی ہی تاریکی ہوگا۔

علامہ ابن قیم ہی اس مسئلہ پر ایک دوسری طرح روشنی ڈالتے ہیں وہ فرماتے ہیں، تو جان لے کہ جمال کی دو قسمیں ہیں ظاہری اور باطنی۔

باطنی جمال جو بالذات محبوب ہے وہ علم و عقل، سخاوت اور پاکدامنی اور بہادری کا جمال ہے۔ یہ باطنی جمال بندے میں اللہ تعالیٰ کی نظر کا محل اور اس کی محبت کی جگہ ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے'' یہ جمال ظاہری صورت کو بھی مزین کرتا ہے اگر چہ وہ (خلقی طور پر) خوبصورت نہ ہو۔ تو جتنی اس کی روح میں یہ صفات ہونگی اتنا ہی اس کو جمال رعب و دبدبہ اور شیرینی عطا کی جائے گی۔ مومن کو اس کے ایمان کے بقدر رعب و دبدبہ اور حلاوت دی جاتی ہے۔ جو اس کو دیکھتا ہے مرعوب ہو جاتا ہے اور جو اس سے اختلاط اور میل جول کرتا ہے اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ یہ بات اہل نظر پر عیاں ہے۔

آپ نے کئی نیک اور اچھے اخلاق والے آدمی دیکھے ہونگے جن کی صورت لوگوں میں بڑی بھلی معلوم ہوتی ہے اگر چہ وہ کالے ہوتے ہیں اور وہ خوبصورت بھی نہیں ہوتے خاص طور پر اگر اللہ کسی کو رات کی نماز نصیب فرما دیں تو وہ اس کے چہرے کو حسین اور منور بنا دیتی ہے۔ ایک عورت تہجد کی نماز کثرت سے پڑھتی تھی جب اس سے اس بارے میں پوچھا گیا تو کہنے لگی کہ تہجد کی نماز چہرے کو اچھا بناتی ہے اور مجھے بھی یہ پسند ہے کہ میرا چہرہ بھی حسین ہو''

جمال باطنی کے جمال ظاہری سے اچھا ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں سے ایسے شخص کی تعظیم و محبت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ رہا ظاہری جمال تو وہ بھی ایک قسم کی زینت ہے اور اس زینت کو اللہ تعالیٰ بعض صورتوں کے ساتھ خاص کرتے ہیں بعض کے ساتھ نہیں اور یہ خلقت و آفرینش میں وہ زیادتی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَايَشَاءُ (سورۃ فاطر:۱)

''وہ (اپنی) مخلوقات میں جو چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے''

آئمہ تفسیر اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ وہ اچھی آواز اچھی صورت اور وہ دل ہیں جو

فطری طور پر اللہ کی محبت کے عادی ہوں جیسے وہ اس کی پسندیدگی کے مطابق پیدا کئے گئے ہیں۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس کے دل میں رائی کے دانہ برابر بھی تکبر ہوا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کا جوتا اچھا ہو، اس کے کپڑے اچھے ہوں۔ کیا یہ بھی تکبر میں شامل ہے؟ آپؐ نے فرمایا ''نہیں'' اللہ جمال والا ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے اور تکبر وہ حق سے منہ پھیرنا اور لوگوں کو حقیر اور چھوٹا سمجھنا ہے۔

حدیث میں ''بطر الحق'' کے الفاظ آتے ہیں اس کا معنیٰ''' جاننے کے بعد ٹھکرانا اور اس کا انکار کرنا ہے'' اور دوسرے ''غمط الناس'' الفاظ آتے ہیں یہ لوگوں کو ذلت اور حقارت والی نگاہ سے دیکھنا اور ان کو چھوٹا سمجھنا ہے۔

اور جمال ظاہری وہ بھی بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے اور اس کا شکر تقویٰ اور گناہوں سے اپنی حفاظت ہے۔ آدمی جب بھی اپنے مولا کا اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے جمال کو اور زیادہ کر دے گا اور اسے کمال بھی عطا کرے گا۔ اور اگر اس نے اپنے جمال کو معاصی میں خرچ کیا تو وہ وحشت اور عیب کی طرف لوٹے گا۔ جس طرح آخرت سے پہلے ہی اس دنیا میں اس کا بکثرت مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ جو آدمی اپنے حسن و جمال میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا تو وہ برا اور عیب والا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اسے لوگوں میں معیوب بنا دیتے ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ کا کلام ختم ہوا۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''غور سے سنو جسم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے دھیان سے سنو وہ دل ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں ''ان نافرمانوں کو اگر خچر اور گھوڑے ہوا کے دوش پر بھی لے کر اڑیں تب بھی ذلت و رسوائی انہیں نہ چھوڑے گی۔ رب تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو ضرور رسواء کریں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنَاکَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ“ (سورۃ محمد: ۳۰)

”اور اگر ہم چاہتے تو وہ لوگ تم کو دکھا بھی دیتے اور تم ان کو ان کے چہروں ہی سے پہچان لیتے اور تم انہیں (ان کے) انداز گفتگو ہی سے پہچان لو گے“

اس آیت کی تفسیر میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ ”آدمی جو راز بھی چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے چہرے اور زبان پر ظاہر کر دیتے ہیں۔

مشہور مقولہ ہے کہ ”بندہ رات کو گناہ کرتا ہے تو صبح اس کے چہرے پر اس گناہ کی ذلت کا اثر ہوتا ہے“

آدمی کا چہرہ اس کے دل کا آئینہ ہوتا ہے۔ جس طرح وہ انفعالی جذبات وعواطف کی ترجمانی کر دیتا ہے۔ جیسے مثلاً طیش وغضب، ندامت وخجالت وغیرہ کے اثرات چہرے پر نظر آتے ہیں اس طرح یہ چہرہ سچ اور جھوٹ کو بھی عیاں کر دیتا ہے۔ مزیں برآں یہ کہ اس کے اقوال وافعال بھی اس کی راست گوئی اور دروغ گوئی کی شہادت دے دیتے ہیں جن کو ہر چھوٹا بڑا دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ زبان کی بات کانوں سے ٹکرا کر فضا میں گم ہو کر رہ جاتی ہے اور دل سے نکلنے والی بات دل کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

یہ تاثیر فقط سچی بات میں ہی ہو سکتی ہے۔

خوف خدا میں صدق وسچائی

رب تعالیٰ نے قرآن میں جا بجا اپنے سے ڈرنے کا حکم دیا ہے ذیل میں چند آیات اس مضمون کی نقل کی جاتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ“ (سورۃ البقرہ: ۴۰)

''اور مجھی سے ڈرتے رہو''

اور فرمایا:

''وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ'' (سورۃ البقرہ:۴۱)

''اور مجھی سے خوف رکھو''

اور ارشاد ہے:

فَلاَ تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ۔ (سورۃ المائدہ:۴۴)

''تو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا''

اور فرمایا:

یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِنْ فَوْقِھِمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَایُؤْمَرُوْنَ۔

(سورۃ النحل:۵۰)

''اور اپنے پروردگار سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں اور جو ان کو ارشاد ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں''

اور ارشاد ہے:

''وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَافِیْ اَنْفُسِکُمْ فَاحْذَرُوْہُ''

(سورۃ البقرہ:۲۳۵)

''اور جان رکھو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خدا کو سب کو معلوم ہے تو اس سے ڈرتے رہو''

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا اور اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں'' (بخاری و مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ''علم کے لئے اللہ کا خوف کافی ہے اور جہالت کے لئے غفلت کافی ہے''

امام شعبیؒ سے جب کسی نے کہا ''اے عالم! تو انہوں نے کہا'' عالم وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (سورۃ فاطر:۲۸)

''خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں''

اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کی تعریف کی ہے جو اس سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ''

(سورۃ الملک:۱۲)

''(اور) جو لوگ بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے''

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

''اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ......وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ'' (سورۃ المومنون:۵۷۔۶۱)

''جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے ہیں اور جو لوگ اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کے ساتھ شرک نہیں کرتے اور جو دے سکتے ہیں وہ دیتے ہیں اور ان کے دل اسی بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو ان کے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی ان (نیکیوں) کے لئے آگے نکل جاتے ہیں''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور زنا کرتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ''اے صدیق کی بیٹی! نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور صدقہ وزکوٰۃ دیتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کا عمل

مردود نہ کر دیا جائے یہی وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں کی طرف جلدی کرتے ہیں۔ (ترمذی)

طبیعت کی انفعالیت سے متاثر ہو کر چند آنسو بہا کر انہیں پونچھ لینے والا خدا سے ڈرنے والا نہیں۔ حقیقی ڈرنے والا وہ ہے جو قیامت کے دن اعمال کے مواخذہ سے ڈرتے ہوئے خدا کی نافرمانی اور معصیت کا ہر عمل ترک کر دے۔

علماء کا کہنا ہے کہ، جو کسی چیز سے ڈرتا ہے وہ اس سے بھاگتا ہے خدا سے ڈرنے والے کی مثال اس بیمار کی سی ہے جو بیماری بڑھ جانے کے اندیشہ سے پرہیز کرتا ہے۔

فضیلؒ فرماتے ہیں۔ جب تم سے کوئی پوچھے کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے ہو تو خاموش رہو کیونکہ اگر ''ہاں'' کہا تو تم نے جھوٹ بولا اور اگر ''نہیں'' کہا تو کفر کیا۔

خلوت و جلوت میں نفس کا مراقبہ خوف خدا کو دل میں پیدا کرنے کا اکسیر نسخہ ہے کہ آدمی ہر وقت یہ سوچے کہ میرا خدا میری ظاہری و باطنی ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے اور میری ہر بات کو سن رہا ہے اور مجھے اپنے ہر قول و فعل کا روز قیامت جواب دینا ہے۔ یہ بات رفتہ رفتہ آدمی کو رب کی مرضیات پر قائم ہونے اور اس کی نامرضیات کو چھوڑنے کا سبب بن جائے گی۔ رب تعالیٰ کی گرفت کا ہر وقت دامن گیر رہنے والا خوف بندوں کو لوگوں کی خوشامد و ملامت اور مدح و تعریف سے بے نیاز کر دیتا ہے وہ اپنی نگاہ میں رب تعالیٰ کے امر و نہی اور حلال و حرام کو عظیم سمجھتا ہے اور اس کی فرمانبرداری سے روگردانی کرنے والے اس کی نگاہ میں ہیچ ہو جاتے ہیں۔

سچا خوف بندے کو جادہ شریعت پر مستقیم رکھتا ہے اور اس کے جی کو فرسودہ آرزوؤں سے خالی کر دیتا ہے اور آدمی جھوٹی امنگوں کے جال سے نکل آتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو ڈرتا ہے وہ ابتدائی شب سے سفر شروع کرتا ہے اور جو ابتدائی شب سے سفر شروع کرتا ہے وہ منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ غور سے سنو اللہ کا سامان مہنگا ہے۔ غور سے سنو اللہ کا سامان جنت ہے۔ (ترمذی)

جو اللہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈرے تو اللہ اسے آخرت میں بے خوف کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا جنت والوں کے بارے میں اشاد ہے:

''وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ..........اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ'' (سورۃ الطور: ۲۵۔۲۸)

''اور (وہ جنت والے) ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے آپس میں گفتگو کریں گے۔ کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر میں (خدا سے) ڈرتے رہتے تھے۔ تو خدا نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں لُو کے عذاب سے بچالیا۔ اس سے پہلے ہم اس سے دعائیں کیا کرتے تھے بے شک وہ احسان کرنے والا مہربان ہے''

لہٰذا خوف خدا میں سچائی اور اس کی نافرمانیوں کا ترک کرنا ازبس ضروری ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس طرح غفور اور رحیم ہے اسی طرح اس کا عذاب بھی ''عذاب الیم'' (یعنی درد دینے والا عذاب) ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ایمان آرزوؤں کا نام نہیں بلکہ ایمان وہ ہے جو دل میں بیٹھ جائے اور عمل اس کی تصدیق کرے۔

کتنے ہی لوگوں کو بخشش کی امیدوں نے دھوکے میں ڈال دیا اور بغیر نیکی کے ہی چلے گئے۔ اور اپنی زبانوں سے وہ کہتے تو یہ تھے کہ ''ہمارا اپنے رب پر نیک گمان ہے'' مگر دراصل وہ جھوٹے تھے کیونکہ اگر انہیں رب کے ساتھ نیک گمان ہوتا تو وہ نیک عمل کرتے اور رب کی مرضیات کی طرف دوڑتے اور لپکتے اس پر بھروسہ کرتے اور اس کے غیر کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ انہیں خدا کے وعدوں پر بھی پورا پورا بھروسہ ہوتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ''

(سورۃ یوسف: ۸۷)

''کہ خدا کی رحمت سے بے ایمان لوگ ہی ناامید ہوا کرتے ہیں''

پرہیزگاری اور تقویٰ و ورع میں سچائی

پرہیزگاری دین کا حصہ ہے پرہیزگاری میں صدق اس بات کا مقتضی ہے کہ ہر مشتبہ

چیز کو چھوڑ دیا جائے۔ آدمی اس وقت تک کامل متقی نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ گناہوں میں پڑنے کے ڈر سے ان باتوں کو بھی نہ چھوڑ دے جن کے کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر وہ گناہ تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ امور میں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ تو جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور آبرو کی حفاظت کرلی اور جو مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا (سمجھو) وہ حرام میں پڑ گیا۔ جیسے وہ چرواہا جو ممنوعہ علاقہ کے ارد گرد بکریاں چراتا ہے قریب ہے کہ بکریاں اس میں گھس نہ جائیں۔ غور سے سنو! ہر بادشاہ کا ایک ممنوعہ علاقہ ہوتا ہے اور اللہ کا ممنوعہ علاقہ اس کی حرام کردہ باتیں ہیں۔ خبردار جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہوجائے تو سارا جسم درست ہوجاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے دھیان سے سنو وہ دل ہے'' (بخاری، مسلم)

ابن سیرینؒ کا قول ہے کہ ''میرے دین میں پرہیزگاری سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں۔ میں جس چیز سے بھی کھٹکتا ہوں اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔

فضیلؒ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں پرہیزگاری سخت ہے (حالانکہ ایسی بات نہیں۔ اور بھلا تقویٰ کی حقیقت اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ) جو چیز شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر بغیر شک والی کو اختیار کرلو حلال اور پاکیزہ چیزوں کو لے لو اور اپنی کوشش کو حلال پاک چیزوں کے حصول میں خرچ کرو کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً''

(سورۃ المومنون:۵۱)

''اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو''

ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے تھے ''جو اپنے پیٹ کو قابو میں لے آیا وہ اپنے دین کو قابو میں لے آیا اور جس نے اپنی بھوک کو قابو میں کرلیا وہ اخلاق صالحہ کا مالک بن گیا۔ کیونکہ اللہ کی نافرمانی بھوکے سے دور رہتی ہے اور ''شکم سیر'' کے قریب ہوتی ہے۔

رزق حلال کے آدمی کے ایمان وعمل اور حالات وواقعات پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ اس کو ایک شخص کا حال بیان کر کے واضح فرماتے ہیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا ''ایک آدمی لمبا سفر کرتا ہے غبار آلود اور پراگندہ بالوں والا ہوتا ہے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے اور یارب یارب کہتا ہے لیکن اس کا کھانا حرام اور اس کا پینا حرام اور اس کا لباس حرام ہوتا ہے، حرام ہی سے اس نے پرورش پائی ہوتی ہے تو ایسے کی دعا کہاں سے قبول ہوگی؟ (مسلم)

رزق حلال میں صدق کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اس کو بھی بقدر ضرورت لے۔ جو اس کے ٹیڑھے پن کو سیدھا رکھے اور زیادہ کی حرص مت کرے اور نہ ہی نفس کی ہر خواہش پوری کرے۔ طعام، پوشاک، رہائش میں بغیر کمی بیشی کے جتنا ضروری ہے اتنا استعمال کرے اور قیامت میں لمبے قیام اور حساب کے خوف سے فضول خرچی سے بچے۔ ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا، اے ابوالحسن! دنیا کی کچھ صفات بیان کیجئے۔ آپؓ نے فرمایا اس کے حلال کا حساب ہے اور حرام کا عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ

(سورۃ الحدید:۷)

''خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس (مال) میں اس نے تم کو (اپنا) نائب بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو''

اور فرمایا:

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ۔ (سورۃ یونس:۱۴)

''پھر ہم نے ان کے بعد تم لوگوں کو ملک میں خلیفہ بنایا تا کہ دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو''

ہمارے زمانہ کے لوگوں کو یقین تھا کہ ہم بھی خدا کے ہیں اور ہمارا مال ومنال بھی سب کچھ اللہ کا ہے۔ البتہ یہ دنیا امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ ارشاد سنا:

"هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا" (سورۃ الدھر:۱)

ترجمہ "بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھی"

تو آپؓ نے فرمایا، "کاش کہ میں ایسا ہی ہوتا" یعنی میں پیدا ہی نہ ہوتا۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو رب کے حق اور قدر کو پہچانتے ہیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں رب کے امر و نہی کی عظمت جاگزیں ہو چکی تھی وہ جانتے تھے کہ بندے اس کی بندگی کے حق کو ادا کرنے سے عاجز ہیں اور ان پر اللہ کی حجت قائم ہو کر رہے گی۔ اور جب وہ خدا کے احکام میں تساہل اور کوتاہی سے کام لیں گے تو اس کے نتیجے میں کیا حالات پیش آئیں گے وہ ان کو بھی جانتے تھے اس لیے معرفت خداوندی کے گہرے ادراک کی بنا پر یوں فرمایا کہ "کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا"

اہل صدق وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے امر و نہی کو سمجھا اور اس بات کو بھی سمجھا کہ وہ کیوں پیدا کئے گئے۔ اور اللہ کا ان سے کیا ارادہ ہے انہوں نے اللہ کی محبت میں اس کی اطاعت کی۔ اس کے دین کے محافظ و نگہبان بنے اور خود کو خالص اس کا بنا کر اس دنیا میں زندگی گذار گئے، کسی جگہ اس کے حکم سے پیچھے نہیں رہے۔ انبیاء کرام اور اللہ کے نیک بندوں کا یہی حال تھا کہ دینی وسعت کی آزمائش میں مبتلا ہو کر بھی اس کی اطاعت میں کمی کوتاہی سے بچتے رہے۔ اس کی یاد میں منہمک رہے۔ رب کی رضا کے لئے لوگوں کے حقوق ادا کیے۔

کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ مہمان کے ساتھ ہی کھانا تناول فرماتے تھے۔ بعض دفعہ تین تین دن مہمان نہ آتا تو وہ اپنے آپ کو بھوکا رکھتے اور بعض دفعہ مہمان

تلاش کرنے کے لئے کم وبیش تین میل پیدل چلتے۔

اور حضرت ایوب علیہ السلام جب بھی کسی کے بارے میں سنتے کہ اس نے اللہ کی قسم کھائی ہے تو وہ اس قسم کھانے والے کے گھر جاتے اور اس پر شفقت کرتے ہوئے اس کی طرف سے کفارہ ادا کردیتے کہ کہیں یہ اپنی قسم میں حانث نہ ہو جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ وہ زمین کے خزانوں پر مامور تھے پھر بھی شکم سیر ہو کر نہ کھاتے تھے جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: ''میں ڈرتا ہوں کہ کہیں پیٹ بھر کر بھوکوں کو بھول نہ جاؤں'' حالانکہ کبھی کبھار پیٹ بھر کر کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں اس قسم کا مضمون مروی ہے اسی طرح کے لوگ اللہ کے ذکر اور اس کی عبادت سے خوش ہوتے ہیں وہ اپنی مملوکہ اشیاء میں راحت محسوس نہیں کرتے۔ دنیاوی چیز کے آنے سے نہ تو خوش ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کے چلے جانے سے غمگین ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں اس کی قیمت مٹی سے بھی کم ہوتی ہے۔

ایسے لوگوں کا حال بزبان شاعر کچھ یوں ہوتا ہے۔

نہ شادی داد سامانے نہ غمے آورد نقصانے

بہ پیش خدمت ماہر چہ آورد بود مہمانے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بادشاہی والی اور بندگی والی پیغمبری میں سے ایک کو چن لینے کا اختیار دیا گیا تھا مگر آپؐ نے بندگی والی پیغمبری کو چنا۔ آپؐ اکثر دعا مانگا کرتے تھے کہ ''اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکینی میں موت دے اور قیامت کے دن مساکین کی جماعت میں میرا حشر فرمانا'' (مسند احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوتے تھے کہ کبھی بھوکے رہیں اور کبھی شکم سیری فرمائیں کیونکہ آپؐ کے مدنظر یہ ارشاد خداوندی ہوتا تھا:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ۔ (سورۃ طٰہٰ:۱۳۱)

''اور کئی طرح کے لوگوں کو جو ہم نے دنیا کی زندگی میں آرائش کی

چیزوں سے بہرہ مند کیا ہے تا کہ ان کی آزمائش کریں ان پر نگاہ نہ کرنا"

ایک دن آپؐ نے دھاری دار لباس پہنا پھر اسے اتار دیا اور فرمایا کہ اس کی دھاریوں (کے نقوش) نے مجھے غافل کر دیا۔ (بخاری)

تقوی اور پرہیز گاری کے اس مضبوط راستہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظامؒ چلے۔ ایک مرتبہ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور ﷺ نے صدقہ کی ترغیب دی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا سارا مال لے آئے یہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ "گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟" عرض کیا "اللہ اور اس کا رسول ﷺ اور اللہ کے پاس میرے لئے بہت کچھ ہے"

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور وہ اپنا آدھا مال لیکر خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے نبی اکرم ﷺ نے ان سے بھی یہی دریافت فرمایا کہ "گھر والوں کے لئے پیچھے کیا چھوڑا؟" عرض کیا "اپنا آدھا مال اور اللہ کا دیا ہوا میرے پاس بہت کچھ ہے" (ابوداؤد)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایسے مواقع سے کبھی دوسروں سے پیچھے نہ رہے خدا نے جہاں ان کو مال کی وسعت عطا فرمائی تھی تو اس کو خرچ کرنے کا جذبہ مال سے بھی زیادہ دیا تھا۔ "جیش عسرة" کے موقع پر آپؓ نے تقریباً سارے لشکر کا سامان تیار کر کے دے دیا تھا اس کے علاوہ مدینہ میں "رومہ" نامی کنواں کھدوا کر مسلمانوں پر سے پانی کی تنگی کو دور کیا اور اس کا سارا خرچ خود برداشت کیا۔ جس کا مفصل قصہ بخاری شریف میں نقل ہے۔

ان پاکیزہ ہستیوں نے دلوں کو دنیاوی جذبوں کی آلائشوں سے دھو کر پاک کر دیا اب دنیا ان کے ہاتھوں میں تھی خواہ رکھیں خواہ پھینک دیں۔ آج کی مادہ پرست دنیا کے لئے ان حضرات زندگیاں اگر چہ باعث حیرت ہیں لیکن کامیابی کا کامل نمونہ بھی ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عجیب معاملہ تھا۔ ان کے پاس دنیا اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ آئی لیکن انہوں نے اس کو نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کھانا روٹی اور تیل تھا۔ اور آپ کے لباس میں دس سے زیادہ پیوند ہوتے تھے۔ ان کے زمانہ میں قیصر وکسری کے خزانے فتح ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے تو ان کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا

کسی نے پوچھا ''یہ کیا ہے؟'' فرمایا ''میں اپنے نفس کو دیکھنا چاہتا ہوں کہ کہیں اس سے انکار تو نہیں کرتا''

کیا ہم سب کی نجات کے لئے یہی بات کافی نہیں کہ ہم اس سچے مالک برحق کے حضور پوری سچائی کے ساتھ اپنا دامن پھیلا کر اس بات کا سوال کریں کہ اے اللہ! تو ہمیں بھی ان سچوں کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما جن کی سچی نیکیوں کا بدلہ تو نے عطا فرمایا اور ان کے ساتھ کئے وعدے سچ کر دکھائے۔ آمین۔

رب تعالیٰ کی محبت میں سچائی

خوف خدا کا دوسرا پہلو رب تعالیٰ سے وہ محبت کرنا ہے جو کسی دوسرے سے نہ کرنا ہے نبی کا درجہ بہر حال رب تعالیٰ کی ذات سے کم ہوتا ہے جب نبی کریم ﷺ نے اپنی بابت یہ ارشاد فرمایا ہے: ''وہ شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ ''میں'' اس کو اپنی (جان) اولاد (مال) اور والدین اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں'' (بخاری)

تو یقیناً رب تعالیٰ کی ذات کا حق نبی سے زیادہ ہے اور رب تعالیٰ کی ذات سے محبت سب سے بڑھ کر ہونی چاہیے انسان کے سب علائق اور رابطے اور زندگی کے ضابطے صرف ایک معیار پر ہوں اور وہ ہے رب تعالیٰ سے سچی محبت۔

مشکوٰۃ شریف کتاب العلم میں حدیث مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اللہ ہی کے لیے محبت کی، اللہ ہی کے لیے بغض رکھا، اللہ ہی کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے روکا، اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا'' (مشکوٰۃ)

معلوم ہوا کہ کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کا ہر ہر قول و فعل فقط رب کی محبت کے واسطے ہو یہی رب تعالیٰ کے ساتھ محبت میں سچائی ہے۔ کہ تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کو اپنے نفس و خواہشات پر ترجیح دی جائے۔ اور تمام امور میں اپنے نفس کے امر سے پہلے رب تعالیٰ کے امر کو مقدم رکھا جائے۔ وہی ہمارا مبداء ہو اور وہی ہمارا منتہا ہو۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا ''اے میرے رب!

مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ''میں تجھے اپنی وصیت کرتا ہوں'' عرض کیا۔ ''اے رب! آپ مجھے اپنی وصیت کیسے کرتے ہیں'' فرمایا ''جب بھی تجھے دو امر پیش آ جائیں اور ان میں سے ایک امر میرا ہو اور دوسرا تیرے نفس کا ہو تو ہمیشہ میری محبت کو اپنی خواہش پر ترجیح دینا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ سے محبت کرنے والا اپنے دل اور زبان سے ہمیشہ اس کا ذکر کرنے والا ہوتا ہے اور غفلت سے رک جاتا ہے اور وہ ہر وقت رب تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہتا ہے وہ بے پرواہ اور غافل نہیں ہوتا۔ رب تعالیٰ کی سچی محبت سے سرشار شخص کی فکر یہ ہوتی ہے کہ وہ اس سے بھی محبت کرے جس کو خدا سے محبت ہوتی ہے اس لئے وہ خدا کی موافقت میں اور اس کے فرائض کی ادائیگی میں اور اس کے منع کردہ کاموں سے بچنے میں اپنی پوری کوشش صرف کرتا ہے۔ وہ حتی الوسع خود کو خدا کی نظروں میں سجاتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد نہ ہو جائے کہ خدا کی نگاہ سے گر جاؤں۔

حدیث قدسی میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں'' فرائض سے بڑھ کر کوئی چیز بندے کو میرے قریب نہیں کرتی اور بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ (بخاری)

یہی سچی محبت کا راستہ ہے کہ آدمی اللہ پر سچا ایمان لائے پھر اس کے مقرر کردہ فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل بھی جاری رکھے ہر حال میں اللہ سے محبت کرے چاہے وہ نعمت عطا کرے یا نعمت سے محروم کر دے، آزمائش میں ڈال دے یا عافیت دے۔

ایک سچے مسلمان کی زندگی کا خلاصہ اور اس کا جینا مرنا فقط رب تعالیٰ کی محبت ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت خلیل ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ''میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا سب خدا کے واسطے ہے''۔ (الانعام:۱۶۲)

اللہ تعالیٰ کی محبت کی یہ تاثیر ہے کہ وہ آدمی کے دل سے کبر اور کینہ اور حسد اور ظلم نکال دے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ ...... وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا

لِلّٰہِ“

(سورۃ البقرہ:۱۶۵)

”اور بعضے لوگ ایسے ہیں کہ جو غیر خدا کو شریک (خدا) بناتے ہیں اور ان سے خدا کی سی محبت کرتے ہیں لیکن جو ایمان والے ہیں وہ خدا ہی کے سب سے زیادہ دوستدار ہیں“

ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

” یَاۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ.....وَلَایَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ“

(سورۃ المائدہ:۵۴)

”اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو خدا ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے گا اور جسے وہ دوست رکھیں گے اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں خدا کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں“

ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اللہ کی نعمتوں کی وجہ سے اللہ سے محبت کرو اور اللہ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرو۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ”لوگوں نے اللہ کی محبت کا دعویٰ کیا تو رب تعالیٰ نے ان کو اس آیت میں آزمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ“

(آل عمران:۳۱)

”(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا“

لیکن یاد رہے کہ رب تعالیٰ کی محبت کی صداقت کا سچا پیمانہ اور واحد معیار فقط نبی کریم ﷺ

کی ذات اقدس کی سچی اور کامل پیروی اور اتباع ہے کسی مسلمان کی سچائی کی یہی سب سے بڑی دلیل اور حجت ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے خود قرآن میں یہ فیصلہ سنا دیا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں ارشاد ہے اور خود نبی کریم ﷺ نے اپنی لسان صداقت و نبوت سے اس کو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اسے اپنی اولاد سے اور اپنے والدین سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں'' (بخاری)

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ ''نہیں (تمہارا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا) جب تک کہ میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں'' (بخاری)

رب تعالیٰ کی محبت میں بھی لوگ افراط و تفریط بلکہ تحریف والحاد کی حد تک گمراہی میں مبتلا ہوئے۔ تاریخ کے اوراق کچھ ایسے لوگوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں جنہوں نے رب تعالیٰ کی محبت کا وہ معیار اور وہ پیمانہ بیان کیا جس کو رب تعالیٰ اور اس کے رسول نے بیان نہیں فرمایا تھا۔ مثلاً بعض زندیقوں نے یہ کہا کہ ''ہم کو نیکیوں سے کچھ واسطہ نہیں ہم تو خدا کی محبت میں بندگی کرتے ہیں'' کچھ لوگوں نے کہا ''ہم تو فقط امید پر عبادت کرتے ہیں'' علماء نے انہوں مرجئہ کہا۔ اور ایک حروریہ نامی گمراہ فرقہ نے اس عقیدہ کی نیو رکھی کہ ''ہم تو خوف کی وجہ سے بندگی کرتے ہیں''

اس موقع پر یہ گم کردہ راہ لوگ ''رابعہ عدویہ'' کا یہ قول پیش کرتے ہیں کہ ''میں نہ تو دوزخ کے خوف سے رب کی بندگی کرتی ہوں اور نہ جنت کے لالچ میں بلکہ میں تو فقط رب تعالیٰ کی ذات سے محبت کی وجہ سے خدا کی بندگی کرتی ہوں''

لیکن یاد رہے کہ یہ قول خود قرآن کے پیش کردہ ضابطہ محبت کے خلاف ہونے کی وجہ

---

[1] کچھ نام نہاد دیندار آج بھی اس قسم کے نظریات بڑی شدومد کے ساتھ بیان کر کے خود کو رب تعالیٰ کی محبت کا سب سے سچا پیکر باور کرواتے پھرتے ہیں۔ رب تعالیٰ امت مسلمہ کی ان جیسے نظریات سے حفاظت فرمائے۔ نسیم (آمین)

سے غیر مقبول ہے۔[1] آیئے دیکھتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے اپنی محبت میں سچائی کے ساتھ فنا ہونے والوں کے کیا احوال ذکر کیے ہیں۔ خدا تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کی تعریف میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَّكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ۔ (سورۃ الانبیاء:۹۰)

''یہ لوگ لپک لپک کر نیکیاں کرتے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے''

اور فرمایا:

''يَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ'' (سورۃ بنی اسرائیل:۵۷)

''اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں''

خود نبی اکرم ﷺ تمام اولاد آدم علیہ السلام کے سردار اور خدا کے بعد سب سے افضل ہونے کے باوجود اپنے رب سے جنت مانگتے تھے اور جہنم کی آگ سے خدا کی پناہ چاہتے تھے۔ ابوداؤد شریف میں آپ کی یہ دعا مذکور ہے۔

فضیلؒ کا قول ہے کہ ''محبت خوف سے افضل ہے''

کسی عارف سے پوچھا گیا کہ ''تو خدا سے کیونکر ڈرتا ہے؟ کیا وہ تم سے اور تو اس سے محبت نہیں کرتا؟ اس عارف نے جواب دیا کہ ''خدا سے محبت تو میں اس لئے کرتا ہوں کہ اسے نے مجھے اپنے قرب سے نوازا اور اپنی معرفت نصیب کی لیکن ڈرتا اس بات سے ہوں کہ کہیں میرے گناہوں کے سبب مجھے اپنے محبوبوں کی صف سے نکال نہ دے''

اس وجہ سے بعض نے کہا کہ ''جسے محبت تو کچھ دی گئی لیکن اتنی ہی خشیت نہ دی گئی تو وہ فریب خوردہ ہے''

جب خدا کی سچی محبت آدمی کے اعضاء و جوارح میں رچ بس جاتی ہے تو اس کو ذنوب و معاصی سے وحشت ہونے لگتی ہے خود گناہ اس سے بھاگتے ہیں کہ انہیں ایسے شخص کے دل

میں اپنے لئے کوئی جگہ نہیں ملتی۔ شیطان کے سارے پھندے اس کے آگے فرعون کے جادوگروں کی رسیوں کی طرح بے کار ہو جاتے ہیں شیطان کے گناہوں کے بنے جال اس کے آگے تار عنکبوت ثابت ہوتے ہیں۔ کسی بھی شخص نے اگر اپنا دل ٹٹولنا ہو، اس میں خدا کی سچی محبت کے آثار اور نشانات تلاش کرنے ہوں تو وہ ذرا اپنے دل میں شاعر کے اس شعر کو سامنے رکھ کر جھانک لے تو دل کے آئینے میں اس کو اپنی صحیح اور سچی جیسی بھی ہو تصویر نظر آ جائے گی۔

تحب اعداء الحبیب و تدعی حبالہ ما ذاک فی امکان

''تو محبوب کے دشمنوں سے محبت کرتا ہے اور دعوی اس کی محبت کا کرتا ہے بھلا یہ کیونکر ممکن ہے''

اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں رکھے پس جو اللہ سے محبت رکھتا ہے وہ اس کے پیغمبروں اور اس کے نیکو کار بندوں اور اس کے سچے کلام اور اس کی فرمانبرداری سے بھی سچی رکھتا ہے۔ یہ سچی محبت کے متقضیات میں سے ہے۔ اور جس کی رگ و پے میں رقص و سرود کی محبت جڑ پکڑ چکی اور وہ فسق و فجور اور شہوات اور رب کی نافرمانیوں کا رسیا بن گیا اور پھر بھی رب کی محبت کا دعویدار ہو تو بے شک یہ دعویٰ ہوا میں لکیر اور پانی پر تحریر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ بے کار کی پونجی ہے جو لیے پھرتا ہے اور کھوٹا سکہ ہے جو اللہ کے ہاں رائج نہیں۔ کل قیامت کے دن جب رب تعالیٰ ان لوگوں سے ان کی محبت کی صداقت کی دلیل مانگتے ہوئے ارشاد فرمائیں گے کہ:

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ۔ (سورۃ النمل: ۶۴)

''کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو دلیل پیش کرو''

تو ایسے شخص کے پاس خدا کے سامنے پیش کرنے کے لئے کچھ بھی نہ ہوگا۔

کل جب پردہ ہٹے گا تو ہر شخص جان لے گا کہ کس کا سامان آج اچھے بھاؤ بکے گا اور کون فقط سراب لئے پھرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ.........وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ''

(سورۃ النور:۳۹)

ترجمہ ”(کافروں کے عمل کی مثال ایسی ہے جیسے میدان میں ریت کہ) پیاسا اس کو پانی سمجھے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے اور خدا ہی کو اپنے پاس دیکھے تو وہ اس کا حساب پورا پورا چکا دے اور خدا جلد حساب کرنے والا ہے“

شوقِ دیدارِ الٰہی اور یاد خداوندی کی وجہ سے محبت میں ”سچائی“

خوف خدا کا درحقیقت یہ تیسرا پہلو ہے اور محبت کا لازمہ بھی ہے کیونکہ جس سے محبت ہوتی ہے انسان جہاں اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے تو وہیں اس کی ملاقات کا شوق بھی اس کو اور زیادہ بے چین کئے رکھتا ہے۔ کسی ذات کے ساتھ محبت، دیوانگی آدمی کو شیفتگی و وارفتگی اس کے ساتھ تعلق رکھنے والی معمولی سے معمولی چیز کا بھی دیوانہ بنا دیتی ہے، محبوب کی آواز اس پر ایک بے خودی طاری کر دیتی ہے، اس کا دیدار اس کے شوق ملاقات کو اور بھڑکاتا ہے، اس کا ذکر اس کو اور زیادہ دیوانہ بناتا ہے، پھر جب اس پر محبوب کی تجلیات کی ادنی سی جھلکیاں بھی پڑتی ہیں تو اس کے جذبہ محبت میں اس کو اس سے اور زیادہ مہمیز ملتی ہے۔ شاعر کہتا ہے ؎

دیدارمی نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتشِ ماتیزمی کنی

”ذرا سا دیدار کرا کے چھپ جاتے ہو، اپنی اہمیت اور زیادہ کرتے ہو اور ہماری محبت کی آگ کو اور بھڑکاتے ہو“

بخاری شریف میں وحی کی ابتداء کی احادیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب پہلی وحی کے بعد بڑی دیر تک نہ آئے تو نبی کریم ﷺ کی بے چینی اور کلام خداوندی سننے کے شوق اور دیدار جبرئیل جس سے رب کی تجلیات و انوارات کی مہک حاصل ہوتی تھی، کی دیوانگی میں اسقدر اضافہ ہوا کہ بے قراری کی وجہ سے آپ ؐ خود کو کسی اونچی جگہ سے گرا دینے تک کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ (ہادی اعظم، رحمۃ للعالمین وغیرھا)

بہرحال محبت، محبوب کے جمال جہاں آرا کے دیدار پر طبیعت کو کچھ اس طرح آمادہ کرتی ہے کہ پھر سوائے محبوب کے کسی چیز کی نہ تمنا رہتی ہے اور نہ حسرت نہ اس کا شوق نہ اس میں لذت باقی رہتی ہے کہ ؎

کیا بات ہے حسرت کہ کچھ نہیں بھاتا
کچھ تو بھاتا ہے جو کچھ نہیں بھاتا

یہی محبت انسان کے دل کو دیدار الٰہی کے لیے اس کی تجلی کے لیے ہر شی سے خالی کر کے فقط سراپا انتظار بنا دیتی ہے کہ پھر سالک کہہ اٹھتا ہے ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا، اب تو خلوت ہوگئی

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ ایک مومن کو اپنے رب کا شدید شوق ہوتا ہے اور وہ کسی فتنہ و آزمائش کے بغیر اللہ کی ملاقات کی تمنا کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: ''اے اللہ موت کے بعد لذت والی زندگی کا اور آپکے چہرے کی طرف دیکھنے کا اور آپ کی ملاقات کے شوق کا آپ سے سوال کرتا ہوں'' (نسائی)

حضرت ابو الدرداؓ فرماتے تھے کہ ''مجھے اپنے رب کے اشتیاق کی وجہ سے موت محبوب ہے''

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے موت کے وقت فرمایا کہ ''شدید حاجت کی حالت میں محبوب آیا ہے اور جس کو ندامت ہوئی وہ کامیاب نہ ہوا''

علی بن سہل مدائنی جب سب لوگ سو جاتے تو کھڑے ہوتے اور اپنی غمگین آواز میں پکارتے کہ ''اے وہ ذات کہ جس سے مخلوق کے دل غافل ہیں اس چیز میں مشغول ہونے کی وجہ سے کہ جس سے ملاقات کے وقت ان کو ندامت ہوگی۔ اے وہ ذات جس کے اشتیاق سے بندوں کے دل بے خبر ہیں اس لئے کہ اس کی نعمتیں ان کو اس کی معرفت سے پہلے ہی مل گئیں'' یہ کہہ کر پھر پکارتے ''اے کاش کہ مجھے معلوم ہوتا کہ میرے آقا آپ مجھے کب تک زندگی کی زنجیروں میں جکڑے رکھیں گے۔ اے میرے آقا مجھے اپنے اچھے وعدے تک پہنچا

دیں۔ آپ خوب جاننے والے ہیں کہ شوق مجھے تکلیف دینے پر مصر ہے اور مجھ پر آپ کی ملاقات کے اشتیاق کا انتظار لمبا ہوتا جا رہا ہے"

حارث بن عمیر صبح کے وقت یہ کہتے "اے میرے آقا! میں نے صبح کی ہے اس حال میں کہ میرا نفس اور میرا دل آپکی محبت پر قائم ہے اور آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے مجھے جلدی ملاقات کا شرف نصیب فرمایئے اس سے پہلے کہ کہیں رات کا اندھیرا نہ چھا جائے اور جب شام ہوتی تو اس وقت ایسی ہی دعا مانگتے اور کہتے کہ مشتاق اس سے ڈرتا ہے کہ محبوب کو ملنے سے پہلے ہی کہیں قطع تعلقی نہ ہو جائے۔ اور کوئی چیز دونوں کے درمیان حائل نہ ہو جائے جو محبوب سے روک دیا جائے۔ اور مشتاق اس بات سے بھی ڈرتا ہے کہ دنیا چونکہ آزمائش کا گھر ہے کہیں کوئی حادثہ ہی پیش نہ آ جائے۔ اس لئے دن رات اس پر لمبے ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ دنیا سے سلامتی کے ساتھ ایسی حالت میں چلا جائے کہ جس سے اس کا مولا راضی ہو پھر مانوس ہونے والا (دیکھنے والا) اللہ کے قریب ہوتا ہے"

مشکوٰۃ شریف میں حدیث جبرئیل میں ذکر ہے کہ جب وہ ایک نوجوان کی شکل میں سفید لباس پہن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعلیم کے واسطے سوال و جواب کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو جہاں ایمان اور اسلام کے بارے میں سوال کیا وہیں یہ سوال بھی کیا کہ "احسان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے" جبرئیل علیہ السلام نے کہا آپ ﷺ نے سچ فرمایا" (بخاری)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اللہ کی عبادت ایسے کر گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اور دنیا میں ایسے رہو جیسے اجنبی یا راہ چلتا مسافر۔ (بخاری)

نبی کریم ﷺ نے قرب خداوندی کے مقامات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "بندے کی اللہ کے سب سے قریب ترین حالت وہ سجدے کی حالت ہے۔ پس سجدہ میں زیادہ دعا کرتے رہا کرو یہ تمہاری دعا کے قبول ہونے کے زیادہ لائق ہے" (مسلم، ابوداؤد)

آدمی کو جس قدر قرب خداوندی حاصل ہوتا جاتا ہے اس قدر اس میں خوف و خشیت اور نیکیوں کی رغبت زیادہ ہوتی جاتی ہے اس سے جہاں اس کے اندر خدا تعالیٰ کی محبت میں

اضافہ ہوتا ہے وہیں مصائب و تکالیف اور آزمائشوں پر صبر و تحمل کے ساتھ ساتھ ان پر ملنے والے اجر کا یقین بھی بڑھتا جاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ (سورۃ الانفال:۴۶)

ترجمہ ''بے شک خدا صبر کرنے والوں کا مددگار ہے''

اور یہ احساس اس کے ایمان کو اور زیادہ بڑھاتا ہے اور اس کی روح کو اور زیادہ جلا بخشتا ہے کہ رب تعالیٰ اس کے صبر کو دیکھ بھی رہے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا۔ (سورۃ الطور:۴۹)

ترجمہ ''اور تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کئے رہو تم تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہو''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو رب تعالیٰ کی حضوری کا کس قدر احساس تھا اس کا کچھ نمونہ اس روایت سے سامنے آجاتا ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی بیٹی کے نکاح کا پیغام دیا جبکہ وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اس وقت تو کچھ جواب نہیں دیا۔ پھر جب طواف کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے تو انہوں نے حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ کہا ''آپ نے دوران طواف مجھ سے بات کی جبکہ ہم (ہر وقت اور خاص طور پر ایسے وقت میں) رب تعالیٰ کو اپنے حضور پاتے ہیں''

ایک حدیث قدسی میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میں کسی کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ (بخاری)

رب کے قرب کی لذت سے آشنا ہونے والے سے دنیاوی ھموم وغموم کی وحشت جاتی رہتی ہے۔ کیونکہ اس کے دل پر اس خدا کی یاد کا غلبہ ہوتا ہے جو دلوں کو سکون دیتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' (سورۃ الرعد:۲۸)

ترجمہ ''اورسن رکھو کہ خدا کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں''

ذکر جتنا بڑھتا جائے گا رب تعالیٰ کی ملاقات کا شوق اتنا زیادہ ہوتا جائے گا اور رب تعالیٰ اس کی زبان کی اتنی ہی حفاظت فرمائے گا اور اس کا اجر بھی اتنا ہی دے گا۔

حسن بصریؒ نے فرماتے ہیں کہ ''ایمان کی حلاوت کو تین چیزوں میں تلاش کرو نماز میں اور ذکر میں اور قرآن کی تلاوت میں اگر تمہیں مل جائے تو فبہا ورنہ سمجھ لو کہ معرفت خداوندی اور الطاف ربانی کا دروازہ تم پر بند ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاذْكُرُوْنِىْٓ اَذْكُرْكُمْ۔ (سورۃ البقرہ:۱۵۲)

ترجمہ ''سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا''

ایک حدیث قدسی میں ہے کہ ''اگر بندہ مجھے اپنے جی میں یاد کرے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے لوگوں میں یاد کرے تو میں اسکوان سے بہتر لوگوں میں یاد کرتا ہوں'' (بخاری، مسلم)

اللہ کا ذکر رحمت اور سکینہ نازل ہونے کا سب سے بڑا سبب ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جب بھی کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کا دور کرتے ہیں تو ضرور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انکو گھیر لیتے ہیں اور اللہ ان کا اپنے ہاں ذکر کرتا ہے۔ (مسلم)

ذکر کرنے والے پر اللہ اور اس کے فرشتوں کی رحمت ہوتی ہے اور یہ اس کی فلاح و سعادت کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ......... وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا۔ (سورۃ الاحزاب:۴۱:۴۳)

''اے اہل ایمان! خدا کا بہت ذکر کیا کرو اور صبح اور شام اس کی پاکی بیان کرتے رہو وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تا کہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور

خدا مومنوں پر مہربان ہے''

یہ ذکر بندے کی اسی بات سے حفاظت کرتا ہے کہ کہیں اس کا رب اس کو بھلا نہ دے اور جس کو رب نے بھلا دیا اس سے بڑے کم نصیب والا شخص اور کوئی نہ ہوگا۔ اور وہ یوں کہ رب تعالیٰ اس بندے کو خود اس سے بھلا دیتا ہے پھر اس کو اپنے نفع و نقصان کی کچھ ہوش نہیں رہتی پھر وہ سود و زیاں سے بے پرواہ ناکامی و نامرادی کی ایک زندگی گذارتے گذارتے اس دنیا سے چل بستا ہے۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''وَلَاتَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ'' (سورۃ الحشر: ۱۹)

ترجمہ ''اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے یہ بدکردار لوگ ہیں''

اسی طرح ذکر دلوں کی سختی اور بیماری کو بھی شفا دیتا ہے۔ مکحولؒ فرماتے ہیں ''اللہ کا ذکر شفاء ہے اور لوگوں کا ذکر بیماری ہے''

اے اللہ! تیری یاد جن سعادتوں کو لاتی ہے ان کو دیکھتے ہوئے ہم ضعیف اور کمزور بندے پوری سچائی کے ساتھ تیرے حضور دست بدعا ہیں کہ تو ہمیں اپنا بہت زیادہ ذکر کرنے والا اور بہت شکر کرنے والا اور بہت فرمانبردار اور انابت کرنے والا بنا دے۔ اے ارحم الرحمین! اپنی رحمت سے ہمارے گناہوں کو دھو دے اور ہماری لغزشوں کو کم فرما دے۔ اور اے اللہ! قرآن کریم کو ہمارے دلوں کی بہار اور ہمارے سینوں کا نور اور ہمارے غموں اور فکروں کی جلا بنا دے اسی طرح اے ہمارے رب! ہم آپ سے آپکی محبت اور آپ کے محبین کی محبت اور ہر اس عمل کی محبت کا سوال کرتے ہیں جو ہمیں آپکی محبت کے قریب کر دے۔ اور اپنی محبت کو ہمارے لئے مال اور اولاد اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب بنا دے۔ آمین یارب العالمین بجاہ النبی الصادق الامین۔

زہد فی الدنیا میں صدق

یعنی

دنیاوی لذات ونعمتوں کے ترک میں سچائی

زہد کے لغوی معنیٰ کسی چیز سے بے رغبت ہو جانے کے ہیں اور دین کی خاص اصطلاح میں آخرت کے لئے دنیا کے لذائذ و مرغوبات کی طرف سے بے رغبت ہو جانے اور عیش و تنعم کی زندگی ترک کر دینے کو زہد کہتے ہیں''

احادیث نبوی ﷺ میں اس کی بڑی ترغیب آئی ہے۔ بے شک نیکوکار لوگ قرآن و حدیث کی ان ترغیبات کو دیکھ کر زہد اختیار کرتے ہیں مگر شیطان ہر جگہ اپنا حصہ نکالنے کی فکر میں رہتا ہے دین کے ہر جذبہ کی طرح اس جذبہ میں بھی صدق و صداقت اور سچائی اور اخلاص درکار ہے۔

زہد کی حقیقت بیان کرتے ہوئے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: موت نے دنیا کی حقیقت آشکارا کر دی کہ عقلمند کے لئے اس میں کوئی خوشی کا سامان نہیں۔ اس زندگی کا اخیر اس لائق ہے کہ اس کے شروع میں زہد اختیار کیا جائے اور اس موت کی ابتداء اس لائق ہے کہ اس کے اخیر سے خوف کھایا جائے۔ تم ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو تمہیں ڈراتے رہیں حتی کہ تمہیں سلامتی حاصل ہو جائے یہ بہتر ہیں ان لوگوں کی نسبت جو تمہیں اطمینان دلاتے رہیں حتی کہ تمہیں کوئی خوفناک صورتحال پیش آجائے۔

قرآن کریم میں اور لسان نبوت سے بھی دنیا کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیَاةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ'' (سورۃ الحدید:۲۰)

''جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زینت (اور آرائش) اور تمہارے آپس میں فخر (وستائش) ہے''

ایک دوسری جگہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

''زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ.........ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا'' (سورۃ آل عمران:۱۴)

''لوگوں کو ان کی خواہش کی چیزیں یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں (مگر) یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں''

یہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ہیں یہی نفس کی خواہشات اور لذتیں ہیں اور انہیں کے ذریعے وہ آخرت اور اس کی یاد سے غافل ہوتا ہے۔ زمان و مکان میں کوئی برائی نہیں۔ یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اور جو خدا کا شکر ادا کرے اور اس کی یاد رکھے یہ اس کے لئے زادراہ ہیں۔ دنیا جس کی مذمت بیان کی گئی وہ یہی نفس ہے جو برائی اور نفسانیت کا حکم کرتا ہے۔ یہ بندوں کے افعال فاسدہ اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کا دوسرا نام ہے۔

سفیان ثوریؒ اور وکیعؒ اور احمد بن حنبلؒ دنیا کی بے رغبتی کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''وہ امیدوں کا مختصر کرنا ہے۔ کیونکہ جس نے اپنی امید کو مختصر کرلیا اس سے غفلت دور ہوجاتی ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ'' دنیا کو ترک کرنے والا وہ آخرت میں رغبت کرنے والا ہے جس نے اس کو مطمح نظر بنالیا گویا کہ وہ اس کے عذاب وثواب کو دیکھتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ۔ حقیقت میں دنیا کی بے رغبتی یہ ہے کہ نہ تو دنیا کی مذمت کرے اور نہ اس کی تعریف کرے، جب آئے تو خوشی نہ ہو اور جب جائے تو غمگین نہ ہو۔ اسی بات کو کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

''نہ شادی داد سامانے، نہ غمے آورد نقصانے
بہ پیش خدمت ماہر چہ آید بود مہمانے''

اسی بات کو امام احمد بن حنبلؒ نے بھی بیان فرمایا ہے کہ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ ''کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی انسان مالدار بھی ہو اور زاہد بھی ہو؟'' آپ نے فرمایا'' ہاں، اگر وہ

اس کے اضافے سے خوش نہیں ہوتا اور اس کی کمی سے پریشان نہیں ہوتا (تو وہ زاہد ہے)

یونس بن میسرہ نے زہد کی تفسیر تین چیزوں سے بیان کی ہے اور یہ سارے دل کے اعمال ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''زہد حلال کو حرام کرنا اور مال کا ضائع کرنا نہیں بلکہ زہد یہ ہے کہ مصیبت اور غیر مصیبت میں تمہاری حالت برابر ہو جائے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس پر اس سے زیادہ اعتماد اور یقین ہو جو تمہارے پاس ہے اور حق بات میں تمہارے نزدیک تمہاری تعریف کرنے والا اور برائی بیان کرنے والا برابر ہو''

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ اس کا رنگ زرد تھا انہوں نے کہا ''یہ زردی کیسی ہے؟'' اس نے عرض کیا کہ بیماریاں ہیں ''فرمایا''، تمہیں چاہیے تھا کہ مجھے بتاتے۔ نوجوان نے عرض کیا میں نے اپنے دل کو دنیا سے پھیر لیا۔ اس کی جدائی اور اس کا چلا جانا میرے نزدیک برابر ہے۔ گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ جنت والے وہ ایک دوسرے کی زیارت کر رہے ہیں اور جہنمی ایک دوسرے پر برس رہے ہیں'' یہ جواب سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس سے کہا ''اے نوجوان! تمہیں یہ چیز کہاں سے ملی اس نے کہا ''اللہ سے ڈرو کہ اللہ تمہارے اوپر علم کا فیضان کردے گا''

بعضوں نے زہد کے تین درجات بتائے ہیں، سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دنیا کو خوشی سے ترک کیا جائے اور اپنے زہد میں بھی زہد اختیار کرے کہ کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ اس نے کوئی چیز ترک کی ہے۔

حسن بصریؒ کا قول ہے کہ ''زاہد وہ ہے جو کسی دوسرے کو دیکھے تو کہے کہ یہ مجھ سے بڑا زاہد ہے''

ابو حازمؒ سے کسی نے پوچھا ''آپکے پاس کیسا (اور کتنا) مال ہے؟ فرمایا ''میرے پاس دو مال ہیں میں ان دونوں کے ساتھ فقر سے نہیں ڈرتا ایک اللہ پر بھروسہ اور دوسرے لوگوں کی چیزوں سے ناامیدی۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپکو فقر کا خوف نہیں؟ فرمایا کہ میں فقر سے کیسے ڈر سکتا ہوں جبکہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان اور تحت الثریٰ تک ہر چیز میرے مولا کی ہے۔ یہ بات ذہن نشین کرلو کہ جس کی فکر دنیا ہی کی ہوتی ہے اللہ اس کا

شیرازہ بکھیر دیتے ہیں اور اس کے فقر کو اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتے ہیں اور دنیا سے اسے وہی ملتا ہے جو اس کے لئے لکھ دیا گیا۔ اور جس کی نیت آخرت کی ہوتی ہے اللہ اس کی شیرازہ بندی فرما دیتے ہیں اور اس کے دل میں غنا ڈال دیتے ہیں اور دنیا ذلیل ہو کر اسکے پاس آتی ہے اور جس نے ساری فکروں کو چھوڑ کر ایک فکر اختیار کر لی (یعنی آخرت کی فکر) تو اللہ اس کی ساری فکروں کے لئے اسے کافی ہو جائیں گے اور یہ بات یاد رکھو کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اور مال میں بہت بڑی بیماری ہے پھر آگے یہ آیت تلاوت فرمائی:

''یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ''

(سورۃ مومن: ۳۹)

ترجمہ ''بھائیو! یہ دنیا کی زندگی (چند روزہ) فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے''

نبی اکرم ﷺ دنیا کی حقارت اور اس کا گھٹیا پن بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''دنیا آخرت کے مقابلے میں ایسی ہی ہے جیسے کوئی سمندر میں انگلی ڈال کر نکال لے تو وہ دیکھ لے کہ (اس کی) انگلی کے ساتھ کیا آیا ہے'' (مسلم)

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ ''اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتے'' (ترمذی)

یہ بھی ارشاد فرمایا: ''دنیا سرسبز اور میٹھی ہے اور اللہ تمہیں اس میں بھیجے گا اور دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ پس بچو دنیا سے اور بچو عورتوں سے'' (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب پر لعنت کی گئی ہے سوائے اللہ کے ذکر کے اور جس کو وہ گھیرے ہوئے ہے اور عالم اور متعلم'' (ترمذی)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان ارشادات کو حرز جان بنایا تو پھر ان کے خوف خدا اور دنیا کی بے رغبتی کے وہ نمونے سامنے آئے جو آسمان دنیا کی آنکھ نے کبھی نہ دیکھے تھے۔ وہ لوگ ہر وقت اپنی نیکیوں کے برباد ہونے سے ڈرتے تھے حالانکہ خدا نے ان سے مغفرت

کا وعدہ بھی فرما رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ بعض جائز امور کر کے بھی روتے تھے۔

کسی آدمی نے تابعین سے کہا کہ ”تمہارے اعمال رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ ہیں لیکن وہ تم سے بہتر ہیں۔ کیونکہ ان میں دنیا کی بے رغبتی زیادہ تھی“

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ”اگر تم قسم کھا کر مجھے کسی آدمی کے بارے میں کہو کہ وہ تم میں سب سے زیادہ زاہد ہے تو میں تمہیں اس آدمی کے بارے میں قسم کھا کر کہوں گا کہ وہ تم سب سے بہتر ہے“

علمائے کرام نے زہد کی تین قسمیں بیان کی ہیں (۱) فرض زہد (۲) فضیلت والا زہد (۳) اور سلامتی والا زہد۔ فرض زہد وہ حرام میں زہد اختیار کرنا ہے اور فضیلت والا زہد وہ حلال میں زہد اختیار کرنا ہے اور سلامتی والا زہد وہ شبہات میں زہد اختیار کرتا ہے لیکن یاد رہے کہ زہد صرف اسی چیز میں ہوتا ہے جس پر قدرت ہو۔

ابن مبارکؒ سے کسی نے کہا ”اے زاہد“ تو انہوں نے فرمایا ”حقیقی زاہد تو وہ عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں کہ جب دنیا ان کے پاس ذلیل ہو کر آئی تو انہوں نے اس کو ترک کر دیا۔ رہی بات میرے بارے میں تو میں نے کسی چیز میں زہد کیا ہے؟“

لیکن ایک سچا مومن آخرت کے بارے میں تھوڑے پر قناعت کر کے زاہد نہیں بنتا بلکہ وہ آخرت کا سب سے زیادہ حریص ہوتا ہے۔ ایک آدمی نے کسی نیک آدمی سے کہا میں نے آپ سے بڑا کوئی زاہد نہیں دیکھا تو وہ کہنے لگے کہ تم مجھ سے بڑے زہد ہو میں نے تو فانی دنیا میں زہد اختیار کیا اور تم نے آخرت میں زہد اختیار کیا تو بھلا تم سے بڑا کون زاہد ہے؟

سچے اہل ایمان رب تعالیٰ کی محبت میں فنا ہوتے ہیں کہ جب انہوں نے اللہ جل شانہ سے دنیا کی مذمت کو سنا کہ اللہ نے اس کو بے وقعت بنایا ہے اور اپنے دوستوں کے لئے اس کو پسند نہیں کیا تو ان کو اللہ عز و جل سے حیا آئی کہ اللہ ان کا میلان اس چیز کی طرف دیکھے جس کی اس نے مذمت بیان کی ہے اور جس سے وہ راضی نہیں۔ اللہ اچھے عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے تقویٰ اور یقین والوں کا ایک ذرہ کے برابر عمل اللہ کے نزدیک غفلت والوں کے پہاڑوں جیسے اعمال سے زیادہ وزن دار ہے۔ پس آدمی وہ عمل کرے جو

اس کو نجات دے اور اس آدمی جیسا توکل اختیار کرے جو تقدیر کے لکھے پر راضی ہو۔ لہٰذا جس نے جنت کی رغبت کرتے ہوئے اور دوزخ سے ڈرتے ہوئے اور اللہ عزوجل کی محبت میں دنیا سے بے رغبتی کی اور حلال وحرام کا پاس ولحاظ رکھا تو اس آیت پر ضرور نظر رکھے کہ اس کو اس زہد اور توکل کا اجر کیا ملنے والا ہے:

"وَاَمَّا مَنْ خَافَ.........فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى"

(سورۃ النازعات: ۴۰۔۴۱)

ترجمہ "اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور جی کو خواہشوں سے روکتا رہا اس کا ٹھکانہ بہشت ہے"

زہد کی قرار واقعی حقیقت کو سمجھنے کے لئے آخر میں حضرت مولانا منظور نعمانی کی ایک گراں قدر تحریر کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے تاکہ ناپختہ اور خام عقل وجذبات کے لوگوں کے سامنے زہد فی الدنیا کی سچی تصور آشکار ہو جائے۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں:

"بہت لوگ ناواقفی سے زہد کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی اپنے اوپر دنیا کی ساری نعمتوں اور لذتوں کو حرام کرلے، نہ کبھی لذیذ کھانا کھائے اور نہ ٹھنڈا پانی پیئے اسی طرح اچھا نہ پہنے اور نہ کبھی نرم بستر پر سوئے۔ اگر خدا کبھی کچھ دے تو وہ بھی دے دے۔ زہد کا مطلب رب کے حلال کو اپنے اوپر حرام کر لینا نہیں اور نہ ہی روپیہ پیسہ کو برباد کر لینا ہے بلکہ زہد کا اصل معیار اور تقاضا یہ ہے کہ اس دنیا کی ہر چیز کو خواہ اپنے پاس ہو یا دوسروں کے پاس، ناپائیدار اور فانی سمجھتے ہوئے اس پر بھروسہ نہ کرے اور اس کے بالمقابل رب کے غیبی خزانوں کو غیر فانی اور بھروسہ کے لائق جانے۔ اور زہد کا دوسرا معیار اور اس کی دوسری علامت یہ ہے کہ کسی بھی پہنچنے والی تکلیف پر اس کے اجر وثواب کی رغبت اس مصیبت کے نہ پہنچنے کی آرزو سے زیادہ ہو اور دل میں اس تمنا کی بجائے کہ کاش یہ مصیبت نہ پہنچتی، یہ احساس زیادہ ہو کہ اس پر ملنے والا اجر وثواب اس مصیبت سے زیادہ ہے اور یہ حال اس شخص کا ہو سکتا ہے جس کے دل میں عیش دنیا کے مقابلے میں عیش آخرت کی فکر زیادہ ہو اور یہی زہد کی اصل واساس ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں راحت کی بجائے مصیبت کی تمنا ہو کیونکہ حدیث میں اس کی صریح ممانعت آئی ہے اور عافیت کے مانگنے کا حکم آیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''خدا سے عافیت مانگو'' لہٰذا معلوم ہوا کہ بندہ تکلیف کا سوال تو نہ کرے مگر در پیش آ جانے پر زہد کے تقاضا کے مطابق اس کے اجر وثواب کو اس کی اذیت سے زیادہ مرغوب و محبوب رکھے۔ ان دونوں باتوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لیا چاہیئے۔

(معارف الحدیث جلد ۲ ص ۱۰۱۔۱۰۲ ملخصاً)

دوسروں کے ساتھ انس ومحبت اور بغض و عداوت میں صدق وسچائی

انس ومحبت بھی ایمان کی ایک خاص اور لازمی صفت ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ خود نبی کریم ﷺ انس ومحبت کے پیکر تھے اور بلاشبہ نبی کریم ﷺ کے جملہ شمائل وخصائل اور صفات حمیدہ ومحمودہ عین ایمان اور باعث نجات ہیں اخلاق نبوی اور تعلیمات اسلامیہ سچی دوستی کے جذبات کا خیر مقدم کرتی ہیں اور مومنین کو اس دوستی کو خالص اللہ کے لئے کرنے کی اور اللہ ہی کے لئے باقی رکھنے کی ترغیب دیتی ہیں اور اس پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''جس دن اللہ کے سایے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا اس دن سات آدمی اللہ کے سایے کے نیچے ہونگے (۱) عادل بادشاہ (۲) وہ جوان جس کی پرورش اللہ کی عبادت میں ہوئی ہو (۳) اور وہ آدمی جس کا دل مسجد سے نکلنے کے بعد لوٹنے تک مسجد ہی کے ساتھ اٹکا ہو (۴) وہ دو آدمی جن میں آپس میں محبت اللہ کے لئے ہو اسی پر اکٹھے ہوں اور اس پر جدا ہوں (۵) اور وہ آدمی جو اکیلے میں اللہ کا ذکر کر رہا ہو اور اس کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو جائیں (۶) اور وہ آدمی جس کو حسب ونسب والی عورت بلائے اور وہ یہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۷) اور وہ آدمی جو اس طرح سے چھپا کر صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے کہ دائیں نے کیا خرچ کیا ہے۔ (بخاری)

سچی دوستی کے بارے میں حضور ﷺ نے گذشتہ قوموں کے ایک شخص کا قصہ بیان

کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ایک آدمی اللہ کی رضا کے لئے اپنے بھائی کی ملاقات کے لئے جارہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجا'' اس نے پوچھا۔ ''کہاں جارہے ہو؟'' اس آدمی نے جواب دیا ''میرا فلاں بھائی کی زیارت کا ارادہ ہے'' اس فرشتہ نے کہا ''تمہیں اس سے کوئی کام ہے؟'' اس نے کہا ''نہیں'' فرشتے نے کہا ''تمہارے اور اس کے درمیان کوئی رشتہ داری ہے؟'' اس نے کہا ''نہیں'' فرشتے نے کہا ''تمہارا کوئی اس پر احسان ہے؟'' اس نے کہا ''نہیں'' فرشتے نے کہا ''پھر کیوں جارہے ہو؟'' اس نے کہا ''میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں'' (یہ سب جوابات سن کر) اس فرشتے نے کہا ''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس یہ بتلانے کے لیے بھیجا ہے کہ تمہاری اس محبت کی وجہ سے اللہ بھی تم سے محبت کرتا ہے اور جنت کو تمہارے لئے واجب کردیا ہے'' (مسلم)

سچا دوست وہ ہے جس کی دوستی واضح اور صاف ہو عربی زبان میں دوست کو ''صدیق'' کہتے ہیں اور یہ لفظ ''صدق'' سے ہے جس کا معنیٰ ''سچ'' ہے۔ یعنی وہ دوست کے ساتھ محبت اور خیر خواہی میں سچا ہو۔

ایک حدیث قدسی میں رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''میری محبت ان لوگوں کے لئے واجب ہے جو میری وجہ سے آپس میں محبت کرتے ہیں اور میری محبت واجب ہے ان لوگوں کے لئے جو میری وجہ سے آپس میں ملاقات کرتے ہیں۔ اور میری محبت واجب ہے ان لوگوں کے لئے جو میری رضا کے لئے آپس میں خرچ کرتے ہیں اور میری محبت واجب ہے ان لوگوں کے لئے جو میری رضا کے لئے باہم دوستی کرتے ہیں'' (مسند احمد)

ایک حدیث میں ہے کہ ''اچھے دوست کی مثال مشک والے کی سی ہے اگر تم کو اس سے اور کچھ نہیں ملے گا تو کم از کم خوشبو تو ملے گی اور برے دوست کی مثال دھونکنی والے کی سی ہے کہ اگر اس کی سیاہی نہ بھی ملی تو دھواں تو ملے گا ہی'' (ابوداؤد)

فتنے میں پڑے ہوئے غبی دوست کے شر سے رب تعالیٰ نے ہمیں ڈرایا ہے کہ اس کی صحبت اور ہم نشینی بری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ.........وَكَانَ الشَّيْطٰنُ

لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلاً'' (سورۃ الفرقان: ۲۷۔۲۹)

''اور جس دن (ناعاقبت اندیش) ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا (اور کہے گا) کہ اے کاش! میں نے پیغمبر کے ساتھ رشتہ اختیار کیا ہوتا ہائے شامت کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا اس نے مجھ کو (کتاب) نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے''

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ.........وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ'' (سورۃ الجاثیہ: ۱۹۔۲۰)

''اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور خدا پرہیزگاروں کا دوست ہے اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے''

قیامت کے دن برے دوستوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۔

(سورۃ الزخرف: ۶۷۔۶۸)

''(جو آپس میں) دوست (ہیں) اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیزگار (کہ باہم دوست ہی رہیں گے) میرے بندو! آج تمہیں نہ کچھ خوف ہے اور تم غم ناک ہو گے''

ان آیات کی روشنی میں آدمی کو ایک ایسا سچا اور دیندار دوست بنانا چاہئے جو کتاب و سنت کو لازم پکڑنے والا اور خرافات و بدعات سے دور رہنے والا ہو کیونکہ بدعتی دوست کی بدعت کی برائی آدمی تک پہنچ سکتی ہے ان بدعتیوں اور نفس پرستوں کے شر سے بچنے کے لئے ان سے کنارہ کشی لازمی ہے۔

عقلمندوں کا کہنا ہے کہ ایسے آدمی کو دوست بناؤ کہ جب تو اس کی خدمت کرے تو وہ تیری حفاظت کرے اور جب تو اس کے ہمراہ ہو تو وہ تجھے آراستہ کرے اور جب تمہاری گزر اوقات کی کوئی صورت نہ بن پڑے تو تمہاری کفالت کرے اور اس آدمی کو دوست بنا کہ جب تو اپنا ہاتھ کسی خیر میں اس کی طرف بڑھائے تو وہ بھی بڑھائے جب تمہاری کوئی اچھائی دیکھے تو اس کو شمار میں لائے اور اگر کوئی برائی دیکھے تو اس کو ٹھیک کرے۔ اور دوستی اس سے کر کہ جس سے تو مانگے تو وہ عطا کرے۔ اور اگر تو بولنا بند کر دے تو وہ شروع کرے اور اگر تجھ پر کوئی مصیبت آ جائے تو شریک غم ہو۔ اور اس سے دوستی کر کہ جب تو کوئی بات کرے تو تیری بات کی تصدیق کرے اور اگر تم دونوں کسی بات کی کوشش کرو تو وہ تمہاری بات مانے اور اگر تمہارا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو وہ تمہیں ترجیح دے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ''میں آپ سے اللہ کے لئے بھائی چارہ قائم کرنا چاہتا ہوں'' آپؓ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ بھائی چارے کے کیا حقوق ہیں؟ عرض کیا کہ ''آپ مجھے بتا دیجئے'' آپؓ نے فرمایا کہ ''تم اپنے دینار اور درہم کے مجھ سے زیادہ حقدار نہیں ہو گے'' اس آدمی نے کہا مجھے ابھی تک یہ مرتبہ نصیب نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''پھر آپ یہاں سے تشریف لے جائیں''

کسی نیک آدمی کا قول ہے ''جس کی کلفت جاتی رہی اس کی الفت قائم ہوگئی اور جس کی مشقت ہلکی ہوگئی اس کی محبت دائم ہوگئی''

اور جس کلفت کے ختم ہونے سے انس و محبت پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ نفرت و وحشت ختم ہوتی ہے اس کی نشانی یہ ہے کہ ایک بھائی اپنے بھائی کے گھر میں چار کام کرے اس کے گھر میں کھانا کھائے۔ اس کے ہاں بیت الخلاء میں داخل ہو اور نماز پڑھے اور اس کے ساتھ سوئے۔ جب اس نے یہ کام کر لیے تو بھائی چارہ مکمل ہو گیا تو اس کا وہ انقباض ختم ہو جائے گا جو وحشت کا سبب ہے۔ اور انس اور بے تکلفی قائم ہو جائے گی۔

کسی باخدا شخص کا قول ہے کہ نیک بھائی جیسا کوئی کہاں ہو سکتا ہے؟ کہ جب آدمی

مرتا ہے تو اس کے گھر والے اس کی میراث کو تقسیم کر لیتے ہیں اور اس کے ترکہ سے نفع اٹھاتے ہیں اور نیک بھائی اکیلا ہی غمگین ہوتا ہے اور اس کے بھائی کو جو چیز پسند ہے اس کو اہمیت دیتا ہے۔ رات کی تاریکی میں اس کے لئے دعا و استغفار کرتا ہے۔ حالانکہ وہ منوں مٹی کی تہوں کے نیچے دبا ہوتا ہے۔ اور دوست کو چاہیے کہ وہ دوست سے وفادار ہو اور اس کے بھائی چارے پر حریص ہو۔

حضرت ابوالدارداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تمہارے بھائی میں کوئی تبدیلی آ جائے اور وہ پہلی حالت پر نہ رہے تو اس وجہ سے اسے نہ چھوڑو کیونکہ تمہارا بھائی اگر کبھی ٹیڑھا ہوتا ہے تو دوبارہ کبھی سیدھا ہو جائے گا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تمہارا دوست تمہارے دشمن کی اطاعت کرے تو وہ دونوں تمہاری عداوت میں ایک ہو گئے۔ یہ بھی جان لو کہ دوستی موت سے ختم نہیں ہوتی اس کا ختم کرنا اجر و ثواب کو ختم کر دیتا ہے دوست کے مرنے کے بعد آدمی کے ذمہ ہے کہ وہ اپنی دوستی کو دوست کی اولاد اور اس کے دوسرے قریبی رشتہ داروں تک بھی پہنچائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک بڑھیا آئی آپؐ نے اس کا اکرام فرمایا۔ کسی نے اس بڑھیا کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا یہ بڑھیا خدیجہ کے زمانے میں بھی ہمارے پاس آتی تھی۔ اور زمانے کی تعظیم کرنا دین ہے۔ (حاکم)

یاد رہے کہ بھائی چارے کے خصوصی تعلقات عوام الناس کے ساتھ عام محبت و سلوک کے برتاؤ میں رکاوٹ نہیں ہیں ورنہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سمیت تمام اجتماعی عبادات میں جیسے باجماعت نمازیں، جمعہ اور عیدین وغیرہ کی ادائیگی میں حرج آئے گا اس لئے باہمی محبت کے خصوصی اور عمومی دونوں قسم کے تعلقات کے حدود کی رعایت لازم ہے تا کہ باہمی حقوق کا ضیاع نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی دوسرے کے شر اور فساد کو بدلنے پر قادر نہ ہو تو پھر اس سے کنارہ کشی میں کوئی حرج نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا ”کون سے لوگ افضل ہیں؟“ آپؐ نے فرمایا ”وہ مومن جو اپنی جان اور مال کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرے عرض کیا گیا ”پھر کون ہے؟“ آپؐ نے فرمایا ”وہ

آدمی جو کسی گھاٹی میں اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو" (بخاری، مسلم)

لیکن دوسری طرف حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے: "وہ مومن جو لوگوں میں رہ کر ان کی ایذا پر صبر کرے وہ اس مومن سے بہتر ہے جو نہ لوگوں میں رہے اور نہ ہی ان کی اذیت پر صبر کرے" (مسند احمد، ابن ماجہ)

یقیناً ایک سچا مومن باوقار نرم اور مانوس ہوتا ہے نہ کہ تند مزاج، درشت اور متوحش۔

دوستی کا دوسرا پہلو عداوت ہے۔ عداوت میں بھی رب تعالیٰ اور اس کے رسول نے صدق وعدالت کا حکم دیا ہے وہ یہ کہ کسی کی عداوت میں نہ تو اس کے خلاف جھوٹ بولا جائے اور نہ اس سے اپنے اوپر کیے گئے ظلم کا بدلہ لینے کے لئے حد اور حق سے تجاوز کیا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یَاایُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ شُھَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَایَجْرِ مَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی" (المائدہ: ۷)

"مومنو! خدا کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو، انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے"

علماء کرام فرماتے ہیں ظلم کا بدلہ اتنا لینا جتنا ظلم ہے یہ انصاف اور عدل ہے البتہ اس سے زیادہ لینا، حد سے تجاوز کرنا اور ظلم ہے۔ غرض دشمنی میں بھی خدا کی مقررہ حدود کی رعایت رکھنا عداوت کا "صدق" ہے۔

اسی عداوت کا ایک پہلو اپنے جائز حقوق کی وصولی اور جائز اختیارات کا استعمال ہے۔ اسلاف علماء اکابر اپنے حقوق کی رعائیت میں بھی عدالت اور صدق سامنے رکھتے تھے۔ اپنے ماتحتوں اور شاگردوں کو سزا دینے میں نفس کی خواہشات سے خود کو خالی اور صاف رکھتے تھے۔

حضرت تھانویؒ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک شاگرد کو سرِ دست اس لئے سزا نہ دی کہ

اس وقت غصہ کا غلبہ تھا۔

غرض اپنے ظلم کا بدلہ ہو یا حق کی وصولی، کسی اختیار کا استعمال ہو یا کسی کی تعلیم وتربیت ان سب میں اپنے طیش، غضب اور نفس کی آمیزش سے خود کو بچانا یہ عداوت اور غضب میں صدق وعدالت ہے۔

اس عداوت کا سب سے اہم پہلو اپنے دشمن کو پہچاننا بھی ہے، دشمن کے پہچاننے میں صدق یہ ہے کہ اس دشمن کے ضرور کو پہچانا جائے جو حقیقی دشمن ہے اور ہماری خواہشات کا غلبہ یا عقل کی کجی اس کو دوست سمجھتی ہے۔

''معرفت عدو'' یعنی دشمن کے پہچاننے میں صدق یہ ہے کہ ہم اپنے حقیقی دشمن کو پہچانیں آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں رب تعالیٰ نے کس کو ہمارا حقیقی دشمن قرار دیا ہے تا کہ ہم اس کو پہچانیں اور اس کو اپنا دشمن سمجھیں بھی اور اس سے عداوت بھی رکھیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ...... مِنْ اَصْحَابِ السَّعِیْرِ۔ (فاطر: ۶)

''شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے تا کہ وہ دوزخ والوں میں ہوں''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:''دل میں دو خیال آتے ہیں ایک فرشتہ کی طرف سے (اور) وہ خیر کی امید دلاتا اور حق کی تصدیق کرتا ہے جس (کے دل) میں یہ خیال ہو وہ جان لے کہ یہ خیال خدا کی طرف سے ہے لہٰذا وہ خدا کی حمد وثناء بیان کرے اور ایک دشمن (شیطان) کی طرف سے خیال ہے وہ شر کی امید دلاتا اور حق کی تکذیب کرتا اور خیر سے روکتا ہے لہٰذا جس (کے دل) میں یہ ہو اس کو چاہیے کہ وہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ چاہے۔ پھر آپؐ نے خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد تلاوت فرمایا:

اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَاءِ''

(سورۃ البقرہ: ۲۶۸)

''(اور دیکھنا) شیطان (کا کہنا نہ ماننا کہ وہ) تمہیں تنگدستی کا خوف

دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے'' (ترمذی)

اس حدیث کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں خیالات ہیں جو دل میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے خیال اور دشمن کی طرف سے خیال اللہ کا رحم ہو اس بندے پر جو اپنے خیال سے واقف ہو۔ تو جو اللہ کی طرف سے ہو اس کو نافذ کرے اور جو خیال اس کے دشمن کی طرف سے ہو تو اس سے لڑے۔

شیطان اولاد آدم کے دل پر چمٹا ہوتا ہے۔ جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو پیچھے ہو جاتا ہے اور جب ذکر سے غافل ہوتا ہے تو وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا پس ہم اس کے فریب اور وساوس سے بچیں وہ انسان کے ہر راستے پر بیٹھا ہوا ہے۔ اسلام اور ہجرت اور جہاد کے راستے میں۔ اور ہمیشہ اس کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ جو حصہ اس نے اپنے ذات کے لئے متعین کیا ہے وہ مقرر شدہ حصہ بندوں سے لے کر رہے۔ کیونکہ اس نے کہا ہے:

''لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا''

(سورۃ النساء: ۱۱۸)

''میں تیرے بندوں سے (غیر خدا کی نذر دلوا کر مال کا) ایک مقرر حصہ لے لیا کروں گا''

اس لئے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ بندوں کو سات گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں ٹھہرائے۔ کفر، بدعت، گناہ کبیرہ، صغیرہ، کم فضیلت والے امور کو زیادہ فضیلت والے امور پر مقدم کرنا یا مباح چیزوں میں اسراف کرنا پھر اگر اس میں کامیاب نہ ہو تو ان کو روکنے کے لئے اذیتیں دیتا ہے اور اس ساتویں گھاٹی سے انبیاء تک چھٹکارا نہیں پاتے۔ شیطان سوتا بھی نہیں اور اگر وہ سو جاتا تو ہماری جان نہ چھوٹ جاتی؟ وہ شر میں بڑا صاحب فہم و ادراک ہے۔ شر میں اس کے صاحب فہم ہونے کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ انسان کو اس کی بعض نیکیوں پر خوش کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے اچھا کام کیا اور شیطان ہمیشہ انسان کے لئے خلاف حقیقت چیزوں کی تصویر کشی کرتا ہے۔ بری چیزوں کو اچھی صورت میں ظاہر کرتا ہے اور چیزوں کے ناموں کو بدل دیتا ہے۔ اور نفسوں میں وہ چیز ڈالتا ہے جس کی وہ

خواہش کرتے ہیں اور جس کو وہ پسند کرتے ہیں جیسا کہ ہمارے باپ آدم علیہ السلام کے ساتھ کیا اور انہیں یہ کہا:

هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى۔

(سورۃ طہٰ: ۱۲۰)

''(شیطان نے انہیں یہ کہا کہ اے آدم!) بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو''

یوں شیطان نے اس شجرہ ممنوعہ کا نہایت پرکشش نام رکھ کر حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں اس کے کھانے کا وسوسہ پیدا کر دیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ شیطان بالطبع انسان سے مختلف بھی ہے اور دور بھی اور جبلی طور پر ہر خیر سے بھی کوسوں دور ہے اب شیطان کے تصرف سے نجات کی فقط ایک ہی صورت ہے کہ ہم اپنے دل سے خواہشات کو نکال دیں یا کم از کم ان پر غالب آ جائیں۔ اس کی آسان صورت لمبی لمبی آرزوؤں اور امنگوں سے دل کو خالی کر لینا ہے کہ شیطان سب سے پہلے انہی کو ہی جال بنا کر آدمی پر پھینکتا ہے اس لئے دل کو بیدار رکھیں، نیکیوں کا شعور رکھیں خیر اور اس کے علم کے پیچھے چلیں اور شر اور باطل خواہش سے کنارہ کش ہوں۔

آدمی کو چاہئے کہ وہ دل میں جو بات آتی ہے اس کو سوچنے سے پرہیز کرے۔ کیونکہ خیال چاہت بن جاتا ہے اور چاہت ارادہ بن جاتی ہے پھر ارادہ فعل بن جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ابلیس کبھی بھی ہم سے غافل نہیں ہوتا نہ خاموشی میں نہ کلام میں نہ نماز میں نہ روزہ میں، نہ خرچ کرنے میں نہ روکنے میں، نہ سفر میں نہ حضر میں نہ خلوت میں نہ جلوت میں نہ بردباری میں نہ جلد بازی میں، نہ دیکھنے میں نہ آنکھیں جھکانے میں نہ سستی میں نہ چستی میں، نہ ہنسی میں نہ رونے میں، نہ غم میں نہ خوشی میں، نہ صحت میں نہ بیماری میں، نہ علم میں نہ جہل میں، نہ حرکت میں نہ سکون میں نہ توبہ میں نہ گناہوں پر اصرار میں بے شک شیطان آدمی عزم کے کمزور کرنے میں اور اس کی نیت میں فتور ڈالنے میں اور توبہ کے موخر کرنے میں برابر اپنی

محنت وکوشش جاری رکھتا ہے اور وہ بندے کی طاعت کو ایک وقت سے دوسرے وقت تک ٹالتا رہتا ہے۔ اور ان کاموں میں جلد بازی کرواتا ہے جن میں تاخیر نقصان دہ نہیں تاکہ خیر سے کاٹ دے۔ پھر نیکی اور طاعت میں مشغول ہونے کے وقت وہ آدمی کو ضروریات یاد کرواتا ہے تاکہ وہ اسے اس خیر سے ہٹا دے جس میں وہ لگا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کی اور اس کے دوستوں کی کیفیت میں رب کی سچی اور صادق وحی کو لازم پکڑا جائے۔ کیونکہ اللہ نے شیطان کو بندوں کے گمراہ کرنے میں غلبہ نہیں دیا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا" (سورۃ النساء:۷۶)

"بے شک شیطان کا داؤ بودا ہوتا ہے"

اسی بات کو سورۂ بنی اسرائیل میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

"اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ" (سورہ بنی اسرائیل:۶۵)

"بے شک جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں"

اس ان دیکھے دشمن سے بچنے کی ایک ہی راہ ہے کہ ہر وقت رب سے لو لگائے رکھے اور اسی رب سے استخارہ کرے، اس کے نیک بندوں سے مشورہ کرے، خدا سے اس کی حفاظت و پناہ کا سوال کرے کہ رب سے زیادہ مضبوط پناہ کسی کی نہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ شیطان کے آنے کے دروازے بھی بند کرے، حسد، بغض، کینہ، حرص، بسیار خوری، بخل، عجلت، فقر کا اندیشہ، تعصب تہمت اور بدگمانی وغیرہ کو علماء نے شیطان کے داخل ہونے کے دروازوں میں شمار کیا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ ان اخلاقی بیماریوں سے اپنا دامن آلودہ نہ ہونے دے۔ اور جہاں شیطان کوئی چوکا مارے وہیں رب کو یاد کرے کہ اس کی یاد ہی شیطان سے حفاظت کی پناہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ" (سورۃ الاعراف:۲۰۱)

"جو لوگ پرہیزگار ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ

پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور (دل کی آنکھیں کھول کر) دیکھنے لگتے ہیں"

اسی لئے دشمن ابلیس کی واقفیت اس کے وساوس اور اس کے ساتھیوں کے مکروں سے بچنے میں بھی سچ ضروری ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں "چوری چھپے شیطان کا دوست ہونے اور کھلے بندوں اس کا دوست ہونے سے بچو"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ"

(آل عمران:۱۰۱)

"اور جس نے خدا (کی ہدایت کی رسی) کو مضبوط پکڑ لیا وہ سیدھے رستے لگ گیا"

رب تعالیٰ سے حیاء کرنے میں سچائی

انسان کی سیرت سازی اور کردار کی تعمیر میں اس فطری اور بنیادی وصف کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ خلق آدمی کو بہت سے خیر کے کاموں پر آمادہ کرتا ہے اور بہت سی برائیوں سے بچاتا ہے حیاء یہ انسان میں نیکیوں، شرافتوں اور مروتوں کی جڑ ہے اور بے حیائیوں اور فواحش سے اس کی نگران و نگہبان ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے اور اس کی تعلیم پر بہت زیادہ آمادہ کیا گیا ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "حیا خیر ہی کو لاتی ہے" (بخاری، مسلم)

انہی سے روایت ہے کہ "حیا ساری کی ساری خیر ہے" (مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "ایک دن حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا "اللہ تعالیٰ سے حیا کرو جیسا کہ اس سے حیا کرنے کا حق ہے" صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم حیا کرتے ہیں آپ نے فرمایا "یہ وہ حیا نہیں، جو اللہ تعالیٰ سے

ایسا حیا کرتا ہے جیسا کہ حیا کرنے کا حق ہے تو وہ سر اور سر کے متعلقات کی حفاظت کرتا ہے اور پیٹ اور پیٹ کے متعلقات کی حفاظت کرتا ہے۔ موت اور (قبر میں جا کر) بوسیدہ ہو جانے کو یاد کرتا ہے۔ اور جو آخرت کا ارادہ کرلیتا ہے وہ دنیا کی زینت کو چھوڑ دیتا ہے۔ جس نے ایسا کرلیا تحقیق اس نے اللہ سے ایسی حیا کی جیسا کہ حیا کا حق ہے۔ (مسند احمد)

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "میں نے عرض کیا" اے اللہ کے رسول! ہم اپنی ستر پوشی کتنی کریں اور کتنی رہنے دیں" آپ نے فرمایا کہ "بیوی اور باندی کے علاوہ سب سے شرمگاہ کی حفاظت کر" میں نے عرض کیا" اے اللہ کے رسول! اگر لوگ آپس میں اکٹھے ہوں تو؟" آپ نے فرمایا کہ "اگر تو ایسا کر سکے کہ کوئی ستر کو نہ دیکھے تو کسی کو ستر نہ دکھا میں نے عرض کیا" اے اللہ کے رسول! جب ہم میں سے کوئی اکیلا ہو تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے لوگوں سے زیادہ حیا کی جائے" (مسند احمد، ترمذی)

حیاء ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے اسی طرح ایک صحیح حدیث میں وارد ہے کہ "بے حیائی کفر کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے" حضرت ابو مسعود عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، "پہلی نبوت کی باتوں میں سے لوگوں نے جو باتیں سمجھیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "جب تمہیں حیا نہ ہو تو جو چاہو کرو" (بخاری)

یاد رہے کہ اس حدیث میں "امر" سرزنش اور وعید کے لئے ہے نا کہ بے حیائی کے کاموں کی اجازت ہے، مطلب یہ ہے کہ جب حیا نہ ہو تو جو چاہے کام کرو اس کا بدلہ تمہیں مل جائے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ اِنَّہٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ"

(سورۃ حٰم سجدہ:۴۰)

"جو چاہو سو کرلو جو کچھ تم کرتے ہو وہ (اللہ) اس کو دیکھ رہا ہے"

ایسے ہی ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

"فَاعْبُدُوْا مَاشِئْتُمْ مِنْ دُوْنِہٖ" (سورۃ الزمر:۱۵)

"تو تم اس کے سوا جس کی چاہے پرستش کرو"

علماء کرام نے اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے جس نے حیاء نہیں کی اس نے جو چاہا کیا۔ کیونکہ برے کاموں سے روکنے والی چیز وہ حیاء ہی ہے۔ لہٰذا جس کو حیاء نہ رہی وہ ہر برے اور بے حیائی کے کام میں منہمک ہو جاتا ہے۔

ایک مطلب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب کسی نے ایسا کام کرنے کا ارادہ جس سے اللہ اور اس کے بندوں دونوں سے حیاء کھانی چاہئے اور وہ پھر بھی رکنے سے باز نہ آئے تو اس کام کو جیسے چاہے کرے۔

حیاء کئی قسم کا ہے ایک حیاء وہ ہے جو آدمی میں پیدائشی اور خلقی طور پر ہو یہ خدا کی بندے پر وہ نعمت ہے جس کی وجہ سے وہ گھٹیا اخلاق اور برائی کے ارتکاب سے رک جاتا ہے اور پسندیدہ اور اعلیٰ اخلاق اختیار کرتا ہے اس اعتبار سے یہ بھی ایمان کی خصلتوں میں سے ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو حیاء کرتا ہے وہ چھپتا ہے اور جو چھپتا ہے وہ بچتا ہے اور جو بچتا ہے اس کی حفاظت ہوتی ہے۔

بعض صوفیاء کا قول ہے کہ میں نے چالیس سال تک حیاء کی وجہ سے گناہوں کو چھوڑے رکھا پھر مجھے پرہیز گاری مل گئی۔

کسی باخدا عارف کا قول ہے کہ ''میں نے معاصی میں کمینگی دیکھی تو ان کو مروت کی وجہ سے چھوڑ دیا پھر مجھے ان کا کرنا ہی ناممکن ہو گیا''

حیاء کی دوسری قسم وہ ہے کہ جو رب تعالیٰ کی معرفت وعظمت اور اس کے قرب کے اس احساس کی وجہ سے پیدا ہو کہ وہ خدا دلوں کے بھید اور نگاہوں کی خیانت تک کو جانتا ہے تو کوئی گناہ یا برائی اس سے کیونکر چھپی رہ سکتی ہے، یوں وہ رب کی نافرمانی سے باز آجاتا ہے۔ یہ ایمان کی اعلیٰ خصلتوں اور احسان کے اعلیٰ درجات میں سے ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا ''اللہ سے ایسے حیاء کر جیسے تو اپنے قبیلے کے صالح آدمی سے حیا کرتا ہے'' (سنن)

حیاء کو کسب ومحنت سے بھی اپنے اندر پیدا کیا جاسکتا ہے، وہ یوں کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کرے کیونکہ رب کی نعمتوں کے شکر میں کمی کے احساس سے بھی حیاء پیدا ہوتی ہے جب بندے سے کسبی یا فطری حیاء سلب ہو جائے تو پھر کوئی چیز باقی نہیں رہتی جو اسے

برائی کے ارتکاب اور گھٹیا اخلاق سے روکے۔ اس کی حالت ایک ایمان سے خالی شخص کی سی ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''حیاء اور ایمان دونوں ساتھی ہیں جب حیاء چلی جائے تو ایمان بھی اس کے پیچھے ہو لیتا ہے''

صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی اکرم ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو حیاء کے بارے میں ڈانٹ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ کیا تو حیا کرتا ہے؟ گویا کہ یوں کہہ رہا تھا کہ اس حیاء کرنے نے تجھے خسارے میں ڈالا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو کیونکہ حیاء ایمان کا حصہ ہے'' (بخاری)

کہتے ہیں کہ ایک عورت کا بچہ گم ہو گیا تھا وہ کچھ لوگوں کے پاس بچے کے بارے میں پوچھنے کے لئے ٹھہری۔ ان میں سے ایک نے کہا ''یہ نقاب اوڑھ کر اپنے بچے کے بارے میں پوچھ رہی ہے'' اس عورت نے سن کر کہا کہ ''مجھے بچے کا صدمہ بہتر ہے اس سے کہ مجھے حیاء کا صدمہ پہنچے''

حیاء آدمی کو فرائض کی ادائیگی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے نہیں روکتا ایک مرتبہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حضور ﷺ کے محبوب اور حضور ﷺ کے محبوب کے بیٹے تھے ایک عورت کی حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سفارش کی۔ تو حیاء رسول اللہ ﷺ کو غصے میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہنے سے مانع نہیں ہوئی کہ اے اسامہ! تو اللہ کی حدود میں سے ایک حد میں سفارش کر رہا ہے۔ اللہ کی قسم اگر فاطمہ (بنت محمد ﷺ) بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا'' (بخاری)

حضرت اُم سلیم انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی حیاء نے یہ کہنے سے نہیں روکا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ حق میں شرم نہیں کرتا جب عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر غسل واجب ہوتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ام سلیم سے کہا (اور آپؐ کو بھی حیاء نے یہ کہنے سے نہیں روکا) ''ہاں جب پانی (یعنی منی) دیکھ لے'' (بخاری)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا تو ان کے سامنے مہر کی زیادتی کا مسئلہ پیش

کیا گیا ایک عورت نے آپ سے کہا اے عمر! اللہ تو ہمیں دیتا ہے اور آپ ہم سے روکتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا:

"اٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا"

(سورۃ النساء:۲۰)

"اور پہلی عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لینا"

عورتوں کے حق کی مدافعت کرنے میں حیاء ان کو مانع نہیں ہوئی اور یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی بلا تکلف یہ کہتے ہوئے ذرا تردد نہ ہوا کہ "اے عمر! لوگ تجھ سے زیادہ سمجھدار ہیں"

حیاء کا بیان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی ضد اور نقیض جس کو "بذاءت" کہتے ہیں، کو نہ بیان کر دیا جائے۔ بذاءت یہ بد خلقی، بدکلامی اور تلخ رویے کو کہتے ہیں۔ مسلمان نہ برا ہوتا ہے نہ بدزبان و بے شرم اور نہ سخت اور سنگدل ہوتا ہے کیونکہ یہ سب جہنمیوں کی صفات ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے "حیاء ایمان میں سے ہے اور ایمان جنت میں جائے گا اور بدزبانی سنگدلی میں سے ہے اور سنگدلی دوزخ میں جائے گی۔

جب حیاء اسلام کا مزاج ہے تو اس عمدہ اور کریم مزاج میں مسلمانوں کے لئے نمونہ سید الاولین والآخرین رسول اللہ ﷺ ہیں۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ باپردہ دوشیزہ سے بھی زیادہ باحیاء تھے جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ "حضور اکرم ﷺ جب کسی ناپسندیدہ چیز کو دیکھتے تو اس کو ہم آپ کے چہرہ مبارک سے معلوم کر لیتے تھے" (بخاری)

تنبیہ:

حیا کا ایک نہایت اہم پہلو یہ ہے کہ جہاں بے حیائیوں سے رکنا عین ایمان اور حیاء ہے وہیں بے حیائیوں کو پھیلانے سے رکنا اور دوسروں کو روکنا بھی صفت حیاء کا ایک لازمی رکن ہے۔ ایسے لوگ اللہ اور اس کے رسول کی نگاہ میں نہایت برے ہیں جو معاشرے میں بے حیائی کی باتوں کو پھیلاتے ہیں اور مبنی بر جھوٹ افواہیں اڑا کر معاشرہ میں اخلاقی انارکی پھیلانے کے خواہشمند ہیں یہ لوگ دوسرے کے پاک دامن پر تہمت لگا کر ان کی آبرو پر بٹہ

لگانا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے دنیا میں سخت سزا یہ ہے کہ ان پر بغیر ثبوت کے افواہ اڑانے پر حد جاری ہوگی اور آخرت میں بھی یہ لوگ رسواء ہوں گے اگر سچی توبہ کر کے اس دنیا سے نہ گئے۔

عہد نبوی میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جب منافقین نے صدیقہ بنت صدیق ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ناجائز تہمت لگائی تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں اس کو ''قصہ افک'' کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔ ''افک'' یہ جھوٹی بات کو کہتے ہیں۔ منافق تو منافق تھے ہی مگر بعض سچے مومن بھی اپنی نادانی کی وجہ سے اس افواہ کی لپیٹ میں آ گئے۔ رب تعالیٰ نے حضرت صدیقہ کو تو اس انعام سے نوازا کہ قیامت تک کے لئے قرآن کو ان کی پاکدامنی کا گواہ بنالیا اور منافقین کو تا بہ قیام قیامت رسواء کر دیا۔

یہ قصہ بہت ساری عبرتیں لئے ہوئے ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کو یہاں ذرا تفصیل کے ساتھ نقل کر دیا جائے۔

اس بات پر امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ سورہ نور غزوہ بنی مصطلق کے بعد نازل ہوئی اور یہ سورت ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں نازل ہوئی۔ ابن اسحاق ؒ نے ذکر کیا کہ یہ شعبان ۶ ھ کا قصہ ہے۔ ابن حزم ؒ اور ابن القیم ؒ کا قطعی فیصلہ ہے کہ ابن اسحاق کی روایت ابن سعد کی روایت سے زیادہ صحیح اور راجح ہے۔ اہل افک میں جو ہوا قرآن نے اس کو بیان کیا ہے کہ یہ لوگ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی ساتویں آسمان سے براءت بیان کی گئی کی آبرو کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اس قصہ کو تفصیلاً روایت کیا ہے۔ وہ روایت کتب صحاح میں مذکور ہے۔

اس کا سب سے بڑا ذمہ دار منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی تھا۔ اس نے اس جھوٹی تہمت کو پھیلایا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت صدیق کی ہتک عزت کرنے کی ناپاک امنگ کو آبرومند کرنے کی گھناؤنی نیت کی اور ایسا اس وقت ہوا کہ جب غزوہ سے لوٹنے کے وقت آپ ؓ کی پالکی اٹھانے والوں کو غلط فہمی کی وجہ سے آپ ؓ پیچھے رہ گئیں تھیں وہ

یوں کہ آپ حاجت کے لئے گئیں کہ اتنے میں کوچ کا اعلان ہو گیا وہاں آپ کو تاخیر ہو گئی۔ ادھر آپؓ کے بدن کے ہلکا ہونے کی وجہ سے اٹھانے والوں کو احساس تک نہ ہوا کہ آپؓ پالکی میں موجود نہیں۔ جب آپ لوٹیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا مگر یہ باخدا مومنہ خاتون ڈرنے والی کہاں تھیں خدا کے بھروسے پر بیٹھ رہیں اتنے میں حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قافلے کے پیچھے گری پڑی چیزیں اٹھانے پر مامور تھے وہ آ نکلے قریب آ کر ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا تو تکبیر پڑھی وہ اپنا اونٹ بٹھا کر ایک طرف ہو گئے اور جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس پر سوار ہو گئیں۔ جب یہ دونوں ماں بیٹا باقی قافلہ سے آ ملے تو حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اونٹنی کی لگام پکڑی ہوئی تھی تو اس وقت خدا کے اس دشمن نے کہا ''اللہ کی قسم! نہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چھٹکارا پایا اور نہ صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے۔ اور کہا کہ تمہارے نبی کی بیوی نے ایک آدمی کے ساتھ رات گزاری۔ بعض صالحین نے اس جھوٹ کو بغیر تحقیق کے نقل کر دیا۔ جن میں حضرت حسان حضرت مسطح اور حضرت حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھیں مشہور قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات پر حد قذف جاری فرمائی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ۔

(سورۃ النور:۴)

''اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کا الزام لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں (تو ان کو اسی درے مارو)''

ان تہمت طرازوں کی خدا نے ان الفاظ کے ساتھ سرزنش فرمائی:

لَوْلَا جَاءُوْ عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوْا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولٰئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ۔ (سورۃ النور:۱۳)

''یہ (افتراء پرداز) اپنی بات (کی تصدیق) کے (لئے) چار گواہ کیوں

نہ لائے تو جب یہ گواہ نہیں لا سکے تو خدا کے نزدیک یہی جھوٹے ہیں''

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی اپنی بات میں تو سچا ہوتا ہے مگر گواہ لانے سے عاجز ہوتا ہے تو اس صورت میں وہ خدا کے نزدیک سچا ہوگا۔ گو دنیاوی احکام کے اعتبار سے اس کی بات ناقابل اعتبار ہوگی۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ دنیاوی احکام ظاہر پر ہیں اور دلوں کی باتیں اللہ کے سپرد ہیں بخاریؒ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپؓ نے فرمایا ''اے لوگو! وحی منقطع ہو چکی ہے اور ہم تمہارا مواخذہ ظاہری اعمال سے کریں گے لہٰذا جس نے ہمیں خیر ظاہر کی ہم اسے مانیں گے اور قریب کریں گے اور ہمیں اس کی نیت سے کوئی سروکار نہیں اللہ اس کے دل کی بات کا خود محاسبہ کرے گا اور جس نے ہمارے لیے برائی ظاہر کی ہم اس کی بات نہیں مانیں گے اور نہ ہی اس کی تصدیق کریں گے اگرچہ وہ کہے کہ اس کی نیت اچھی تھی''

اللہ تعالیٰ نے قصہ افک میں بغیر سوچے سمجھے شرکت کرنے والے اہل ایمان کی بھی قرآن کریم میں سرزنش فرمائی ہے۔ ان کے بارے میں ارشاد ہے:

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا۔ (سورۃ النور:۱۲)

''جب تم نے وہ بات سنی تو مومن مردوں اور عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا''

لہٰذا بلند کردار والے مومن مردوں اور عورتوں کو چاہیے تھا کہ وہ اس معاملہ کو اپنے اوپر قیاس کرتے کہ اگر یہ معاملہ ان میں بعید تھا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تو اس سے بہت بعید ہوگا۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کی اہلیہ بھی ایسی ہی راست نظر اور صائب الرائے تھیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری اپنی اہلیہ کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے اپنے خاوند سے کہا ''اے ابو ایوب!'' تم نے سنا جو کہا

جا رہا ہے! انہوں نے کہا ''ہاں'' اور یہ نرا جھوٹ ہے اور اے ام ایوب! کیا تم سے یہ حرکت سرزد ہو سکتی ہے؟ انہوں نے کہا ''نہیں'' تو اس پر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اللہ کی قسم! عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم سے بھی افضل ہے'' ام ایوب نے کہا ''جی ہاں''

اللہ تعالیٰ نے اس جیسے افعال پر اہل ایمان پر عتاب فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ فعل سب سے سرزد نہیں ہوتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِىْ مَا اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ (سورۃ النور ۱۴)

ترجمہ ''اور اگر دنیا و آخرت میں خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات کا تم چرچا کرتے تھے اس کی وجہ سے تم پر بڑا (سخت) عذاب نازل ہوتا''

اور اس سے مراد دنیا و آخرت دونوں کا عذاب ہے یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے سخت عتاب ہے لیکن جو تائب ہو کر آئے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دنیا میں اس کی ستر پوشی کریں گے اور آخرت میں اس پر رحم فرمائیں گے۔ اور ارشاد ہے:

''اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ''
(سورۃ النور: ۱۵)

''جب تم اپنی زبانوں سے اس کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تم کو کچھ علم نہ تھا اور تم اسے ایک ہلکی بات سمجھتے تھے اور خدا کے نزدیک وہ بڑی بھاری بات تھی''

پھر یہ سخت ڈانٹ بیان فرمائی:

---

[1] بندہ محمد آصف نسیم نے اپنی تالیف ''انبیاء کرام کی آزمائشیں'' ص ۴۳۔۴۷ پر اس مسئلہ کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے شائقین حضرات کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہے۔ نسیم

"وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَا.........وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ" (سورۃ النور:۱۶۔۱۸)

"اور جب تم نے اس کو سنا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں شایان نہیں کہ ایسی بات زبان پر لائیں (پروردگار) تو پاک ہے یہ تو (بہت) بڑا بہتان ہے خدا تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر مومن ہو تو پھر کبھی ایسا کام نہ کرنا اور خدا تمہارے (سمجھانے کے) لئے (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے اور خدا جاننے والا حکمت والا ہے"

ان سب آیات میں ایمان والوں کو عتاب ہے یعنی تمہیں چاہیے تھا کہ اس کا انکار کر دیتے اور تم میں سے کوئی اسے کسی سے بھی نقل اور حکایت کے طور پر نہ لیتا اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اپنے نبی ﷺ کی بیوی کو ایسے فعل میں مبتلا کرے اور تم اس کے خلاف یہ فیصلہ کرو کہ یہ نرا بہتان ہے۔

اس مقام پر غیبت اور بہتان کا فرق سمجھ لینا بھی ضروری ہے۔ بہتان یہ کسی کے بارے میں ایسی بات کرنا ہے جو اس میں نہ ہو اور غیبت یہ کسی میں موجود واقعی خطا اور برائی کا اس کی پیٹھ پیچھے ذکر کرنا ہے۔ گو غیبت بھی سخت گناہ ہے مگر بہتان غیبت سے بھی اشد ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس افک وتہمت سے براءت قرآن عزیز کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ اگر کوئی انسان اس میں العیاذ باللہ شک کرے تو وہ باجماع المسلمین کافر اور مرتد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ کا فرمان ہے کہ "انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا"

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا اکرام ہے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کے بارے میں جو خیانت مذکور ہے وہ ایمان[1] کی خیانت ہے کیوں کہ ان دونوں نے اسلام قبول نہ کیا اور ان میں سے ہر ایک اپنے کفر پر برقرار رہی اور اپنے خاوند نبی علیہ السلام کی اتباع نہ کی۔

یہ تہمت جو راس المنافقین عبداللہ بن ابی نے نکالی تھی دراصل دین اسلام کی دعوت کو

طعن کرنے کی کوشش تھی اور اس سے اس منافق نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور آپؓ کے خاوند رسول اللہ ﷺ اور آپؓ کے والد ماجد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کو سخت تکلیف پہنچائی اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا:

''لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ'' (سورۃ النور: ۱۱)

''اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھنا بلکہ وہ تمہارے لئے اچھا ہے''

علماء کرام نے خیر اور شر کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ شر وہ ہے جس کا نقصان نفع سے زیادہ ہو اور حقیقت میں خیر وہ ہوتی ہے جس کا نفع نقصان سے زیادہ ہو اور وہ خیر جس میں کوئی شر نہیں وہ جنت ہے اور وہ شر جس میں کوئی خیر نہیں وہ جہنم ہے۔

بہر حال وہ مصیبتیں اور آزمائشیں جو اولیاء پر نازل ہوتی ہیں وہ خیر ہیں کیونکہ اس کی تکلیف اور نقصان دنیا میں تھوڑا ہے اور اس کی خیر ثواب کی صورت میں آخرت میں بہت زیادہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے اہل کو اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو اپنے اس ارشاد سے تنبیہ فرمائی: ''لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ'' کیونکہ اس سارے قصہ میں نفع اور خیر کی جانب شر کی جانب سے راجح تھی۔

وعدہ پورا کرنا بھی سچ کی ایک شکل ہے

وعدہ پورا کرنا بھی سچائی کی ایک کامل شکل ہے اور بدعہدی وعدہ خلافی جھوٹ کی ایک بری قسم ہے اس لئے قرآن وحدیث میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے کہ وعدوں کو پورا کیا کرو اور اس کو ایک وصف ایمانی قرار دے کر اس کی تعریف کی گئی اور اس بابت ڈانٹ یہ دی گئی ہے کہ روز قیامت وعدہ کی بابت سوال ہوگا نبی کریم ﷺ ہمیشہ وعدہ سچا کر دکھاتے اور وعدہ خلافی سے سخت نفرت فرماتے تھے۔ اس بابت ذیل میں چند ارشادات قرآنی نقل

کیے جاتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وعدہ کی تکمیل کرنے والے بندوں کی تعریف فرمائی ہے:

بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ۔

(سورۃ آل عمران:۷۶)

''ہاں جو شخص اپنے اقرار کو پورا کرے اور (خدا سے) ڈرے تو خدا ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''

اور فرمایا:

اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ۔ (سورۃ الرعد:۱۹۔۲۰)

''اور سمجھتے تو وہی ہیں جو عقلمند ہیں جو خدا کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اقرار کو نہیں توڑتے''

اور فرمایا:

''اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ.....وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عَاهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا'' (سورۃ الفتح:۱۰)

''جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے خدا سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجر عظیم دے گا''

اور فرمایا:

یُوْفُوْنَ بِالنُّذُرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا۔

(سورۃ الانسان:۷)

''یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے جس کی سختی پھیل رہی ہوگی خوف رکھتے ہیں''

دنیاوی معاملات کی نسبت بھی عہد کو پورا کرنے کا رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ ناپ کو پورا دینا گویا عہد کو پورا کرنے کے مترادف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ" (الشعراء:۱۸۱)

"(دیکھو) پیمانہ پورا بھرا کرو اور کم کرنے والوں میں سے نہ بنو"

سب انبیاء کرام علیہم السلام ایک ہی فطری جبلت حیاء اور خلق پر پیدا کئے جاتے ہیں ایک صفت کہ قرآن میں جس کا تذکرہ ایک نبی کی بابت ہو وہ اصولی طور پر سب انبیاء میں پائی جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے کہ وہ وعدے کے پورے تھے تو گویا کہ سب انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت یہی تھی۔ ارشاد ہے:

"وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى" (النجم:۳۷)

"اور ابراہیم کی جنہوں نے (حق طاعت و رسالت) پورا کیا"

اعمال اور اس کی جزاء کا اس کی جنس سے ہی بدلہ دینا بھی وفائے عہد کی ایک صورت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى......... ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْاَوْفٰى" (النجم:۳۹-۴۱)

ترجمہ "اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا"

اور فرمایا:

وَمَاتُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ۔ (سورۃ البقرہ:۲۷۲)

"اور جو مال تم خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا"

انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی سیرتیں وعدوں کو پورا کرنے کی ایسی مثالوں سے لبریز ہیں کہ جن پر ناطقہ سر بگریبان اور خامہ انگشت بدندان رہ جائے۔ اس مختصر رسالہ میں ان سب کا جمع و احصاء تو دشوار ہے البتہ "مشتے نمونہ از خروارے" کے مصداق چند ایک واقعات کو ذکر کیا جاتا ہے تاکہ جہاں اس سے بندہ کا یہ رسالہ آفتاب ایمانی کی کرنوں

سے تاباں و درخشندہ ہو تو وہیں ان کو پڑھ کر ہمارے دل و دماغ بھی ان روشنیوں سے فیروزاں اور منور ہوں۔

☆ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انہوں نے اور ان کے والد نے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کا ارادہ کیا۔ تو مشرکوں نے ان کو پکڑ لیا اور ان سے کہا تم محمد ﷺ کے پاس جانا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا ''ہماری غرض صرف مدینہ کی ہے'' پھر مشرکین نے ان سے عہد و پیمان لیے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مل کر قتال نہیں کریں گے تو حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد صاحب نے اس پر ان کو عہد و پیمان دے دیا پھر دونوں نے ہجرت کی اور مدینہ پہنچ گئے۔ پھر غزوہ بدر کا وقت آ گیا تو دونوں نے اس میں شرکت کرنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو اس عہد و میثاق کا بتلایا جو انہوں نے مشرکین کو دیا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا جاؤ ہم ان کے عہد کو نبھائیں گے اور اللہ سے مدد مانگیں گے۔ (مسلم)

☆ وعدہ پورا کرنا دین میں سے ہے۔ اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ سب سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی بیگمات پر کسی پر اتنی غیرت نہیں کھائی جتنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر کھائی حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں۔ لیکن حضور اکرم ﷺ اکثر ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی حضور ﷺ بکری ذبح فرمایا کرتے اور اس کے اعضاء کاٹ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھیجا کرتے تھے۔ میں کبھی آپ سے عرض کر دیا کرتی کہ گویا کہ دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی عورت ہی نہیں۔ آپ فرماتے وہ تو (ایسی ایسی (خوبیوں کی مالک) تھی اور میری اس سے اولاد ہے۔ آپ بقیع کی طرف جاتے اور بقیع والوں کے لئے دعا کرتے اور ان پر ترحم فرماتے اور فرماتے ''یہ قبریں ظلم سے بھری ہوئی ہیں اور میری ان کے لیے دعا کرنے سے اللہ اس کو منور کر دیں گے۔

اس قصہ میں ہمارے لئے عبرت یہ ہے کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد بھی ان سے محبت کے تعلق کے عہد کو نبھاتے تھے۔

☆ جس وقت حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ حدیبیہ کے دن مسلمانوں سے مدد مانگنے

کے لئے آئے اور نبی اکرم ﷺ ان کے والد سہیل بن عمرو سے صلح نامہ کو آخری شکل دے چکے تھے تو آپؐ نے فرمایا ''اے ابوجندل! صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے اور تمہارے کمزور ساتھیوں کے لیے کشادگی اور راستہ بنادیں گے ہمارا اور ان لوگوں کا آپس میں معاہدہ ہوا ہے۔ اور ہم اس پر ان کو زبان دے چکے ہیں۔ ہم ان سے دھوکہ نہیں کریں گے'' (مسند احمد)

☆ ایسی ہی بات آپؐ نے حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے بھی فرمائی تھی کہ جب وہ اسلام لانے کے بعد مکہ سے مدینہ بھاگ کر چلے آئے تھے۔ ان کے پیچھے ان کا مطالبہ کرنے کے لئے مکہ سے مشرکین دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے صلح حدیبیہ کے عہد کو نبھاتے ہوئے انہیں مشرکین مکہ کے حوالہ کردیا۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''وعدہ پورا کرنا سچ کا ساتھی ہے میں نہیں جانتا کہ کوئی ڈھال اس سے زیادہ کامل ہو۔ اور جو جانتا ہے کہ مرنے کے بعد ٹھکانہ کیسا ہوگا وہ کبھی وعدہ خلافی نہ کرے گا اب ہم ایسے زمانے میں ہیں کہ اس زمانہ والوں نے دھوکہ کو ذہانت اور ہوشیاری بنادیا اور جاہلوں نے ان کو اچھی تدبیر اختیار کرنے والا قرار دے دیا ہے کیا ہوگیا ہے ان کو؟ اللہ ان کو غارت کرے۔

طاقتور جب دیکھتا ہے کہ حیلہ اختیار کرنے میں فائدہ ہے تو وہ رب کے امر و نہی کے مقابلہ میں حیلہ کو اختیار کرلیتا ہے باوجود قدرت کے رب کے حکم چھوڑ دیتا ہے اور بے نصیب ہی موقع گنوادیتا ہے۔

ہمارے زمانہ کی تمدنی ترقیوں نے جہاں کئی رنگ بدلے ہیں وہیں پورے نہ کرنے کی نیت سے دوسروں کو طرح طرح کے وعدے دینے کو جدید اخلاقیات اور نئی تہذیب کا ایک خوشنما رنگ بنا دیا گیا ہے اور ایسے آدمی کو بڑا سمجھدار اور بااخلاق گردانا جاتا ہے۔ شرع شریف میں اس پر بڑی سخت ڈانت آئی ہے۔ البتہ جو آدمی چاہنے کے باوجود کسی رکاوٹ کی وجہ سے وعدہ پورا نہ کرسکے امید ہے کہ رب تعالیٰ کے ہاں اس کا مواخذہ نہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جب آدمی نے اپنے بھائی سے وعدہ کیا اور اس کی نیت

وعدہ پورا کرنے کی تھی لیکن (کسی عذر کی وجہ سے) وعدہ پورا نہیں کیا اور مقررہ وقت پر نہیں آیا تو اسے کچھ گناہ نہیں''

یاد رہے کہ وعدہ پورا کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی حق ناحق ہر بات میں اپنے بھائی کا ساتھ دے بلکہ اگر کوئی خلاف شرع بات پیش آ گئی ہے تو اس کے ساتھ کیا وعدہ نبھانا ضروری نہیں۔ جیسا کہ امام غزالیؒ نے فرمایا کہ ''جب کسی وعدہ کے پورا کرنے پر کوئی معصیت اور کتاب وسنت کی مخالفت کا ارتکاب ہو رہا ہو تو وہ مذموم ہے اور اس کا پورا کرنا درست نہیں کیونکہ شریعت سب کی گردنوں پر سونتی ہوئی تلوار ہے لہٰذا اس کی مخالفت جائز نہیں''

وعدہ پورا کرنا جو سچ کا ساتھی ہے جہاں ایمان کی صفت ہے تو وعدہ توڑ دینا جو جھوٹ کا ساتھی ہے وہ نفاق کی ایک صفت ہے اسی بات کی طرف تنبیہ فرماتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے''

(بخاری ومسلم)

مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ''اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور گمان کرتا ہو کہ وہ مسلمان ہے'' (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ ''چار خصلتیں جس میں (بھی) ہوں وہ منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہے تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک اسے چھوڑ نہ دے۔ (نفاق کی وہ خصلتیں یہ ہیں) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ اختیار کرے اور جب معاہدہ کرے تو دھوکہ کرے'' (مسلم)

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ''(ہمارے زمانہ میں) کہا جاتا تھا کہ نفاق یہ ظاہر و باطن، قول وعمل اور اندر اور باہر کے اختلاف کا نام ہے۔ شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ''جس نے دروغ گوئی کی وہ منافق ہے، نفاق جھوٹ پر مبنی ہے جس نے یہ کہا کہ ''میں انشاء اللہ یہ کروں گا'' اور اس کی نیت تھی کہ نہ کرے گا تو یہ جھوٹ اور وعدہ خلافی ہے، اور یہ مخلوق میں سب سے

بدترین آدمی ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی وعدہ خلافی میں شمار ہوگی کہ انسان وعدہ کرے اور اس کی پورا کرنے کی نیت بھی ہو پھر کوئی بات ظاہر ہو جس سے اس کی نیت بدل جائے تو بغیر عذر کے وعدہ خلافی کرے۔

سعادت وخوش نصیبی حاصل کرنے اور نیکو کار خوش بخت لوگوں میں شامل ہونے کے لیے آدمی کو چاہئے کہ وہ سچائی اور وفائے عہد کے اس اٹوٹ بندھن کو ہر وقت مدنظر رکھے اور شقاوت ومحرومی سے بچنے کے لئے جھوٹ اور بدعہدی کے مضبوط تعلق میں غور کر کے نفاق کی ان دونوں صفتوں کو چھوڑ دے۔

صبر میں سچائی

اس رنگ برنگی دنیا میں دکھ سکھ، غم خوشی، اور راحت وسہولت ہر طرح کے نظارے رب تعالیٰ کی قدرت کے نظام کا ایک حصہ ہیں کہ:

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

انسان کو چاہیے کہ وہ ناسازگار حالات میں صبر سے کام لے اور موافق وسازگار حالات میں فکر کا دامن تھامے تاکہ غفلت کا شکار ہو، لہٰذا صبر میں بھی صدق وسچائی اور صداقت واخلاص ضروری ہے علماء کرام نے صبر کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک ظاہری اور دوسری باطنی، پھر ظاہری صبر کی بھی تین اقسام بتلائی ہیں۔

پہلی قسم:

نرمی اور سختی میں، عافیت اور مصیبت میں اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی میں صبر کرنا خواہ دل چاہے یا نہ چاہے۔

دوسری قسم:

ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اس سے صبر کرنا۔ اور نفس کو ان خواہشات سے روکنا جن میں رب کی رضا نہ ہو خواہ دل چاہے یا نہ چاہے ان دونوں صبروں پر عمل کرنا

تیسری قسم:

یہ نوافل اور ان نیک اعمال پر صبر کرنا ہے جو بندے کو اللہ کا مقرب بناتے ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ ''کسی چیز کے ذریعے سے بندے کا میرے قریب ہونا مجھے اتنا محبوب نہیں جتنا کہ فرائض کے ذریعے سے اور آدمی نوافل کے ذریعے سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں'' (بخاری)

صبر کی دوسری قسم یہ باطنی صبر ہے اور یہ بندوں میں سے جو بھی حق پیش کرے اور خیر خواہی سے اس کی طرف بلائے۔ اس کے قبول کرنے پر صبر کرنا ہے۔ اس لئے کہ حق بات یہ بندوں کی طرف خدا کا قاصد ہے کہ جس کو ٹھکرانا جائز نہیں۔ جس نے قبول حق کو ترک کر دیا اور رد کر دیا تو حقیقت میں اس نے اللہ کے حکم کو رد کر دیا۔

صبر یہ نفس کی ناگواریوں کو برداشت کرنا اور فقر کے باوجود غنا کو ظاہر کرنا اور بغیر کسی تھکان کے کڑوا گھونٹ پینا ہے۔ صبر کا شمار ان اخلاق فاضلہ میں ہوتا ہے جو آدمی کو برے کاموں اور گھٹیا اخلاق سے روکتے ہیں۔

جب نفس کو کوئی ناگواری پیش آئے تو اس کو برداشت کرے اور نہ تو اس پر جزع فزع کرے اور نہ ہی مخلوق سے شکوہ شکایت کرے اور اس ناگواری کو چھپائے ایک سچے صابر و شاکر مومن کی انہی صفات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ''

(سورۃ آل عمران: ۱۳۴)

''اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں''

اور بھلا ایک مسلمان اپنے صبر میں سچا کیونکر نہ ہو جبکہ دین کی امامت و پیشوائی اسی اعلیٰ صفت کے ساتھ وابستہ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۔ (سورۃ السجدہ: ۲۴)

''اور ان میں سے ہم نے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت

کیا کرتے تھے جب وہ صبر کرتے تھے اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے“

یہ صبر خیر وفلاح کا سبب ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ۔ (سورۃ النحل ۱۲۶)

”اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت اچھا ہے“

اور اسی بات کو اس آیت میں بھی بیان فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (سورۃ آل عمران: ۲۰۰)

”اے اہل ایمان! (کفار کے مقابلے میں) ثابت قدم رہو اور استقامت رکھو اور (مورچوں پر) جمے رہو اور خدا سے ڈرو تا کہ مراد حاصل کرو“

اللہ صبر کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں اور صبر و یقین کے ساتھ دشمن کا مکر نقصان نہیں دے سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا۔

(سورۃ آل عمران: ۱۲۰)

”اور اگر تم تکلیفوں کو برداشت اور (ان سے) کنارہ کشی کرتے رہو گے تو ان کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا“

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صبر کرن والوں کو تین خصلتوں کی بشارت دی ہے۔

”وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ .... وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ“

(سورۃ البقرہ: ۱۵۵۔۱۵۷)

”تو صبر کرنے والوں کو (خدا کی خوشنودی کی) خوشخبری سنا دو ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی

لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی
کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں یہی لوگ ہیں
جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے
رستہ پر ہیں''

صبر دخول جنت کا سبب ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

اِنِّیْ جَزَیْتُھُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْا اَنَّھُمْ ھُمُ الْفَائِزُوْنَ۔

(سورۃ المومنون: ۱۱۱)

''آج میں نے ان کو ان کے صبر کا بدلہ دیا کہ وہ کامیاب ہو گئے''

اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے صبر اور شکر والے ہی نفع اٹھاتے ہیں:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ۔ (سورۃ ابراہیم: ۵)

''اس میں ان لوگوں کے لیے جو صابر و شاکر ہیں (قدرت خدا کی)
نشانیاں ہیں''

جب بندہ اللہ پر ایمان لاتا ہے اور اللہ کے وعدہ اور وعید کی تصدیق کرتا ہے تو اس ثواب کی رغبت جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے اس کے دل میں قائم ہو جاتی ہے اور اس کا دل اس سزا سے ڈر جاتا ہے جس کی وعید اللہ نے بیان کی ہے۔ اس وقت بندہ رب کی رغبت اور اس کے خوف میں سچا ثابت ہوتا ہے اور اس کی نجات پانے کی آرزو بر آتی ہے۔ اور خوف و رجاء اس کے دل کو پرسکون بنا دیتے ہیں اور وہ صبر کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے اور تلخی پیش آنے پر وہ اس کا کڑوا گھونٹ بھر لیتا ہے پھر وہ اپنے عزائم کی تکمیل میں لگ جاتا ہے اور انہیں بکھرنے سے بچانا چاہتا ہے۔ ایسے شخص پر صبر کا نام صادق آتا ہے اور ایسا شخص اپنے صبر میں سچا ہے۔

آیئے اب تنگی میں صبر کی سچائی کے بعد راحت میں سچائی یعنی شکر کرنے کے بارے میں کچھ گفتگو کرتے ہیں۔

شکر میں سچائی

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ.......... مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا"

(سورۃ بنی اسرائیل: ۷۰)

"اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی"

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (سورۃ ابراہیم: ۳۴)

"اور اگر خدا کے احسان گننے لگو تو ان کو شمار نہ کر سکو"

رب تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں متعدد مقامات پر یہ ارشاد فرمایا ہے:

اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ۔ (سورۃ البقرہ: ۴۰)

"میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیے تھے"

شیطان انسان کے خلاف سب سے بڑا ہتھیار یہ استعمال کرتا ہے کہ وہ اس کو غفلت میں ڈال دیتا ہے اور وہ رب تعالیٰ کی ان تمام نعمتوں کو بھلا دیتا ہے جو اس نے بندے پر اس کی پیدائش سے پہلے اور پیدائش کے بعد کی ہوتی ہیں۔

یہ خدا کی کیا عجب نعمت اور احسان ہے کہ اس نے ہمارا اس وقت بھی ذکر کیا جب ہم وجود ہستی میں نہ تھے پھر بعد میں ہمیں ایمان اور توحید کی نعمت سے نوازا۔ لوح محفوظ میں ہمیں "مسلمان" لکھا اور ہمیں ان ہلاک اور برباد ہونے والی قوموں میں نہ رکھا جو شرک میں مبتلا ہو کر خدا کے غضب کا شکار ہوئیں۔

اور سب سے بڑا احسان یہ کیا ہمیں خیر امت میں پیدا فرما کر سب سے کامل دین عطا فرمایا اور حضرت محمد ﷺ کی امت میں داخل ہونے کا شرف عطا فرمایا۔

پھر سنت کی طرف ہماری رہنمائی کی اور شریعت پر چلنے کی توفیق ارزانی فرما کر زیغ و ضلال کو ہم سے دور کیا۔ پھر ہماری پرورش اور حفاظت کی اور روزی دی۔ جس کی برکت سے ہم سنِ بلوغ کو پہنچ کر رب کے احکام کے مکلف بنے۔ لیکن ہم نے اس کی نعمتوں میں غفلت برتی اور اس کی وصیت کی حفاظت میں کوتاہی کی۔ اور اپنی جوانی کی خواہشات کی پیروی کی۔ اس سب کے باوجود بھی ہماری برائی کا اس دنیا میں ہی صلہ نہیں دیا بلکہ ہمارے ساتھ حلم اور بردباری کا معاملہ کیا اور ہمیں دیکھتا رہا پھر اس کے بعد ہمارے اوپر مہربانی فرمائی اور ہمیں آوارگی کے بعد غفلت سے بیدار کیا اور جو طاعات ہم سے چھوٹ گئی تھیں ان سے ہمیں روشناس کیا۔ اور اپنی طرف انابت کی توفیق عطا کی۔ اور اپنی رضامندی کی ہمارے اوپر بہتات کی اب ہمارے ذمہ ہے کہ شکر کے بعد بھی شکر کریں۔ اس لئے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم اللہ کی کون کونسی نعمت کو شمار کرو گے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر اتنی نعمتیں کی ہیں جو شمار سے باہر ہیں باوجودیکہ کثرت سے ہم اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ بندے کے ذمہ لازم ہے کہ وہ رب کی دونوں نعمتوں کا شکر ادا کرے اس نیکی کا بھی جو اس نے آسان فرمائی اور اس برائی کا بھی جو اس نے چھپائی۔

ایک آدمی نے ابوتمیمہ سے کہا آپ نے صبح کس حال میں کی؟ وہ کہنے لگے میں نے دو نعمتوں کے درمیان صبح کی اور مجھے معلوم نہیں کہ ان دونوں میں سے افضل کونسی ہے اللہ نے میرے گناہوں کی پردہ پوشی کی کہ کوئی مجھے ان پر عار نہیں دلا سکتا اور دوسری نعمت وہ محبت ہے جو اللہ نے بندوں کے دل میں ڈال دی کہ میرا عمل اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

مغیرہ سے جب کسی نے کہا اے ابومحمد! آپ نے صبح کیسے کی؟ اس پر انہوں نے کہا کہ ''ہم نے صبح کی اس حال میں کہ ہم نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ان کے شکر سے عاجز ہیں اور ہمارا رب ہمیں محبوب رکھتا ہے حالانکہ وہ ہم سے بے پرواہ ہے۔ اور ہم اسکی محبت کو

پسند نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے محتاج ہیں''

علماء کرام نے شکر کی بھی تین قسمیں بیان کی ہیں: (۱) دل کا شکر (۲) زبان کا شکر (۳) بدن کا شکر

دل کا شکر اس بات کا جاننا ہے کہ ساری کی ساری نعمتیں اکیلے اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور زبان کا شکر وہ اسکی حمد وثناء اور اس کی نعمتوں اور احسانات کا ذکر کرنا ہے اور بدن کا شکر یہ ہے کہ اپنے اعضاء کو جن کو اللہ نے صحت وعافیت بخشی ہے معصیت میں استعمال نہ کریں بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگائیں اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا کی جس چیز کا مالک بنایا ہے اس کو اللہ کی طاعت میں خرچ کریں اور باطل میں اور فضول خرچی میں اسے ضائع نہ کریں اور اپنی کوشش اللہ عزوجل کے لئے خرچ کریں۔

صحیحین میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز میں طویل قیام فرمایا یہاں تک پاؤں مبارک میں ورم آ گیا حتیٰ کہ آپؐ سے عرض کیا گیا آپؐ اتنی مشقت کیوں فرماتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپکے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیے ہیں تو آپؐ نے فرمایا ''کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں'' (بخاری، مسلم)

نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم! مجھے تم سے محبت ہے لہٰذا ہر نماز کے بعد یہ کلمات کہنا نہ بھولنا ''اللهم اعنى على ذكرك و شكرك و حسنِ عبادتك'' (اے اللہ اپنے ذکر اور شکر اور اچھی بندگی پر میری مدد فرما)

(بخاری ومسلم)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی شکر ادا کرنے کا حکم تعلیم فرمایا ہے ارشاد ہے:

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا۔ (سورۃ سباء:۱۳)

ترجمہ ''اے داؤد کی اولاد! (میرا) شکر کرو''

شکر نعمتوں میں اضافے کا سبب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ (سورۃ ابراہیم:۷)

ترجمہ ’’اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا‘‘

شکر نعمتوں کی قید اور اضافے کا سبب ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نعمت شکر سے ملی ہوئی ہے اور شکر کا تعلق اضافے کے ساتھ ہے اور دونوں ایک ہی زمانے سے متصل۔ لہٰذا اللہ کی طرف سے اضافہ تب ہی منقطع ہوتا ہے جب بندہ شکر سے منقطع ہوتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول ہے کہ ’’نعمتوں کو اس کے شکر کے ذریعے قید کرو۔ بندے کو چاہیے کہ مصیبت میں موجودہ نعمتوں کو یاد کرے‘‘

قاضی شریحؒ فرماتے ہیں۔ بندے پر جو بھی مصیبت آتی ہے اللہ کی طرف سے اس مصیبت میں بندے پر تین نعمتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ مصیبت دین میں نہیں تھی۔ اور دوسرے یہ کہ وہ دین کی مصیبت اس مصیبت سے بڑی مصیبت ہوگی (جس سے خدا نے بچا لیا) تیسرے یہ کہ اس مصیبت کا واقع ہونا ضروری تھا چنانچہ وہ ہوگئی۔

یہ بات بھی شکر میں داخل ہے کہ بندہ رب کی نعمتوں کی فراوانی میں نافرمانی سے بچے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (سورۃ الاعراف:۱۸۲)

’’ہم (اپنی آیتوں کو جھٹلانے والوں کو) بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو معلوم ہی نہ ہوگا‘‘

اس آیت کی تفسیر میں سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں ’’یعنی ہم ان پر بھرپور نعمتیں کریں گے وہ ان کو شکر سے مانع ہونگی‘‘ بعض نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا کہ ’’جب بھی وہ کوئی نیا گناہ کریں گے ان کے لئے ایک نئی نعمت پیدا کردی جائے گی‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے مناجات کرتے ہوئے عرض کیا کہ اے میرے رب! آپ نے مجھے اپنی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے میرا آپکا شکر ادا کرنا بھی آپکی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل فرمائی۔ تجھے ایک علم حاصل ہوگیا۔ جب تو نے جان لیا کہ یہ میری طرف سے ہے تو تو نے میرا شکر ادا کیا۔

اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم ہر حال میں قلب وزبان اور اعضاء وجوارح کے ساتھ رب تعالیٰ کا شکرادا کرتے رہیں اور اس بات میں اس کائنات کے سب سے بڑے صابر و شاکر جناب رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو سامنے رکھیں۔

توکل میں سچائی

اسلام کی سچی تعلیمات میں سے ایک توکل بھی ہے کہ اس کارخانہ ہستی میں واقعات و حوادث کے جو مظاہر وقوع پذیر ہو رہے ہیں اور ہر ایک کے دامن میں جو کچھ بھر رہا ہے وہ سب کچھ ایک خدا کے کرنے سے ہو رہا ہے اور وہی ان حوادث و واقعات کا مسبب الاسباب ہے اس یقین کو دل میں بٹھانے کا نام توکل ہے کہ بھروسہ اور یقین صرف خدا پر ہو کہ وہی کام بنانے والا ہے۔ اس توکل کے کمال واتقان کا نام توکل میں صدق وسچائی ہے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو توکل کرنے کا حکم دیا ہے، ہم یہاں چند آیات کو ذکر کرتے ہیں:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (سورۃ ابراہیم:۱۱)

''اور خدا ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے''

اور فرمایا:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (سورۃ الطلاق:۳)

ترجمہ ''اور جو خدا پر بھروسہ رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا''

توکل یہ رب تعالیٰ کے کامل بندوں کی ایک صفت ہے، ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ......... وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ (سورۃ الانفال:۴)

''مومن تو وہ ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا

ایک طویل حدیث میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجھ پر امتیں پیش کی گئیں۔ میں نے کسی نبی کے ساتھ ایک چھوٹی سی جماعت دیکھی اور کسی نبی کے ساتھ ایک آدمی اور کسی نبی کے ساتھ دو آدمی دیکھے اور ایسا نبی بھی دیکھا جس کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ اچانک مجھے دور سے ایک بڑی جماعت دکھائی دی۔ میں نے خیال کیا کہ شاید یہ میری امت ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے لیکن آپ آسمان کی اس جانب دیکھیئے میں نے دیکھا تو لوگوں کی بہت بڑی اکثریت تھی پھر مجھے کہا گیا کہ دوسری جانب دیکھیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ ادھر بھی لوگوں کی بھاری اکثریت ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار آدمی بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل ہونگے'' پھر آپ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ لوگ آپس میں ان لوگوں کے بارے میں چہ میگوئی کرنے لگے جو جنت میں بغیر حساب وعذاب کے داخل ہونگے۔ بعض نے کہا کہ شاید وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ بعض نے کہا کہ شاید یہ وہ لوگ ہیں جو فطرت اسلام پر پیدا ہو کر کبھی شرک کے مرتکب نہ ہوئے یوں لوگوں نے بہت ساری باتیں کیں کہ اتنے میں نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ ''تم لوگ کس کے بارے میں باتیں کر رہے ہو۔ انہوں نے عرض کر دیا (کہ کیا باتیں ہو رہی تھیں) آپ نے فرمایا ''یہ وہ لوگ ہیں جو بدن پر داغ نہیں لگواتے اور نہ ہی تعویذ گنڈا کرتے ہیں اور نہ ہی بری فال لیتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں'' (متفق علیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اے اللہ! میں اپنے آپکو تیرے حوالے کرتا ہوں اور تجھ ہی پر ایمان لاتا ہوں اور تجھ ہی پر بھروسہ کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور تیری ہی وجہ سے جھگڑا کرتا ہوں اور تیری طاقت اور غلبہ کی پناہ چاہتا ہوں گمراہ ہو جانے سے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے اللہ! تو ہی ہے جس کو کبھی موت نہیں آئے گی اور جن وانس سب کو موت آئے گی۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے مروی ہیکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے''

ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو آپؑ نے اس وقت حسبنا اللہ و نعم الوکیل کہا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''جنت میں کچھ لوگ ایسے داخل ہونگے جن کے دل پرندوں کے دلوں کی مانند ہونگے'' (مسلم)

بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد توکل کرنے والے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نجد کی جانب حضور ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں شرکت کی۔ جب حضور ﷺ لوٹے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہی لوٹ آئے۔ اس دوران ایک بہت خاردار درختوں والی وادی میں دوپہر کا وقت ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ اترے اور لوگ مختلف جگہوں پر درختوں کا سایہ تلاش کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ بھی ایک ببول کے درخت کے نیچے تشریف لائے اور اپنی تلوار کو اس درخت سے لٹکا دیا۔ ہم سب سو گئے۔ اچانک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بلایا جا کر دیکھا تو آپؐ کے پاس ایک دیہاتی کھڑا تھا آپؐ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا کہ اس نے میری تلوار مجھ پر سونت لی۔ میں بیدار ہوا اور تلوار اس کے ہاتھ میں سونتی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے کہا ''تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟'' میں نے (تین مرتبہ) کہا ''اللہ'' اور اسے سزا نہیں دی اور بیٹھ گئے۔ (متفق علیہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگر تم اللہ پر ایسا بھروسہ کرو جیسا کہ بھروسہ کرنے کا حق ہے تو اللہ تمہیں ایسے رزق پہنچائے گا جیسے پرندوں کو پہنچاتا ہے کہ وہ صبح کو خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں'' (ترمذی، مسند احمد)

توکل یہ اللہ عزوجل کی تصدیق کرنا اور اس پر بھروسہ کرنا ہے اور اسی سے مانوس ہونا ہے۔ اور جس چیز کی اس نے ضمانت دی ہے اس میں اس سے مطمئن ہونا اور دنیاوی امور اور رزق اور ہر وہ چیز جس کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے اس کی فکر دل سے نکال دینا ہے۔

توکل یہ اس بات کا علم ہے کہ دنیاوی یا اخروی ہر چیز جس کی بندے کو ضرورت ہے اللہ ہی اس کا مالک اور اس کا انجام دینے والا ہے اس کا غیر اس تک نہ تو پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی روک سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دل سے اللہ کے ماسوا کی رغبت ڈر اور خوف بھی نکل

جائے اوراس بات پر اعتماد اور پکا یقین ہو کہ اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہے اور وہ اس کی ہر خواہش کو پورا کرنے پر قادر ہے۔ اور ہر بھلائی بندے تک اس کے حکم ہی سے اور ہر ناپسندیدہ چیز اس کی اجازت سے ہی اس تک پہنچتی ہے ان کیفیات اور ان یقینوں کا حاصل ہونا ہی توکل ہے۔

فضیلؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پر توکل کرنے والا وہ اس پر اعتماد کرنے والا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اسے کوئی دنیاوی چیز یا اپنے پاس سے کوئی فضل عطا کرتا ہے تو اسے کل کے لئے ذخیرہ نہیں بناتا مگر اس نیت سے کہ وہ چیز اللہ ہی کی ہے یا اس کو اللہ کے حقوق کے لئے موقوف کرتا ہے۔ جونہی کوئی ضرورت کی جگہ دیکھتا ہے تو اس کو نکالنے اور خرچ کرنے اور غم خواری کرنے میں جلدی کرتا ہے اور اہل وعیال اور اقرباء اور اہل تقوی پھر عمومی مسلمانوں کو درجہ بدرجہ مقدم کرتا ہے۔ جب ان کو ضرورت مند دیکھتا ہے تو ان کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ ''میں اپنی بہن اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرح نہیں ہوں اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کسی چیز کو کل کے لئے نہیں رکھتی۔ اور میں کچھ نہ کچھ جمع کرتی ہوں خود حضرت عائشہ کا یہ حال تھا کہ کبھی دراہم تقسیم کردیتیں حالانکہ آپؓ کی قمیض پیوند والی ہوتی۔ خادمہ کہتی کہ آپ نے گوشت کے لئے ایک درہم بھی نہیں رکھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی کہ تم نے مجھے یاد کیوں نہیں کرایا۔

یہ ان حضرات کا اس عرش والے پر بھروسہ تھا جہاں کمی کا سوال ہی نہیں۔ مسروقؒ فرمایا کرتے تھے۔ مجھے اللہ تعالیٰ پر سب سے زیادہ بھروسہ اس وقت ہوتا ہے جب خادم کہتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی چیز نہیں۔

اسباب کا اختیار نہ کرنا شریعت میں معیوب ہے اور اسباب ہی پر یقین رکھنا توحید میں معیوب ہے۔ بعض علماء نے توکل کی تفسیر اسباب کو اختیار کرنے کی صورتوں میں سے ایک صورت سے کی ہے جیسے رات کو حفاظت کی خاطر گھر کا دروازہ بند کرنا وغیرہ لہٰذا آدمی رب کے حضور دعا کرے کہ وہ بھوک پیاس میں اس کی کفالت کرے البتہ سبب اختیار کرنا چاہیے

جیسے کھانا اور پینا وغیرہ لیکن اس کی طرف التفات نہیں ہونا چاہیے بلکہ نفع کو حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے میں بھروسہ اپنے رب پر ہونا چاہیے۔اسی لئے کسی خدا رسیدہ نے کہا ہے۔ کہ ''تمہارا عمل تو یہاں ہونا چاہیے مگر تمہاری نظر آسمان میں ہونی چاہیے''

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو بیان فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ'' (سورۃ الشعراء:۸۰)

''اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہ مجھے شفاء بخشتا ہے''

لہٰذا بیماری میں دوائی لینے والا اپنے توکل میں ناقص نہیں جب کہ اسے یقین ہو کہ شفاء اور عافیت دینے والا اللہ ہی ہے اور اس کی نظر بیماری اور دواء کے رب کی طرف ہو کہ یہ بیماری اور اس دواء میں شفاء دونوں رب کی طرف سے ہیں۔وہ چاہے تو دوائی سے نفع دے اور چاہے تو نقصان دے۔پس وہی بلند و برتر ذات نفع اور نقصان دیتی ہے۔صادق اور سچا وہ ہے جو اپنے رب پر بھروسہ کرنے والا ہو۔وہ خدا پر اس لئے توکل کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اسے تمام مخلوق سے کافی ہے اور جس چیز سے اللہ نے روکا ہے اسے نہیں کرتا اس لئے کہ اللہ ہی اسے کافی ہے اور وہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۔ (سورۃ الطلاق:۳)

''اور جو خدا پر بھروسہ رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا''

وہ متوکل نہیں جو یہ کہے کہ میری حاجت پوری کر دی گئی ہے۔کیونکہ اللہ پر توکل کرنے والے کو کبھی عطا کیا جاتا ہے اور کبھی اس کی قدرت سے اس کو محروم کیا جاتا ہے۔متوکل کی کبھی کفایت کی جاتی ہے اور کبھی نہیں بھی کی جاتی اور اس حالت میں بھی اس کا توکل ناقص نہیں ہوتا کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو جب شہید کیا گیا اور حضرت زکریا علیہ السلام کو جب چیر کر دو ٹکڑے کر دیا گیا اور نبی کریم ﷺ جب غار ثور میں جا چھپے تھے تو یہ حضرات اس وقت بھی اپنے خدا پر پورا پورا توکل کرنے والے تھے۔لہٰذا توکل یہ اپنے معاملات میں خدا پر بھروسہ کرنے کا نام ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔اس کارخانہ ہستی میں خدا کی قدرت کی نیرنگیاں دیکھئے کہ اکثر نافرمانوں کی ضرورت کو پورا کیا جاتا ہے اور نیکوکاروں سچوں اور متوکلوں کی

حاجات پوری نہیں کی جاتیں مگر وہ پھر بھی خدا پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔

دراصل توکل وہ دنیا سے انس اور اسی کا ہو رہنے کو ترک کرنا اور مخلوق سے طمع کو ختم کرنا اور ان سے ناامید ہونا ہے کیونکہ متوکل جانتا ہے کہ وہ اللہ کے پاس لوٹنے والا ہے اس لئے وہ اللہ سے راضی ہو جاتا ہے۔ اور اس بات کو بھی جانتا ہے کہ وہ توکل سے ایک کو چیز پہلے حاصل نہیں کر سکتا جسے اللہ نے موخر کیا ہے اور نہ ہی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا ہے اسے موخر کر سکتا ہے۔ لیکن وہ اپنی گھبراہٹ اور بے صبری کو ختم کر کے حرص کے عذاب سے راحت پالیتا ہے اور اپنے نفس سے کہتا ہے کہ ''جو مقدر میں ہے وہ عنقریب ہوگا اور جس چیز نے ہونا ہے اس نے ہو کر ہی رہنا ہے اور یہ جو کچھ تم کھا رہے ہو اگر تم اس کے پاس نہ جاتے تو یہ تمہارے پاس آ جاتی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کوشش اور عمل کو چھوڑ دے۔ چنانچہ ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں اور خود رسول اللہ ﷺ اہل مکہ کی اجرت پر بکریاں چراتے تھے۔

غرض اس کارخانۂ ہستی میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ بلا واسطہ خدا کے حکم اور مرضی سے ہو رہا ہے، اور یہ ظاہری وسائط محض ذرائع ہیں جو خدا کی نعمتوں اور آزمائشوں کے ہم تک پہنچنے کے راستے ہیں درحقیقت یہ اسباب ان احوال و واقعات میں کارفرما اور موثر بالذات نہیں دل میں اسی بات کی حقیقت پیدا کرنے کا نام توکل ہے۔ کہ نظر رب پر ہو اسی سے دعا ہو، اسی کا خوف اور اسی سے امید ہو۔ البتہ توکل کی اس حقیقت میں ظاہری اسباب کا ترک کرنا داخل نہیں۔ اور نہ ہی اس کی شرط ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور عارفین باللہ کا توکل یہی تھا کہ وہ اسباب کے اس سلسلہ کو رب کے امر و حکم کے تابع جانتے تھے۔ اسی لئے ان اسباب کے اختیار کرنے کے باوجود ان کا بھروسہ فقط خدا پر ہوتا تھا۔ کہ وہ خدا اگر چاہے تو ان اسباب کے بغیر بھی کام بنا سکتا ہے مگر ان اسباب کو اس کے حکم کے تحت اختیار کیا ہے۔

''یہی سچا توکل ہے''

رضا بالقضاء میں سچائی

توکل کے اگلے مقام کا نام رضا بالقضاء ہے یہ خدا کی مرضی میں فنا ہو جانے والی ایک خاص کیفیت کا نام ہے کہ دل میں ہر اچھے برے حال پر رب سے راضی رہنے کا جذبہ ہو کہ جب حالات بھیجے ہی اس نے ہیں تو اس پر راضی رہنا چاہیے۔ اور بندہ نفع و نقصان کے احساسات سے بالاتر ہو جائے بقول شاعر ؎

نہ شادی داد سامانے، نے غم آورد نقصانے

بہ پیش خدمت ما ہر چہ آید، بود مہمانے

رضا بالقضاء کا جذبہ بندے کو اس یقین پر آمادہ کرتا ہے کہ ؎

ہر چہ از دوست میرسد نیکو ست

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ.........وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً"

(سورۃ النساء: ۶۵)

"تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اپنے تنازعات میں جب تک تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اسی سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے"

علماء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ایمان کی گواہی نہیں دی جن کا اس آیت میں ذکر ہے اور وہ منافق تھے کیونکہ وہ خدا کے نبی کے حکم سے راضی نہیں ہوئے تو اس وقت ان کے ایمان کا حال کیا ہوگا جب وہ اللہ کے حکم سے راضی نہ ہونگے۔ رضا کی علامت تقدیر کے فیصلے سے دل کا خوش ہونا ہے اور امید و خوشی سے مصائب کا استقبال کرنا ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو مومن کا ہر حال اس کے لئے خیر ہی ہے اگر اسے نعمتیں ملیں تو شکر کرتا ہے اور اگر اسے مصیبتیں پہنچیں تو صبر کرتا ہے۔ اور صبر و شکر دونوں ہی اس کے لیے بہتر ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اپنے

خادم سے یوں نہیں فرمایا کہ ''تو نے ایسا کیوں کیا؟'' یا ''تو نے ایسا کیوں نہیں کیا؟'' بلکہ یوں فرماتے تھے کہ تقدیر میں اسی طرح لکھا تھا۔ (سنن)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ''اگر صبر اور شکر میرے دو اونٹ ہوتے تو مجھے کوئی پرواہ نہ ہوتی کہ میں دونوں میں سے کس پر سوار ہوں''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے یہ ناگواریاں بھی کیا خوب چیزیں ہیں اور اللہ کی قسم وہ صرف غنا اور فقر ہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کا ایک لازمی حق ہے۔ اگر غنا ہے تو اس میں شفقت ضروری ہے اور اگر فقر ہے تو اس میں صبر ضروری ہے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں ''میں نے صبح کی اس حال میں کہ مجھے کسی چیز کا اختیار نہیں''

سچی رضا بالقضا یہ ہے کہ زیادہ فکر نہیں کرنی چاہیے جو مقدر میں ہے وہ ضرور ہوگا۔ جو رزق مقدر میں ہے وہ ضرور ملے گا اس لئے پورے یقین کے ساتھ نیک اعمال کریں اور ناگواریوں پر صبر کرنے میں بہت بڑی خیر ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ آدمی میں سچی رضا بالقضاء اس وقت پیدا ہوتی ہے کہ جب اس میں زہد، توکل، محبت، یقین اور حیا کی تکمیل ہو جاتی ہے مگر یہ کیفیت کم لوگوں میں پیدا ہوتی ہے اس لیے مومن بندہ صبر کے ہتھیار کو تھامے رہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جب طائف کے دن تکلیف پہنچی اور آپ اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر اپنے رب سے دعا مانگ رہے تھے اور بائیں ہاتھ سے تکلیف دور کر رہے تھے اور اپنی دعا میں فرما رہے تھے کہ اے اللہ! اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔

رب پر راضی رہنے کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

''يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِىْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً'' (سورۃ الفجر: ۲۷۔۲۸)

''اے اطمینان پانے والی روح! اپنے رب کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی''

سمجھداروں نے رب کے راضی ہونے سے پہلے ہی خود کو خدا پر راضی کر لیا جس سے

خدا بھی ان سے راضی ہو گیا، رب تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرماتے ہیں:

''رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ وَاَعَدَّلَھُمۡ جَنّٰتٍ''

(سورۃ التوبہ:۱۰۰)

''خدا ان سے خوش ہے اور وہ خدا سے خوش ہیں اس نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں''

خدا کی اسی رضا کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی شبانہ روز نشست و برخاست اور جملہ اقوال و افعال کو ان نیک ہستیوں کی زندگی کے تابع کر کے کریں جن کی خدا نے تعریف فرمائی ہے۔ وہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے سلف صالحین ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُھٰجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡھُمۡ بِاِحۡسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ۔

(سورۃ التوبہ:۱۰۰)

''جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنھوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی خدا ان سے خوش ہے اور وہ خدا سے خوش ہیں''

ہر خیر سلف کی اتباع میں ہے اور ہر شر بعد والوں کی نئی چیزوں کے جاری کرنے میں ہے اور جو اس وقت دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں ہوگا۔ اس امت کے آخری طبقے کی اصلاح بعینہ ویسے ہوگی جیسے پہلے طبقے کی ہوئی۔ اس لئے سچی رضا بالقضاء وہ رب کے سچے دین پر سچائی کے ساتھ چلنے میں ہی ہے۔

اپنے محاسبہ میں صدق و سچائی

نفس کے محاسبہ کی قرآن و حدیث میں بڑی تاکید آئی ہے کہ آدمی ہر وقت اپنے آپ کو جانچتا رہے تاکہ وہ حق اور سچ پر قائم رہے اور ٹیڑھا اور کج چلنے سے محفوظ رہے۔ صحیح محاسبہ

نفس گویا کہ اپنے دین کی حفاظت کا دوسرا نام ہے۔ دین کی اس حفاظت پر زور دیتے ہوئے رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰىٓ اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ۔ (سورۃ النساء:۱۳۵)

''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لئے سچی گواہی دو خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو''

محاسبہ نفس ہی آدمی کو خوف خدا کے مقام پر کھڑا کرتا ہے جو شیطان کے مکر کے سب جالوں کو توڑ دیتا ہے ارشاد باری ہے:

''وَاَمَّا مَنْ خَافَ.........فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى''

(سورۃ النازعات:۴۰۔۴۱)

''جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا اور جی کو خواہشوں سے روکتا رہا اس کا ٹھکانہ بہشت ہے''

اللہ تعالیٰ کی سچی جستجو کرنے والے کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اس کی رضا کی طلب کی طرف بلائے۔ اور نفس کے تابعدار بن جانے پر اس کو سہولت دے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ ''لوگوں نے انہیں دیکھا کہ وہ اپنے بستر کو نرم و گداز اور آرام دہ بنا رہے ہیں کسی نے پوچھا ''یہ کیا ہے؟'' تو فرمایا کہ ''اگر میں اپنے نفس سے اچھا برتاؤ نہیں کروں گا تو یہ میرا بوجھ نہیں اٹھائے گا''

اور اگر نفس میں سستی ہو اور وہ مرضیات الٰھیہ پر کمربستہ نہ ہو تو اس کو استقامت پر ابھارے اور اس کی خواہشات کے خلاف کرے۔ اور اللہ کی محبت میں اور اللہ کے لئے اس سے دشمنی کرے اور اللہ سے اس کی شکایت کرتا رہے یہاں تک کہ اللہ اس کی اصلاح فرما دیں۔ اور یہ دعا کثرت سے کرتا ہے۔

''اللھم آت نفسی تقواھا و ذکھا انت خیر من زکاھا انت و لیھا و مولا ھا''

''اے اللہ! میرے نفس کو تقوی عطا فرما اور اس کو پاکیزہ فرما بے شک آپ اس کو سب سے بہتر پاکیزہ فرمانے والے ہیں آپ اس کے آقا و مولا ہیں'' (مسلم، مسند احمد، نسائی وغیرہ میں یہ دعا مذکور ہے)

رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

''اللھم یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینك''

''اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر مضبوط کر دے'' (مسند احمد، ابن حبان، ابن ماجہ، حاکم)

نفس کے عیوب کو پہچاننا یہ ان کے علاج کا ابتدائی راستہ ہے محمد بن اوسع فرمایا کرتے تھے۔ اگر گناہوں کی بو ہوتی تو کوئی بھی میرے پاس نہ بیٹھ سکتا۔ اور فرمایا ''میں نے خیر کی خصلتوں میں سے سو خصلتوں کو شمار کیا جن میں سے کوئی بھی میرے نفس میں نہیں''

کسی عالم کا قول ہے۔ اگر آپ اپنے نفس کی مذمت میں سچے ہو تو اگر کوئی اور آپ ہی میں موجود برائی پر آپکی مذمت کرے تو آپکو غصے میں نہ آنا چاہیے۔ آدمی کے گناہ کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے نفس میں کوئی عیب جان لے پھر اس کی اصلاح نہ کرے اور اس سے توبہ کی طرف منتقل نہ ہو۔ جب نفس کسی خواہش میں آدمی سے جھگڑا کرے یا کسی حرام چیز کی طلب میں دل کو مشغول کرے۔ تو آدمی اس کا مصلح بن کر اس کی ملامت کرے اور گذشتہ نیک لوگوں کی تابعداری پر اس کو آمادہ کرے اور اپنے نفس کی عادت چھڑانے میں لگا رہ جس نے اپنے نفس کی دنیا سے عادت چھڑا لی وہ آخرت سے فائدہ اٹھائے گا۔ جو آخرت کو اصل بنا لیتا ہے وہ اس کی نیکی کو محبوب رکھتا ہے۔

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ، ''عمل کرتے رہو تمہیں خیر و شر کے صرف اسباب ہی نظر آئیں گے۔ خیر ساری کی ساری جنت میں ہے اور شر سب کا سب دوزخ میں ہے۔ دنیا موجود سامان ہے اس سے نیک بھی کھاتے ہیں اور گنہگار بھی اور آخرت سچا وعدہ ہے جس میں زبردست بادشاہ کی حکومت ہوگی اور ہر گھر کے بیٹے ہیں تو تم آخرت کے بیٹے یعنی آخرت والے بنو اور دنیا کے بیٹے یعنی دنیا دار نہ بنو''

نفس کے محاسبہ میں بھی سچ ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "اپنے نفسوں کا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ اپنے اعمال کو تولو پہلے اس سے کہ تمہیں تولا جائے کیونکہ آج تمہارا نفسوں کا محاسبہ کرنا کل حساب میں آسانی کرے گا اور قیامت کے لئے زیب و زینب اختیار کرو۔ اس دن تم کو پیش کیا جائے گا۔ کوئی چھپنے والا تم میں سے پوشیدہ نہیں رہے گا" (ترمذی۔ مسند احمد)

حسن بصریؒ فرماتے ہیں: "مومن اپنے نفس کا نگران ہوتا ہے۔ اللہ کے لئے اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے جن لوگوں نے اس طریقہ کو اختیار کر لیا قیامت کے دن بغیر محاسبہ کے ان کے حساب میں تخفیف کی جائے گی۔ مومن کو جب کوئی غیر متوقع چیز پیش آ جاتی ہے تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ کی قسم! مجھے تیری ضرورت اور اشتہاء تھی۔ لیکن میں نے تیرے لیے کوئی تدبیر نہیں کی میرے اور تیرے درمیان تدبیریں دور ہو گئیں۔ اور جب اس سے کوئی چیز سرزد ہوتی ہے تو اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے میں نے اس کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں اور اللہ کی قسم کبھی دوبارہ اسے نہیں کروں گا۔ ایمان والے وہ لوگ ہیں کہ جن کو قرآن روک دیتا ہے اور ان کی ہلاکت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ مومن دنیا میں قیدی ہے جو اپنی گردن کو چھڑانے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ اللہ کی ملاقات تک کسی چیز سے پر امن نہیں ہوتا۔ اسے معلوم ہے کہ اس کے کانوں اور آنکھوں اور زبان اور اعضاء اور ان سب چیزوں میں اس کی گرفت کی جائے گی۔

مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ "اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے اپنے نفس سے یہ کہا کیا تو نے یہ یہ نہ کیا تھا۔ پھر اسے مضبوط کر کے نکیل ڈال دی اور کتاب اللہ کا اسے پابند کر کے قرآن کو اس کا راہنما بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"يَوْمَ يَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ .... اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ اَمَدًا بَعِيْدًا" (سورۃ آل عمران: ۳۰)

''جس دن ہر شخص اپنے اعمال کی نیکی کو موجود پالے گا اوران کی برائی کو بھی (دیکھ لے گا) تو آرزو کرے گا کہ اے کاش کہ اس میں اوراس برائی میں دور کی مسافت ہو جاتی''

نفس کے محاسبہ اوراس کے اطاعت گذار یا سرکش ہونے کے اعتبار سے علماء کرام نے نفس کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک تو نفس لوامہ ہے اور وہ مومن کا نفس ہے جو ہر وقت اسے ملامت کرتا رہتا ہے کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور ایسے کیوں کہا۔ اور یوں یوں کرنا اس اس طرح کرنے سے بہتر تھا۔ یہی وہ نفس ہے جس کی رب تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں قسم کھائی ہے، ارشاد ہے:

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ○ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔

(سورۃ القیامہ:۱۔۲)

''ہم کو روز قیامت کی قسم اور نفس لوامہ کی قسم''

دوسری قسم یہ نفس مطمئنہ ہے۔ یہ سب سے بہتر نفس ہے۔ یہ وہ نفس ہے جو وعدہ اور وعید اور جنت و دوزخ سے مطمئن ہو گیا اور اپنے رب کی طرف اس نے رجوع کر لیا اور اپنے رب کی ملاقات کا مشتاق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں یہی نفس مراد ہے:

''يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ.........وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ''

(سورۃ الفجر:۲۷۔۳۰)

''اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی تو میرے (ممتاز) بندوں میں داخل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا''

فرشتے اس نفس کی راہ نمائی کرتے ہیں جو اسے سیدھے راستہ پر چلاتے ہیں۔

تیسری قسم وہ نفس امارہ بالسوء (برائی کا حکم کرنے والا) ہے کہ جس کا ساتھی شیطان ہے اس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ وَمَايَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ اِلَّا غُرُوْرًا''

(سورۃ النساء:۱۲۰)

''وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انہیں وعدے دیتا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہے''

لہٰذا نفس کے محاسبہ کی سچائی کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی خدا کی طرف رجوع ہو، نفس کو لگام دے، خدا کی فرمانبرداری کی راہ پر چلے اور اس کی نافرمانی سے بچے رب کی اطاعت پر صبر کرنا یہ اس کے عذاب پر صبر کرنے سے آسان اور ہلکا ہے، ہم خدا کی فرمانبرداری میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کریں کیونکہ آگے بڑھنے والوں نے اپنی کمر کس لی اور وہ تیار ہو گئے انہوں نے اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، فراغت کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانا اور خدا کے حق کی رعایت کی، حرام باتوں سے بچے شبہات سے گریز کیا، عبادت گذاری کی وجہ سے حرام کو چھوڑ دیا، اور اپنے رب کی اطاعت میں راتوں کو جاگے اور دن میں روزہ رکھ کر پیاس کی شدت کو برداشت کیا۔ اسی لئے ان کا رب ان سے راضی ہو گیا۔

ان لوگوں نے خدا کی ان ڈانٹوں کو غور سے سن لیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ''

(الحجر: ۹۲۔۹۳)

''تمہارے پروردگار کی قسم! ہم ان سے ضرور پرسش کریں گے ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے''

اور ان لوگوں نے اس ارشاد کو کان دھر کے سنا۔

''فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِيْنَ'' (الاعراف: ۶۔۷)

''تو جن لوگوں کی طرف پیغمبر بھیجے گئے ہم ان سے بھی پرسش کریں گے اور پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے پھر اپنے علم سے ان کے حالات بیان کریں گے اور ہم کہیں غائب تو نہیں تھے''

اور وہ اپنے قول و فعل اور نفس کے محاسبہ میں کیوں نہ سچے بنیں گے جب کہ یہ ارشاد انہیں ڈرا رہا ہے:

''لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ'' (الاحزاب:۸)

''تا کہ سچ کہنے والوں سے ان کی سچائی کے بارے میں دریافت کرے''

جب سچوں سے سوال ہوگا اور ان کا محاسبہ ہوگا تو جھوٹوں کے بارے میں خود ہی سوچ لیا جائے کہ ان کے ساتھ کیا کیا نہ ہوگا اب نجات کی صورت فقط ایک ہی ہے کہ ہم خدا کی فرمانبرداریوں میں صدق و اخلاص کے ساتھ مسابقت کریں تا کہ خدا راضی ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى'' (طٰہٰ:۸۴)

''اور اے میرے پروردگار میں نے تیری طرف (آنے میں) جلدی اس لئے کی کہ تو خوش ہو''

توبہ واستغفار میں صدق وسچائی

توبہ واستغفار یہ خدا سے اپنے گناہوں اور معاصی کی مغفرت اور بخشش مانگنے کا نام ہے توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو گناہ اور قصور سرزد ہوگیا ہے اس کے برے انجام کے خوف سے دل میں خوب ندامت اور شرمندگی ہو اور آئندہ نہ کرنے کے پختہ عزم کے ساتھ رب کی اطاعت پر کمربستہ ہو جائے۔ اور توبہ واستغفار کو بھی پورے صدق اور سچائی کے ساتھ کیا جائے کیونکہ صدق بہت سے معانی کا نام ہے جن میں سب سے مقدم وہ سچی توبہ کے ذریعے انابت الی اللہ میں بندے کا صدق ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا''

(سورۃ التحریم:۸)

''مومنو! خدا کے آگے صاف دل سے (سچی) توبہ کرو''

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتُوبُوا إِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

(سورۃ النور:۳۱)

''اور مومنو سب خدا کے آگے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ''

علماء کرام نے سچی توبہ کی چند شرائط بیان فرمائی ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی میں کوتاہی پر نادم ہو اور جو چیز اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اس کو کبھی نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے اس کے بعد استغفار کا دوام ہے۔

یہ تو حقوق اللہ کی ادائیگی میں سچی توبہ کی تفصیل ہے سچی توبہ کا دوسرا اور اہم پہلو وہ حقوق العباد کا ادا کرنا ہے۔ اس میں بھی سب سے پہلے بندوں کی ظلماً لی ہوئی ہر چیز جیسے مال وغیرہ کو واپس لوٹانا ہے یا اس حق کو معاف کرانا ہے اسی طرح اگر ان کی غیبت وغیرہ کی ہے تو وہ بھی ان سے معاف کرائے۔ پھر اس سب کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے کہ کہیں وہ ہماری توبہ کو قبول ہی نہ کرے۔

حسن بصریؒ کا قول ہے کہ ''مجھے خوف ہے کہ کہیں اللہ نے مجھے کسی ناپسندیدہ حالت میں دیکھ کر یہ فرما دیا ہو کہ جو مرضی کر لے تیری بخشش نہیں ہوگی'' حسن بصریؒ کا ہی توبہ کی بابت ایک قول یہ ہے کہ ''میں ڈرتا ہوں اس سے کہ اللہ مجھے آگ میں ڈال کر میری پرواہ نہ کرے''

کہتے ہیں کہ جس کا بیٹا کھو گیا ہو اس کا بھی ہر غم ختم ہو جاتا ہے لیکن تائب (توبہ کرنے والے) کا غم ختم نہیں ہوتا۔ لیکن یہ بھی درست نہیں کہ آدمی اللہ کی رحمت سے ناامید ہو جائے حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے امید کے دروازے کھولے ہوئے ہیں حتی کہ اس آدمی کے لئے بھی جس نے یہ شرکیہ کلمہ تک کہا ہے کہ ''اللہ تین میں سے کا تیسرا ہے''

قرآن کریم میں رب تعالیٰ نے اس مضمون کو بڑی کثرت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ وہ کریم ذات بندوں کی توبہ کو بڑی کریمانہ شان کے ساتھ قبول فرماتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنْ يَّنْتَهُوْا...... مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِيْنَ''

(سورہ انفال:۳۸)

''(اے پیغمبر!) کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آ جائیں تو جو ہو چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر پھر (وہی حرکات) کرنے لگیں تو اگلوں کا (جو) طریقہ جاری ہو چکا ہے (وہی ان کے حق میں برتا جائے گا)''

ایک دوسری جگہ کا ارشاد ہے:

''قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا..........هُوَالْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ''

(سورۃ الزمر:۵۳)

''(اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا خدا تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہیں کرو گے تو اللہ ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جو گناہ کریں گے پھر استغفار کریں گے تو اللہ ان کے سب گناہوں کو بخش دیں گے'' (مسلم)

بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو جنگل میں اپنی سواری پر جا رہا تھا (کہ اتنے میں) وہ سواری اس سے چھوٹ گئی اور اس پر اس کا کھانا پینا تھا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ناامید ہو کر وہ ایک درخت کے سایہ میں لیٹ گیا۔ وہ انہیں خیالات میں گم تھا کہ اچانک دیکھتا ہے کہ اس کی سواری اس کے پاس کھڑی ہے وہ اس کی لگام پکڑ کر خوشی کی شدت میں (یہ) کہتا ہے ''اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں'' خوشی کی شدت سے اس کی زبان سے غلط الفاظ نکل گئے'' (بخاری، مسلم)

ایک حدیث قدسی میں آتا ہے ''اے ابن آدم! اگر تو مجھے نہ پکارے مگر مجھ سے امید رکھے تو میں تیری ہر لغزش سے درگذر کروں گا اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں اے ابن آدم!

اگر تیرے گناہ آسمانوں کی بلندی تک پہنچ جائیں پھر بھی تو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں تجھے بخش دوں گا اے ابن آدم! اگر تو زمین کے برابر گناہ کر کے بھی میرے پاس آئے جبکہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا ہو تو میں تجھے اس کے بقدر بخشش عطا کروں گا''

(ترمذی، مسند احمد)

یہ بھی سچی توبہ میں شامل ہے کہ ایسے دوست احباب کو چھوڑ دیا جائے جو اللہ کے احکام کو ضائع کرنے کا سبب ہوں لہٰذا رب کی ناراضی سے بچنے کے لئے ان سے دور رہا جائے الا یہ کہ وہ بھی توبہ کرلیں۔ ایسے دوستوں کی دوستی قیامت کے دن کسی صورت میں سامنے آئے گی، رب تعالیٰ اس کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ''

(سورۃ الزخرف:٦٧)

''(جو آپس میں) دوست (ہیں وہ) اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیزگار (کہ باہم دوست ہی رہیں گے)''

سچی توبہ میں یہ بات بھی داخل ہے کہ دل سے سرے سے گناہ کرنے کا جذبہ ہی نکل جائے اوران پوشیدہ گناہوں کا تذکرہ کرنے سے بھی بچے جن سے رجوع اور توبہ کر چکا ہو۔

سچی توبہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں ظاہری گناہ لوگوں کی شرم کی وجہ سے چھوڑ دے وہیں باطنی گناہ رب کی حیاء کی وجہ سے چھوڑ دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَذَرُوْا ظَاھِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ'' (سورۃ الانعام:١٢٠)

''اور ظاہری اور پوشیدہ (ہر طرح کا) گناہ ترک کردو''

سچی توبہ کی بابت یہ پہلو بھی سامنے رہے کہ اگرچہ آدمی گناہ اور اس کا عزم ترک کر دیتا ہے لیکن شیطان اس کو گمراہ کرنے کے لئے کمر بستہ ہی رہتا ہے اس لئے اس کو شیطانی خیالات اور وسوسے آتے رہتے ہیں ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے کثرت سے استغفار کرتا رہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''میرے دل پر بھی بھول طاری ہو جاتی ہے تو میں روزانہ اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں'' (مسلم)

نبی کریم ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے: ''اللہ کی قسم میں ہر روز ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتا ہوں'' (بخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''ہم رسول اللہ ﷺ کی ایک ہی مجلس میں شمار کرتے تھے کہ آپؐ سومرتبہ فرماتے تھے''رب اغفرلی و تب علی انك انت التواب الغفور ''اے اللہ مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما بے شک تو بڑی توبہ قبول کرنے والا اور بخشنے والا ہے'' (مسند احمد۔ابن ماجہ)

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی عزت افزائی اپنے اس قول سے فرمائی:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ۔ (سورۃ الفتح:۲)

''تا کہ خدا تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے''

سچی توبہ کے بارے میں ہمارے سامنے سب سے کامل اور عمدہ نمونہ نبی کریم ﷺ کی ذات مبارک ہے لہٰذا جس کا دل گناہوں اور میل کچیل سے پاک ہو گیا اور نیکیوں کا نور اس میں آباد ہو گیا تو وہ مخفی آفات جو دل میں داخل ہوتی ہیں جیسے دل کی سختی اور سستی وغیرہ وہ آدمی پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔جس سے توبہ کی توفیق مل جاتی ہے۔اور اس کو اپنی توبہ میں اللہ کا اپنے اوپر فضل محسوس ہوتا ہے کہ گناہوں سے روکا بھی اسی نے اور توبہ کی توفیق بھی اسی نے دی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا......هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ''

(سورۃ التوبہ ۱۱۸)

''اور ان تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہو گئیں اور انہوں نے جان لیا کہ خدا (کے ہاتھ) سے خود اس کے سوا کوئی پناہ نہیں پھر خدا نے ان پر مہربانی کی تا کہ توبہ کریں بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے''

اس آیت میں غزوۂ تبوک سے محض سستی کی وجہ پیچھے رہ جانے والے تین مخلص نیکوکار

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سچی توبہ کرنے کا ذکر ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ ان کی توبہ سے پہلے اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ یہ وہی توبہ ہے جس نے ان کو تائب بنا دیا۔ ہمیں بھی توبہ کرنے میں جلدی کرنی چاہئے اور اس میں ٹال مٹول سے کام نہ لیں کیونکہ توبہ کو ٹالنا بھی گناہ ہے اور اس سے بھی توبہ کرنا ضروری ہے۔ ہم اپنے سب گناہوں سے سچی توبہ کریں اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں اللہ سے چھٹکارا نہ ہو سکے۔ یہ بات یاد رہے کہ توبہ اس وقت تک قبول کی جاتی ہے جب تک کہ روح گلے میں نہ اٹک جائے اور جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔ جب سورج مغرب سے طلوع ہو جائے گا تو سب لوگ ایمان لے آئیں گے۔ لیکن اس گھڑی میں ایمان لانا کچھ نفع نہ دے گا اِلَّا یہ کہ پہلے سے ایمان لے آیا ہو لہٰذا بندوں کو چاہئے کہ وہ سزا کے نازل ہونے سے پہلے جلدی سے توبہ کر لیں کہ کہیں وہ ہی نہ آ جائے جس کو جھٹلایا جا رہا ہے۔ کیونکہ جہاں نیکی ختم نہیں ہوگی وہیں گناہ کو بھی بھلایا نہیں جائے گا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا......وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْئٍ شَهِیْدٌ“
(سورۃ المجادلہ:۶)

”جس دن خدا ان سب کو جلا اٹھائے گا تو جو کام وہ کرتے رہے ان کو جتائے گا خدا کو وہ سب (کام) یاد ہیں اور یہ ان کو بھول گئے ہیں اور خدا ہر چیز سے واقف ہے“

اولاد کی سچ پر تربیت

معاشرتی احکام و ہدایات کے سلسلہ کی ابتداء بچے کی پیدائش اور اس کی تربیت سے ہوتی ہے۔

اولاد کی تربیت میں صدق سب سے مضبوط اور اہم امر ہے۔ بچہ والدین کے پاس اللہ کی امانت ہے اور اس کا پاک دل قیمتی جوہر ہے۔ ہر چیز اس پر آسانی سے نقش ہو جاتی ہے اور جس طرف بھی اسے پھیرو پھر جاتا ہے۔ اگر اس کو خیر کا عادی بنایا جائے اور اسے خیر سکھائی جائے تو اس پر ہی اس کی نشو و نما ہو گی اور وہ دنیا و آخرت کی سعادت پائے گا اور اس

کے والدین بھی اس کے ثواب میں شریک ہونگے اور اس کے اساتذہ ومربی بھی اس کی نیکیوں کے ثواب میں شامل ہونگے اور اگر اسے شر کا عادی بنایا جائے اور بیکار چھوڑ دیا جائے تو وہ بدبخت بنے گا اور دنیا وآخرت میں ہلاک ہوگا اس کی اس بری تربیت کے گناہ اس کے والدین اور مربیوں ہر دونوں کے ذمہ رہیں گے۔ اولاد اور اہل خانہ کی تربیت کی اسی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا" (التحریم: ۶)

"مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ"

جب باپ اس کو دنیا کی آگ سے بچاتا ہے تو آخرت کی آگ سے تو بدرجہ اولی اس کی حفاظت کرے گا۔ اور حفاظت و بچاؤ کی صورت یہی ہے کہ اس کو ادب سکھلا کر مہذب بنائے اور اچھے اخلاق کی تعلیم دے اور برے دوستوں سے اس کو بچائے۔ بچے کی ابتدائی نشو ونما میں اگر بے توجہی کی جائے تو غالب گمان یہ ہے کہ اس میں جھوٹ، حسد، چوری، چغلخوری، دوسروں سے مانگنا، بیکار کے مشغلے، کھلکھلا کر ہنسنا اور مکر وفریب وغیرہ جیسے گھٹیا اور گندے اخلاق پیدا ہوجائیں گے ان سب سے حفاظت صرف تادیب اور قرآن وحدیث کی تعلیم اور نیک لوگوں کی حکایات اور ان کے احوال سنانے سے ہی ممکن ہے تاکہ نیک لوگوں کی محبت دل میں پیوست ہوجائے۔ پھر جب بچے میں اچھے اخلاق اور عمدہ افعال ظاہر ہوں تو ان پر اس کا اکرام کرے اور اس کو اچھا مقام دے تاکہ بچہ کی حوصلہ افزائی ہو اور اس کی بھی اپنے بڑوں کے ہاں تعریف ہو۔

لیکن اگر کبھی نادانستہ طور پر اس سے کوئی قابل سرزنش فعل سرزد ہوگیا ہے تو بہتر اور مناسب تو یہ ہے کہ اسے نظر انداز کیا جائے اور اس کی ہتک عزت نہ کی جائے۔ خاص طور پر جب کہ بچہ خود اس فعل کو چھپا رہا ہو اور اس کو مخفی رکھنے کی کوشش کررہا ہو کیونکہ بعض دفعہ اس کا اظہار اس کو اس برائی پر جری بنا دیتا ہے پھر اس کو اس کے ظاہر ہوجانے کی پرواہ بھی نہیں رہتی۔ اگر دوسری دفعہ کوئی بداخلاقی کرے تو باپ کو چاہیے کہ چپکے سے اس کی خبر لے اور اس

معاملہ کو چھوٹا نہ سمجھے۔اور بچے سے کہا جائے کہ خبردار اگر اس جیسی حرکت تو نے آئندہ کی۔ اگر لوگوں کو پتہ چل گیا تو تیری لوگوں میں رسوائی ہوگی اور اللہ کا خوف بھی دلائے کہ اللہ تو ہر ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے۔لیکن ہر وقت بچے کو ڈانٹتا نہ رہے کیونکہ اس سے اس کے لیے ملامت کا سننا اور برائیوں کا ارتکاب کرنا آسان ہو جائے گا اور اس کے دل سے باپ کی عظمت جاتی رہے گی۔باپ کو چاہیے کہ بچے سے بات چیت کا انداز محتاط رکھےاور کبھی کبھار ڈانٹے البتہ ماں اسے باپ سے ڈراتی اور برائیوں پر ڈانٹتی رہے۔ماں کو ہمیشہ ہی نرمی سے اور باپ کو ہمیشہ ہی سختی سے بھی پرہیز کرنا چاہیے اس سے بچہ باپ سے نفرت کرنے لگے گا اور ہر مطالبہ پورا کرنے کے لئے ماں سے التجاء کرنے لگے۔یہ بھی چاہیے کہ اسے ہر اس فعل سے روکا جائے جسے چھپ کر کیا جاتا ہے۔

بچے کی اصل تادیب یہ ہے کہ اسے برے دوستوں کی صحبت سے بچائے۔البتہ تھوڑا بہت کھیلنے کی اجازت ضروری ہے۔یہ بھی ضروری ہے کہ اسے والدین اور اساتذہ اور ہر بڑے عمر والے کی چاہے قریبی ہو یا اجنبی اطاعت کی تعلیم دے اور وہ ان سب کی طرف احترام کی آنکھ سے دیکھےان کے سامنےلہو ولعب چھوڑ دےاور جب وہ سن تمیز کو پہنچ جائے تو اس کی طہارت اور نماز اور کھڑے ہونے کی دیکھ بھال کرنا ضروری ہے جب تک کہ وہ خود ان کے کرنے پر قادر نہ ہو جائے۔حدود شرع میں ہر اس چیز کی اسے تعلیم دے جس کی اس کو ضرورت ہے۔چوری،حرام کھانے،خیانت،جھوٹ،فحش باتوں اور بے حیائی کے کاموں سے اسے ڈراتا رہے۔لیکن یہ نکتہ ہمیشہ یاد رہے کہ ہم خود بھی شرعی اوامر و نواھی کی رعایت کریں کیونکہ بسا اوقات اولاد کے دین کی حفاظت والدین کے نیک ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

”وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحاً“ (سورۃ الکہف: ۸۲)

”اور ان کا باپ ایک نیک بخت آدمی تھا“

اس آیت میں اس قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ رب تعالیٰ نے دو بچوں کے ایک دیوار تلے مدفون مال کی حفاظت اپنے ایک پرہیزگار بندے حضرت خضر علیہ السلام کے ذریعے کرائی اور ان بچوں کو یہ صلہ اس بات پر ملا کہ ان کے والدین نیکوکار تھے اس لئے سعید بن مسیبؒ

لمبی نماز پڑھا کرتے تھے اور اس کے بعد اپنے بیٹے سے کہتے کہ اللہ کی قسم میں نماز اس لئے لمبی کرتا ہوں تا کہ تیری حفاظت ہو پھر یہ آیت تلاوت کرتے:

وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''تو اللہ کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا''

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسوہ اور طرز عمل سے تربیت کرنا یہ تربیت کی سب سے زیادہ بار آور نتیجہ خیز اور عمدہ صورت ہے۔

یاد رہے کہ نیک ماں کا انتخاب بھی اولاد کی تربیت میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے کہ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

فالام مدرسة اذا اعدتها

اعددت شعبا طيب الاعراق

''ماں ایسی درس گاہ ہے جب تم نے اسے تیار کر لیا تو تم نے عمدہ نسل کی ایک قوم تیار کر لی''

حدیث شریف میں ہے کہ ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کی زبان بھی واضح ہوتی ہے تو اس کے والدین ہیں جو اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں''

ایک روایت میں ہے ''ہر بچہ ملت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے تو اسکے والدین ہیں جو اس کو یہودی یا نصرانی یا مشرک بنا دیتے ہیں''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ''ان (بچوں) کو علم اور ادب سکھاؤ''

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت (ماتحتوں) کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حاکم نگہبان ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا اور آدمی اپنے گھر کا نگہبان ہے اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال ہوگا اور عورت خاوند کے گھر کی نگہبان ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا''

خاص طور پر بڑے بیٹے کی تربیت کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ وہ چھوٹوں کے لئے نمونہ ہے۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اولاد کے لئے اس کی نیک تربیت کے لیے

صدق دل سے دعا کرے کیونکہ جب بندہ سچے دل سے دعا کرتا ہے تو ضرور قبول ہوتی ہے۔خود قرآن نے اولاد کی نیکی کے لئے دعا مانگنے کی ترغیب دی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا'' (سورۃ الفرقان:۷۴)

''اے پروردگار! ہم کو ہماری بیوی کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا''

حضرت زکریا علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے یہ دعا مانگی:

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔ (سورۃ مریم ۵،۶)

''تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما جو میری اور اولاد یعقوب کی میراث کا مالک ہو (اے) میرے رب اس کو خوش اطوار بنائیو''

لہٰذا ہر مسمان کے ذمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد مانگے جو اسے زندگی میں اور موت کے بعد نفع دے۔

صالح اولاد مسلمان کے ترکہ میں سب سے بہترین خزانہ ہے اور وہ اپنے والدین کے لئے زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی نافع ہے۔اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب انسان مرتا ہے تو سوائے تین اعمال کے (اس کے) سب اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، صدقہ جاریہ، یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے'' (مسلم)

اولاد کی سچی تربیت میں موثر ایک اہم امر خود بھی اور اولاد سے بھی سنتوں اور مسنون اذکار کی پابندی کرانا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی کسی عورت کے ساتھ نکاح کرے یا کوئی خادم خریدے تو اسے یہ کہنا چاہیے ''اے اللہ! میں اس میں تجھ سے اس کی خیر کا اور جو چیز اس کی خلقت میں داخل کر دی گئی ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر سے اور وہ شر جو اس کی جبلت میں داخل کر دیا گیا ہے اس سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور جب کوئی اونٹ

خریدے تو اس کی نکیل پکڑ کر یہی دعا کرے“ (ابوداؤد)

اور انہیں اذکار میں سے جماع کے وقت کی یہ دعا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اگر تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے تو یہ کہے **اللهم جنبنا الشيطان و جنب الشيطان مارزقتنا**” اے اللہ! ہمیں شیطان سے دور رکھ اور جو ہمارے نصیب میں ہے اس سے شیطان کو دور رکھ“

تو جو بچہ ان کے ہاں پیدا ہوگا شیطان اس کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ (متفق علیہ)

ولادت کے وقت نومولود بچے کے کان میں اذان دینا مستحب ہے جیسا کہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے اس کو نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ”میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو آپ نے ان کے کان میں نماز والی اذان کہی“ (ترمذی)

اذان میں کلمہ توحید ہے اور یہ اسلام کا شعار ہے اور نومولود بچے کے دل پر اس کا اثر ہوتا ہے اس کے دل پر توحید کا یہ پہلا اثر اس سے شیطان کے بھاگنے کا سبب بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بچوں کو لایا جاتا تھا تو آپ ان کے لئے برکت کی دعا فرماتے اور انکو گھٹی دیتے تھے۔ (ابوداؤد)

اسی طرح ناموں کا بھی آدمی کے کردار اور طرز عمل میں بہت اثر ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تم کو تمہارے اور تمہارے باپوں کے ناموں سے پکارا جائے گا لہٰذا اچھے نام رکھا کرو۔ (ابوداؤد: ۴۲۹۷)

لڑکے کا عقیقہ پابندی سے ہو اس کی جانب سے پیدائش کے ساتویں روز جانور ذبح کیا جائے اور اس سے تکلیف کو دور کیا جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ لڑکے کا عقیقہ کرو، اس کی طرف سے ایک خون بہاؤ اور اس سے تکلیف کو دور کرو۔ (بخاری)

سلف صالحین نے مستحب قرار دیا ہے کہ بچہ الحمد سے بات شروع کرے۔ بچے کی تربیت کے لئے نہایت اہم ہے کہ اس کو دور جدید کی خوشنما آفتوں مثلاً ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ سے بھی دور رکھا جائے۔ یہ بات بذات خود طویل الذیل ہے جس کو ایک مستقل رسالہ

کی شکل میں لکھنا چاہئے۔ اس موضوع پر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے بھی ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ بچہ کو شروع سے تعلیمی نصاب ایسا مہیا کیا جائے جس میں کتاب وسنت کی بقدر ضرورت وکفایت تعلیم ہو۔ اور ایسا تب ہی ہوسکتا ہے کہ جب ہم صدق دل سے یہ چاہیں کہ خاندان وقوم کی سچ پر روش ہو نا کہ جھوٹے خیالات اور بے دینی کے مذاہب اور خرافات اور فضول لطیفوں اور جھوٹی قصہ گوئی پر۔

سچ بولنے والے ہی آگے رہیں گے

آگے بڑھنا تین چیزوں میں ہوتا ہے۔ (۱) صفات میں (۲) زمان میں (۳) مکان میں ان میں سب سے بہتر صفات میں آگے بڑھنا ہے۔ امام ابوبکر بن العربی نے اس پر نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ

''ہم سب سے آخر والے ہیں اور قیامت میں سب سے پہلوں میں ہونگے باوجودیکہ باقیوں کو ہم سے پہلے کتاب ملی اور ہمیں کتاب ان سب کے بعد ملی۔ یہ ان کا وہ دن ہے جس میں وہ جھگڑتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی راہنمائی فرمائی پس یہودی (ہم سے آنے والے) کل اور عیسائی اس کے بعد ہونگے'' (مسلم)

ابن عربی آگے فرماتے ہیں کہ تو جو امتیں زمانے میں ہم سے آگے بڑھ گئیں ہم ان سے ایمان میں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے میں اور اس کی فرمانبرداری میں اور اس کے حکم کے آگے گردن جھکانے میں اور اس کی پابندیوں سے راضی ہونے میں اور اس کے فرائض کو نبھانے میں آگے بڑھ گئے ہم ان پر کوئی اعتراض نہیں کرتے اور ان کی شریعت میں نہ کوئی اپنی رائے اختیار کرتے ہیں اور نہ ہی رائے کو بدلتے ہیں جیسا کہ اہل کتاب نے کیا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مرضی سے ہوا۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہمیں ہرگز ہدایت نہ ملتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ...... ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (سورۃ التوبہ: ۱۰۰)

''جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے)
مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکوکاری
کے ساتھ ان کی پیروی کی خدا ان سے خوش ہے اور وہ خدا سے خوش
ہیں اور اس نے ان کے لئے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں
بہہ رہی ہیں (اور) ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے''

ابن خویز منداد اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس آیت میں اشارہ ہے کہ شریعت کے مناقب واوصاف میں سے ہر وصف میں علم میں اور دینداری میں اور بہادری میں اس کے علاوہ مال خرچ کرنے میں عزت کے مرتبہ میں سابقین کو فضیلت ہے۔

اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اختلاف تھا۔ اور آج تک یہ اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہل کی وجہ سے عطا کرنے میں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔

جبکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کیا آپ پہل کرنے والے اور پہل نہ کرنے والوں کو برابر ٹھہراتے ہیں، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے کہ انہوں نے عمل اللہ کے لئے کیا ہے اور ان کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں انہیں فضیلت دیتے تھے پھر اپنی وفات کے موقع پر فرمایا اگر میں کچھ دیر اور زندہ رہتا تو میں نیچے والے لوگوں کو اوپر والوں سے ملا دیتا۔ آپؓ کی اسی رات وفات ہوگئی۔

قرآن نے بھی مہاجرین اور انصار میں سے سابقین کی فضیلت پر تصریح کی ہے اور وہ لوگ جنہوں نے دونوں قبلوں کی جانب منہ کر کے نماز ادا کی یا جو لوگ بیعت رضوان میں حاضر ہوئے یا جو اہل بدر میں سے تھے قرآن ان کی فضیلت بیان کرتا ہے۔

علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنہوں نے تحویل قبلہ سے پہلے ہجرت کی وہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ اور ان میں بھی زیادہ فضیلت حضرات خلفاء راشدین کو حاصل ہے۔ پھر عشرہ مبشرہ میں سے باقی چھ پھر بدری صحابہ پھر احد والے پھر حدیبیہ میں بیعت رضوان والے افضل ہیں۔

مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بچوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آزاد کردہ غلام میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور غلاموں میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ہر صحابی بعد میں آنے والوں سے افضل ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''میری وجہ سے میرے صحابہ کے لئے خیر کی دعا کرو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی ہر روز احد پہاڑ کے مثل سونا بھی صدقہ کرے تو بھی وہ کسی صحابی کے ایک یا آدھے مد (کے صدقہ) تک نہیں پہنچ سکتا'' (مسلم)

صحابہ کرام کے بعد تابعین عظام آتے ہیں۔ ان مقدس ہستیوں میں سب سے بڑے اور افضل مدینہ کے فقہاء سبعہ ہیں۔ امام احمدؒ علم کے اعتبار سے سعید بن المسیبؒ کو سب سے افضل قرار دیتے تھے اور اویس قرنیؒ کو عمومی طور پر باقی سب پر فضیلت دیتے تھے۔ حضرات تابعین میں سب سے زیادہ مرتبہ والی خواتین حضرت حفصہ بنت سرینؒ اور حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن ہیں۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین عظام اور ہمارے اسلاف وصلحاء کا اسلام سمجھنے کا بابت معیار اور طریقہ کتاب وسنت کی طرف رجوع تھا۔ یاد رہے کہ ہمارے اسلاف حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کی نیکی کے ساتھ پیروی کرنے والے اکابر وصلحاء ہیں جو آج تک ہمارے اکابر علماء دیوبند اور ان جیسے حضرات کی صورت میں باقی ہیں یہی لوگ اہل سنت و الجماعت ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک مرتبہ یہ آیت کی تلاوت فرمائی:

''يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ'' (سورۃ آل عمران: ۱۰۶)

''جس دن بہت سے منہ سفید ہوں گے اور بہت سے منہ سیاہ''

پھر فرمایا ''اہل سنت والجماعت'' کے چہرے سفید اور روشن ہونگے اور ''اہل بدعت'' کے چہرے سیاہ ہونگے۔

حق بات پر جمنا اور اس پر متحد ہونا قابل تعریف ہے اور باطل پر اجتماع مذموم ہے

اپنے دین کی حفاظت اسی میں ہے کہ اہل باطل سے کنارہ کشی کر لی جائے اگر ہم اللہ کی رضا اور عزت ونصرت اور قدرت اور نجات اور غلبہ اور دارین کی سعادت چاہتے ہیں تو پھر ہمیں علم وعمل اور فرمانبرداری میں ان افضل لوگوں کی اتباع کرنی پڑے گی جنھوں نے نیکی میں ان بزرگ ہستیوں کی اتباع کی کہ اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ وہ ہستیاں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہیں رب تعالیٰ نے اس ارشاد میں ان کی صفت بیان فرمائی ہے:

"کُنتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" (سورۃ آل عمران ۱۱۰)

"(مومنو!) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئی ہیں تم ان میں سب سے بہتر ہو"

اور نبی اکرم ﷺ نے ان حضرات کی یوں تعریف فرمائی ہے سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جو اس کے بعد ہے پھر جو اس کے بعد ہے۔ (مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سچی ہستیوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحابہ اس امت کے سب سے نیک دل اور سب سے گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف والے لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لئے ان کو منتخب فرمایا۔ وہ علم سے واقف ہوئے اور اپنی بصیرت والی نگاہ سے بدعات سے بچ گئے انہوں نے (اللہ اور اس کے رسول کی) اتباع کو اپنے لئے ضروری ٹھہرایا۔ وہ سچے تھے۔

اور وہ حضرات کیونکر سچے نہ ہوتے کیونکہ ان کا راستہ سچ کا راستہ تھا۔ جب ہر سچے سے حق کو قبول کیا جاتا ہے اور ہر باطل والے کے باطل کو رد کیا جاتا ہے تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم خیر القرون کی متابعت کریں کیونکہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو سمجھنے والے ہیں۔

جب ہم نے سچا بننے کا ارادہ کرلیا تو ہمیں زبان حال اور مقال سے بار بار دہرانا چاہیے۔

کل خیر فی اتباع من سلف و کل شر فی ابتداع من خلف

"ہر خیر پہلوں کی اتباع میں ہے۔ اور ہر شر بعد والوں کی اختراعات وبدعات میں ہے"

جو اس وقت دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں۔ اور اس امت کے آخری طبقہ کی اصلاح بھی ویسے ہی ہوگی جیسے پہلوں کی ہوئی۔ وہ سب سے افضل لوگ ہیں۔ ان کی وجہ سے ہمارے رب نے زمین کی صورت کو بدل دیا۔ اللہ تعالیٰ کسی بھی قوم کی حالت نہیں بدلتے جب تک وہ اپنی حالت نہ بدل لیں۔ ہمیں اپنے جیوؤں کو پوری سچائی کے ساتھ ٹٹول کر دیکھنا ہوگا اور اس بات کو سمجھنا ہوگا کہ ان حضرات کی توحید اور اتباع اور اپنے نفوس کا تزکیہ کیا تھا اور ہم ایمانی کمی کے ہوتے ہوئے ان حضرات کے شمائل و خصائل اور ان کی سی سیرت کو بھلا کیسے حاصل کر سکتے ہیں ان حضرات کی نگاہ بصیرت کامل تھی۔ انہوں نے اپنے رب کے دین کے اجزاء اور ٹکڑے نہیں کیے اب ہمارے سامنے ایک زبردست چیلنج ہے کہ کیسے ہم نبوت کے طرز پر اور بندگی کے طریقہ کار کو قائم کرنے کی بنیاد پر خلافت قائم کریں، اور کیسے ہم اپنے اسلام پر اسلام ہی کے لئے عمل کریں، کیسے ہم مخلوق پر اللہ کی حجت کو قائم کریں اور اللہ کے سامنے اپنی عذر خواہی کریں۔ یہ تمام بہت بڑے اور عظیم امور ہیں کہ جن کو سچ کے بغیر عمل میں لانا ناممکن ہے۔

اسلام کی عملی تشکیل اور استحکام کے لئے سچ ضروری ہے

اللہ تعالیٰ کی شریعت کا زندگی کے ہر گوشے اور زاویے میں نفاذ اور عملی تشکیل کے لئے سچ کو نصب العین بنانا از حد ضروری بلکہ لازمۂ حیات ہے خواہ زندگی کا وہ گوشہ سیاسی ہو یا اقتصادی اجتماعی ہو یا عسکری اور اخلاقی ہو یا معاشرتی وغیرہ ہم جانتے ہیں کہ اسلامی طریقہ کار کو ثابت کرنا اور اس کا نفاذ صدق وسچائی کے تصور کو چاہتا ہے جس طرح اس کی عملی تشکیل کے لئے سچے مردوں کا کھڑا ہونا ضروری ہے یہی وہ ذرائع ہیں جن سے واقعی شرعی عملی طریقہ کار متحقق ہوتا ہے۔ لہٰذا صحیح اور سچا تصور وہ ہے جو شریعت کے معتمد ذرائع سے حاصل ہو پھر وہ ایماندار اور سچے مرد جو اس تصور کو لیے ہوئے ہیں جو اپنی زندگی اور اپنی معلومات و تحقیقات اور درس و تدریس میں اور اپنی مساجد اور گھروں اور بازاروں میں اور اپنے رب کے ساتھ معاملہ کرنے میں اور دنیا کے ساتھ معاملات میں اور اپنے لین دین میں اور علم سے

آراستہ ہونے میں اوراس کی ادائیگی میں اس کو بروئے کارلانے میں سچائی کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ اس قسم کے مخلص آدمیوں کے بغیر واقع میں مطلوب طریقہ کار کا نفاذ ممکن نہیں۔ اس لئے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ایسا آدمی اسلامی نہج کو عملی شکل دے سکے جو اسلام کو جانتا ہی نہیں اور نہ ایمان کے صحیح تصور کو پہچانتا ہواور، نہ ہی شریعت اسلامیہ کو اس نے سیکھا ہو اور نہ ہی اس کے مصادر اور حلال وحرام کے احکام کو جانتا ہو۔ لہٰذا شریعت کو جاننے والے یعنی علماء کرام اور مفتیان عظام اور سلف صالحین جو اپنے علم وعمل میں سچے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ ایسے عظیم الشان کارنامے سرانجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والے سچے مردوں کی اپنی کتاب حکیم میں مدح فرمائی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلاً''

(سورۃ الاحزاب:۲۳)

''مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انہوں نے خدا سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا تو ان میں سے بعض ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا''

لہٰذا ایمان دار اور مخلص آدمی ہی عملی طریقہ کار اور نظام اسلام کو ظاہر اور ثابت کرنے کا قوی اور موثر ذریعہ ہیں۔ صحیح ایمانی تصور اور اس تصور کے حاملین علماء کرام کے وجود سے ہی سلامتی والے عملی وعلمی منہج کا دور آ سکتا ہے جس کے نفاذ اور اتباع سے ہی نشر واشاعت، تعلیم اور تاریخ کی کتابت اور اقتصادیات اور سیاست میں کامل اور مکمل اسلامی نظام اور طریقہ کار آ سکتا ہے۔ کیونکہ اس محفوظ علمی نظام کے فقدان سے بہت سی بنیادی اور خصوصی چیزوں کا عمل ختم ہو جائے گا اور نفاذ شریعت کے مطالبہ یا اسلام کے حقائق کی طرف رجوع سے مراد صرف وقتی نعرے اور جوش وجذبات کے مظاہرے ہی رہ جائیں گے جو کہ ناکافی ہیں۔ سچے مسلمانوں کی یہی سچی کوششیں اور اسلامی تعلیمات کی ترجمان مساعی ہیں کہ جن کے پائے

جانے سے اسلامی نظام وجود میں آتا ہے کہتے ہیں کہ ''برتاؤ اور معاملہ یہ فکر کا آئینہ ہے'' اور یہ سچے اور مخلص آدمی ہی ہیں جو اپنے عمل سے واقعی اور عملی طور پر ایمانی تصور کو وجود میں لاتے ہیں خاص طور پر جب وہ صحیح علمی نظام کے مالک ہوتے ہیں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اسے نافذ کرنے کی بہتر سے بہتر کوشش کرتے ہیں۔ یہ بات یقینی ہے کہ سچ کی اس دولت کے بغیر اور صحیح اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ ہونے کے وقت ذہن وخیال میں اسلامی نظام کا فقط تصور ہی باقی رہ جاتا ہے لہٰذا عملی طور پر اسے وجود میں لانے کے لئے ایمان والے ان علماء کی اسی طرز پر محنت ضروری ہے جن کو اللہ کے سامنے مسوولیت کا خوف ہوتا ہے اور وہ اس دین کے امین ہیں۔ انسانیت کی سعادت کا واحد راستہ وہ اس دین پر استقامت اور اس کو مضبوطی سے تھامنا ہے۔ صحیح اور سچے اسلامی نظام کے نفاذ کی کوششوں کا جب جب بھی راستہ لمبا ہوتا جاتا ہے اور اس راہ کی مشقتیں اور تنگیاں اور پریشانیاں بڑھتی جاتی ہیں تو یہ اللہ کی رحمت سے مایوس اور ناامید نہیں ہوتے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِن رُّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ''

(سورۃ یوسف: ۸۷)

''بے شک کی خدا کی رحمت سے بے ایمان لوگ ہی مایوس ہوا کرتے ہیں''

دنیا کو اللہ کے دین میں رنگنے کا سفر بہت طویل ہے اور اس کے تمام مراحل میں سچ ضروری ہے، اللہ کے ساتھ بھی اور بندوں کے ساتھ بھی اور خود اپنے ساتھ بھی۔ خدا تعالیٰ ہمیں ہر حال میں سچ پر جمنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الصادق الامین۔

سچ

اگر ہم اس صفحۂ ہستی پر نگاہ فکر وتدبر ڈالیں تو یہ بات ہمیں اظہر من الشمس نظر آئے گی کہ اس معمورۂ ہستی کی ہر چیز ہمیں صدق کی طرف بلاتی ہے۔ عقلمند لوگ جھوٹ سے نفرت

ل حق گوئی کی راہ میں عوام وخواص ہر دو کی نفرت و بیزاری کا نشانہ بننا سچ بولنے کی پہلی آزمائش اور امتحان ہے۔ نسیم

کرتے ہیں اور فطرت سلیمہ سچے قول وعمل کی طرف داعی ہے۔ کتاب وسنت میں بہت سی نصوص وارد ہوئی ہیں جو سچ پر ابھارتی ہیں۔ زندگی کے ہر پہلو میں اس کے مسائل کی تفصیل ہے۔ اسی کی طرف منتقل ہوا جاتا ہے اور اسی کی طرف مڑا جاتا ہے ورنہ عقلیں مضطرب اور فطرتیں فاسد ہو جائیں۔ جو اللہ تعالیٰ سے سچ کا طلبگار رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسا آئینہ نصیب فرماتے ہیں جس میں وہ حق اور باطل کو دیکھ لیتا ہے۔ سچا وہ ہے جس کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ ساری مخلوق کے دل سے اس کی قدر نکل جائے گی کیونکہ اس کا دل درست ہوتا ہے[1]۔ اور وہ اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس کے کسی ادنیٰ سے بھی اچھے عمل کا کسی کو پتہ چلے کسی عارف کا قول ہے کہ "میں ایک رات ایسی گزار دوں جس میں اللہ تعالیٰ سے صدق کا معاملہ کروں یہ مجھے اللہ کے راستے میں تلوار چلانے سے محبوب ہے"

علماء کرام فرماتے ہیں کہ جس نے دائمی فرض ادا نہیں کیا اس سے فرض موقت بھی قبول نہیں کیا جاتا۔ پوچھا گیا کہ فرض دائم کیا ہے؟ فرمایا "صدق" اور سچا آدمی فقط فرض کی ادائیگی یا فضیلت والے عمل میں ہی نظر آتا ہے۔ پھر جب جزاء جنس عمل ہی سے ہوتی ہے تو زندگی کا سچ موت کے سچ کی طرف کھینچتا ہے بلکہ مومن اپنے رب سے صدق کی دعا کرتا رہتا ہے یہاں بھی اور وہاں بھی۔ اور اللہ سبحانہ سے ظاہر وباطن کے سچ ہونے کی دعا کرتا رہتا ہے:

"وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا" (بنی اسرائیل: ۸۰)

"اور کہو کہ اے پروردگار مجھے (مدینہ میں) اچھی طرح داخل کیجیو اور (مکے سے) اچھی طرح نکالیو اور اپنے ہاں سے زور وقوت کو میرا مددگار بنائیو"

اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر رب جلیل کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ اسے پچھلے لوگوں میں سچ والی زبان عطا فرمائیں ارشاد ہے:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ۔ (سورۃ الشعراء: ۸۴)

"اور پچھلے لوگوں میں میرا ذکر نیک جاری کر"

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خوشخبری دی ہے کہ اللہ کے ہاں ان کے لئے سچا پایہ اور سچا مقام ہے۔ فرمایا:

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ۔
(سورۃ یونس:۲)

''اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری سنادے کہ ان کے پروردگار کے ہاں ان کا سچا درجہ ہے''

اور ایک دوسری جگہ سچے مقام کی بابت ارشاد ہے:

''اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَھَرٍ ۝ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ''
(سورۃ القمر:۵۴:۵۵)

''جو پرہیزگار ہیں وہ باغوں اور نہروں میں ہوں گے (یعنی) پاک مقام میں ہر طرح کی قدرت رکھنے والے بادشاہ کی بارگاہ میں''

کہتے ہیں کہ تین چیزیں سچ سے دور نہیں ہوتیں ''حلاوت، ملاحت اور ہیبت'' ایک مسلمان اپنی زندگی کو سچائی کی ترازو میں تولتا ہے اور ہر چیز میں اسی کو اختیار کرتا ہے لہٰذا وہ فقط توحید میں ہی صدق کو اختیار نہیں کرتا ہے بلکہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی سنتوں کی پیروی میں بھی صدق وصداقت کو اختیار کرتا ہے اپنے ظاہر و باطن کو صفت صدق سے مزین و آراستہ کرتا ہے۔ پھر عبادات مالیہ اور بدنیہ کے ساتھ ساتھ عبادات قلبیہ جیسے تقویٰ و توکل، خوف و خشیت اور امید و رجاء وغیرہ کو بھی پوری سچائی کے ساتھ اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ دل اس بادشا کی مانند ہے جس کا حکم چلتا ہے اور اعضاء کی درستگی دل کی درستگی سے ہے اور ان کا فساد اس کے فساد کی وجہ سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا صحیح بخاری میں ارشاد گرامی نقل ہے کہ:

''غور سے سنو کہ جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ غور سے سنو وہ دل ہے''

اس کے نزدیک توحید صرف اللہ کے وجود کے اقرار کا نام ہی نہیں ہوتی کہ اس اقرار

میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ لیکن معاملہ اس سے بھی بہت بڑا ہے۔ وہ یہ ہے کہ صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرے اور ہر فیصلہ اور مقدمہ اللہ سبحانہ کی شریعت سے کرے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے جتنے اوصاف کتاب وسنت میں بیان کئے ہیں ہم بغیر کسی تاویل وتحریف اور تبدیل والحاد کے ان پر ایمان لائیں۔ اور اس میں کسی بھی باطل عقیدہ مثلاً تعطیل اور تمثیل کو جگہ نہ دیں جس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات مخلوقات کی ذاتوں کے مشابہ نہیں اسی طرح اس کی صفات بھی مخلوقات کی صفات کے مشابہ نہیں۔

پھر توحید میں سچائی ہم سے اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ ہم اس کو پھیلائیں اور رب کی مخلوق کو توحید کی طرف بلائیں اور زمین پر اللہ کی بندگی کو قائم کرنے کی کوشش کریں۔ ہر نبی نے اپنی قوم سے یہی کہا کہ ایک اللہ کی بندگی کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں نبی کریم نبی ﷺ کی اطاعت اور اتباع میں صدق نبی کریم ﷺ کی محبت کو لازم کرتا ہے اور آپ کی تصدیق کو اور اس کی سنت پر عمل کرنے کو لازم کرتا ہے چاہے وہ واجب ہو یا مستحب ایسا سچا دل نبی کریم ﷺ کے حقوق کے استخفاف واستہزاء کو اپنی ہلاکت اور بربادی گردانتا ہے۔ اسی طرح اس کی شریعت کے نفاذ اور اس کے دین میں بدعات واختراعات سے بچنے پر حریص ہونا بھی سچی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے ضروری ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سنت پر اپنے اقوال اور آراء کو مقدم کرنے سے بچا جائے۔ نبی کریم ﷺ کے علاوہ اس معمورہ ہستی میں کوئی ذات نہیں کہ جس کے ہر قول وفعل کو بلا تردد اور آنکھ بند کر کے لے لیا جائے۔ اسی لئے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ جب تم دیکھو کہ میرا قول رسول اللہ ﷺ کے قول کے مخالف ہے تو رسول اللہ ﷺ کے قول کو لے لو اور میرا قول دیوار پر دے مارو۔

یہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کی تعظیم ہے جو دین کے شعائر میں سے ہے ان کی پاسداری کی طرف متوجہ کرتے ہوئے رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔

(سورۃ الحج:۳۲)

''یہ (ہمارا حکم ہے) اور جو شخص ادب کی چیزوں کو جو خدا نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ (فعل) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے''

تزکیۂ نفس میں صدق کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہم ایمان اور فرائض کے بعد نوافل کا بھی اہتمام کریں اور اس بارے میں ہماری سچی رہنما ہمارے رب کی کتاب اور ہمارے نبی کی سنت ہے ان دو امور کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی تیسری چیز کی ضرورت نہیں نہ جاہل صوفیوں کے طریقوں میں نجات ہے اور نہ ہی نئے نئے فلسفیوں کی مذھبی موشگافیوں کی حاجت اور خاص طور پر ہمارے اس دور کے خودرو جھاڑیوں کی طرح جا بجا اگنے والے جدیدیت کے شکار مذھبی سکالروں کی تو چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ اب شریعت مکمل ہو چکی ہے۔ جس میں بندوں کی دنیا و آخرت کی درستگی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا'' (سورۃ المائدہ:۳)

''(اور) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا''

صدق و دیانت نہ صرف دینی معاملات میں مطلوب ہے بلکہ دنیاوی لین دین میں بھی سچ اور صداقت ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔

بائع اور مشتری کو اختیار ہے جب تک الگ نہ ہوں پس اگر دونوں نے سچ بولا اور صاف بیان کر دیا تو دونوں کی بیع میں برکت ہوگی اور اگر دونوں نے چھپایا اور جھوٹ بولا تو دونوں کی بیع کی برکت ختم کر دی جائے گی۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ جس نے سچ بولا وہ کبھی فقیر نہیں ہوتا اور یہ بات تو بدیہی ہے کہ اخروی امور میں سچ نہایت ضروری ہے کہ وہ سچا خدا سچ کے علاوہ آخرت میں کچھ قبول نہ کرے گا اور دونوں جہاں کی سعادت حال کی استقامت کی مرہون منت ہے۔ اور استقامت سب سے بڑی کرامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنی کتاب پر عمل کی اور

اپنے نبی ﷺ کی سنت کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے اور قول وعمل میں سچ نصیب فرمائے اور ہمیں سچا بنائے کہ وہ اس پر قادر ہے۔

جھوٹ

عربی کا مشہور محاورہ ہے:

''تعرف الاشیاء باضدادھا'' کہ ''چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں'' سچ کی ضد جھوٹ ہے اس لئے سچ کی حقیقت اور دنیا وآخرت میں اس کی ضرورت اور اہمیت اس وقت اور بھی زیادہ واضح اور روشن ہو کر سامنے آجاتی ہے جب جھوٹ کی حقیقت اور اس کی خباثت ورذالت اور دنیا وآخرت میں اس کے نقصانات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اس لیے سچ کا بیان اپنی معنوی حیثیت سے پورا نہیں ہوتا جب تک کہ جھوٹ پر سیر حاصل گفتگو نہ کر لیں۔

جھوٹ بولنا نفاق کی علامت ہے، کامل ایمان کی نشانی یہ ہے کہ آدمی دروغ گوئی سے اپنا دامن بالکل پاک رکھے۔ جھوٹ ایمان کے منافی ایک ''بد'' خصلت ہے اس کا عادی اس عادت کے ساتھ ایماندار ہونے کے دعوی میں جھوٹا ہے۔ ایک مومن کی خصلت میں ہر ایک برائی کی گنجائش نکل سکتی ہے مگر جھوٹ کی نہیں یہ ایک خالص منافقانہ عادت ہے جو ایک قلب میں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

نبی کریم ﷺ نے اس بری عادت کی برائی اور اس کے گھناونے پن کو ایک حسی مثال دے کر سمجھایا ارشاد فرمایا: ''جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے'' (ترمذی)

معلوم ہوا کہ مادی اشیاء کی طرح جھوٹ کی بھی ایک نہایت مکروہ بو ہے اور وہ اتنی ''بد'' بو ہے کہ فرشتہ کی برداشت سے باہر ہے۔ ہاں البتہ اس کی باطنی بو فقط فرشتہ ہی محسوس کر سکتا ہے نا کہ انسان البتہ جن لوگوں کو باطن کا نور اور ایمان کی فراست وحساسیت نصیب ہے وہ بھی اس کی سڑانڈ محسوس کر لیتے ہیں۔ پھر جھوٹ کی سب سے بری صورت یہ ہے کہ

بندہ جھوٹ بول رہا ہو اور مخاطب اس کو سچ سمجھ رہا ہو اور بولنے والا جانتا ہو کہ یہ مجھے خلاف واقع سچ پر جان رہا ہے۔

سچ کے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جھوٹ بولنے کا عادی بالآخر خدا کے صحیفوں میں ''کاذب'' لکھ لیا جاتا ہے روز محشر کسی کے صحیفے کی رسوائی کے لیے یہی ایک بات بہت ہے۔

جھوٹ کی ایک قسم جھوٹی گواہی ہے جو یقیناً کسی پر ظلم ہے اور اس کو اس کے حق سے، جان سے یا مال سے محروم کر دیتی ہے جو عرش الٰہی کو ہلا دینے کے لئے کافی ہے۔ اس لئے ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں نبی کریم ﷺ نے جھوٹی گواہی کو شرک کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا اور بطور تاکید کے ایسا تین مرتبہ فرمایا۔

سورہ حج میں جھوٹ کو بتوں کی شرک کی نجاست کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی یہ باطنی گندگی ''جھوٹ'' شرک کی گندگی سے کسی طرح کم نہیں۔ یہ ایک باعث لعنت کبیرہ گناہ ہے جو رب کی ناراضی کو بڑی جلدی کھینچ لاتا ہے۔ بسا اوقات نبی کریم ﷺ جھوٹ کی برائی کو اسقدر تسلسل کے ساتھ بیان فرماتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کہہ اٹھتے کہ ''کاش کہ آپ ؐ چپ ہو جاتے اور اپنے دل پر اتنا بوجھ نہ ڈالتے''

جھوٹ کی ایک نہایت بری قسم جھوٹی قسم اٹھانا ہے گویا کہ جھوٹ بولنے والا رب کے نام کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے بھلا اس سے بڑھ کر رب کے نام کی اور کیا توہین ہوگی اس لئے جھوٹی قسم جو جان بوجھ کر اٹھائی گئی ہو کو ''یمین غموس'' کہتے ہیں یعنی یہ قسم اپنے اٹھانے والے کو گناہوں کی دلدل کی تہہ میں اور اس کی گہرائی میں ڈبو کر لے گئی۔

جھوٹی قسم کے ذریعے حاصل ہونیوالی معمولی اور بے حیثیت چیز بھی آدمی کو جہنم کا مستحق بنا دیتی ہے جھوٹی قسم کھا کے دوسرے کا مال لینے والا روز قیامت رب کے حضور کوڑھی بن کر حاضر ہوگا۔ (ابوداؤد)

بعض حدیثوں میں ایسے شخص پر جنت کو حرام کہا گیا ہے۔ کیا بندے کا مال ہتھیانے کے لیے اور اس کی آبرو کی فضیحت کے لیے رب کے نام کو استعمال کرنے سے بڑھ کر گھناؤنا کوئی کام بھی اس دنیا میں ہو سکتا ہے؟

اسی لیے جو شخص بادشاہ ہو کر بھی جھوٹ بولے وہ روز قیامت خدا کی نظر عنایت، گناہوں سے پاکی کی نعمت اور خدا سے ہم کلامی کے شرف سے محروم ہو کر خسران و خسارے میں ہوگا۔

جھوٹ کے اس سخت معاملہ کو دیکھتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ''جھوٹ'' سے بچنے کی بڑی سخت تاکید فرمائی اور معمولی سے معمولی صورت کے جھوٹ سے بھی بچنے کا حکم فرمایا حتی کہ بچے کو بہلانے کے واسطے بھی جھوٹ بولنا ممنوع قرار دیا۔ اسی طرح لطف صحبت اور محفل کا رنگ جمانے کے لیے بطور مزاح کے بھی کہ جس میں نہ کسی کے دین کا نقصان ہو اور نہ دنیا کا مگر ایسے جھوٹ کو بھی منع فرمایا ارشاد ہے: ''جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولے اس کے لئے ہلاکت ہے، اس کے لئے ہلاکت ہے'' (جامع ترمذی، مسند احمد)

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اس مذموم اور قبیح عادت سے بچنے کے لیے بات کرنے میں بڑی احتیاط برتنے کا حکم دیا کہ ہر سنی سنائی بات آگے نہ نقل کر دی جائے کیا معلوم کہ وہ جھوٹ ہو اور ہم اس کے افشاء اور پھیلانے میں بطور ایک واسطہ اور ذریعہ کے استعمال ہو جائیں۔ غرض نبی کریم ﷺ نے صریح جھوٹ اور خفی جھوٹ کہ جس میں جھوٹ کا فقط واہمہ ہو اس سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی۔

سچ کے بیان میں جھوٹ کی تعریف کو بیان کیا جا چکا ہے کہ ''جھوٹ'' یہ ہر ایک خلاف واقع بات کرنے کہنے یا اپنانے کا نام ہے۔ قرآن کریم میں اس مذموم صفت پر لعنت آئی ہے۔ جھوٹوں کے لیے عذاب کی بشارت ہے۔ جھوٹ کے بارے میں چند آیات ملاحظہ ہوں۔

سب سے سچے خدا کا ارشاد ہے:

''ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ''

(سورۃ آل عمران: ۶۱)

''پھر دونوں فریق (خدا سے) دعا و التجاء کریں اور جھوٹوں پر خدا کی

لعنت بھیجیں''

جھوٹے لوگ ہی خدا کی آیتوں میں کذب وافتراء سے کام لیتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ۔

(سورۃ النحل:۱۰۵)

''جھوٹ اور افتراء تو وہی لوگ کیا کرتے ہیں جو خدا کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے''

سب سے سچے خدا اور اس کے سب سے سچے پیغام کو جھٹلانے والوں کا انجام ذکر کرتے ہوئے رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا یَكۡذِبُوۡنَ۔ (سورۃ البقرہ:۱۰)

''اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا''

روزِ محشر کی سب رسوائیوں اور فضیحتوں کا سبب یہی دروغگوئی ہے جس کی سب سے بری شکل رب تعالیٰ پر جھوٹ بولنا ہے، ارشاد ہے:

''وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ تَرَی الَّذِیۡنَ كَذَبُوۡا عَلَی اللّٰہِ وُجُوۡهُهُمۡ مُّسۡوَدَّةٌ'' (سورۃ الزمر:۶۰)

''اور جن لوگوں نے خدا پر جھوٹ بولا تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ ان کے منہ کالے ہو رہے ہوں گے''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ۔ (سورۃ البقرہ:۴۲)

''اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر کے بارے میں فرماتے ہیں، ''یعنی سچ کو جھوٹ کے ساتھ مت ملاؤ''

کہتے ہیں کہ جھوٹ کا راوی بھی جھوٹوں میں کا ایک ہے۔ جھوٹ گناہ کی جڑ ہے اور

جھوٹ کا ستون بہتان ہے۔ عام تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ دو چیزیں جھوٹے سے کبھی جدا نہیں ہوئیں ایک کثرت سے وعدے کرنا اور دوسرے عذر خواہی کرنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ۔ (سورۃ الانبیاء:۱۸)

''اور جو باتیں تم بناتے ہو ان سے تمہاری خرابی ہی ہے''

حضرت حسن بصریؒ اس آیت کی تفسیر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

یہ وعید قیامت تک کے لئے ہر اس شخص کے واسطے ہے جو دروغ گوئی کا عادی ہو۔

علماء کا قول ہے کہ جھوٹا بھی ایک قسم کا چور ہے کیونکہ چور تو آدمی کا مال چراتا ہے لیکن جھوٹا اسکی عقل چراتا ہے۔

بعض حکماء کا قول ہے۔ گونگا پن جھوٹ سے بہتر ہے اور سچی زبان پہلی سعادت ہے۔

بعض اہل زبان کا قول ہے کہ سچا شخص محفوظ اور عظیم ہے اور جھوٹا حقیر و ذلیل ہے کہتے ہیں کہ حق جیسی کوئی تلوار نہیں اور سچ جیسا کوئی مددگار نہیں'' کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

وما شئی اذا فکرت فیہ — بأذھب للمروۃ و الجمال

''اگر تو غور کرے تو کوئی چیز بھی مروت اور جمال کو اس سے زیادہ ختم کرنے والی نہیں''

من الکذب الذی لا خیر فیہ — و ابعد بالبھا من الرجال

''جتنا کہ جھوٹ جس میں کوئی خیر نہیں اور جھوٹ آدمیوں کی چمک دمک اور خوبصورتی کو دور کر دیتا ہے''

اصمعیؒ کہتے ہیں: میں نے ایک جھوٹے سے پوچھا کہ تم نے کبھی سچ بھی بولا ہے۔ اس نے کہا اگر مجھے اس میں سچ بولنے کا خوف نہ ہوتا تو میں آپ سے کہتا کہ نہیں' یہ جواب سن کر وہ حیران رہ گئے۔

محمود بن ابی الجنود کہتے ہیں ؎

لی حیلۃ فیمن ینم — ولیس فی الکذاب حیلۃ

''میرے پاس چغلخوری کرنے والے کے لئے تو حیلہ ہے لیکن جھوٹے میں کوئی حیلہ نہیں''

من کا دیخلق ما یقول — فحیلتی فیہ قلیلۃ

''جو آدمی جھوٹ گھڑتا ہے اس کے بارے میں میرا حیلہ اور تدبیر بہت تھوڑی ہے''

عرب لوگ حد سے زیادہ جھوٹ بولنے والے کے بارے میں کہا کرتے ہیں کہ فلانا سیراب کی چمک سے بھی زیادہ جھوٹا ہے یعنی جس طرح سراب پر بھروسہ اور گرمیوں کے بادلوں سے بارش کی امید بے کار ہے اسی طرح بہت جھوٹا آدمی کسی اعتبار اور کسی معیار کے لائق نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ کہتے ہیں ہیں کہ ایران میں ایک افسر تھا وہ ''جراب الکذب'' یعنی ''جھوٹ کا تھیلا'' کے نام سے معروف تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر میں جھوٹ سے رک گیا تو میرا پتا پھٹ جائے گا۔ باوجودیکہ مجھے اس سے عار لاحق ہوتا ہے لیکن پھر بھی اللہ کی قسم مجھے جو اس سے خوشی ملتی ہے وہ سچ سے نہیں ملتی حالانکہ سچ سے مجھے نفع بھی پہنچتا ہے۔

تجرباتی دنیا کی یہ ایک حقیقت ہے کہ جو آدمی جھوٹ میں معروف ہو گیا تو کوئی سچا اس کے کسی قول کی بھی تصدیق نہیں کرے گا۔

حسب الکذوب من البلیة　　بعض مایحکی علیه

''جھوٹے کے لئے وہ مصیبت ہی کافی ہے جو بعض حکایتوں میں آتی ہے''

فمتی سمعت بکذبة　　من غیره نسبت الیه

''کہ جب بھی جھوٹ کسی اور سے بھی سنا جائے گا لیکن اس کی نسبت اسی کی طرف ہی کی جائے گی''

جھوٹ یہ ہر شر کو جمع کرنے والا ہے اور برے انجام اور نتیجے کے لئے ہر برائی کی اصل ہے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ چغلخوری ہے اور چغلخوری کا نتیجہ نفرت ہے اور نفرت کا نتیجہ دشمنی ہے اور دشمنی کے ساتھ نہ امن ہوتا ہے اور نہ راحت۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے ''جو سچ کم بولے گا اس کے دوست کم ہونگے''

سچ اور جھوٹ کے کچھ اسباب و محرکات بھی ہیں جن پر شروع میں قدرے گفتگو کی جا چکی ہے البتہ سچ کے اسباب و محرکات مستقل اور لازم ہیں جبکہ جھوٹ کے دواعی عارضی ہیں کیونکہ سچ کی طرف داعی شریعت اور عقل ہیں اور جھوٹ سے شریعت اور عقل دونوں روکتے ہیں۔ یاد رہے کہ دنیا میں سچ پر متفق ہونے کی مثال زیادہ ہے بہ نسبت جھوٹ کے،

شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

لایکذب المرء الامن مهانته　　　اوفعله السوء اومن قلة الادب

''آدمی جھوٹ اپنے حقیر ہونے یا برے فعل کے مرتکب ہونے یا قلت ادب سے بولتا ہے''

لبعض جیفة کلب خیر رائحته　　　من کذبة المرء فی جدوفی لعب

''مراد کتے کی بدبو آدمی کے سنجیدگی اور ہنسی مذاق میں جھوٹ بولنے کی بدبو سے بہتر ہوتی ہے''

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کا ''قصرِ حمراء'' میں عہد لینا شروع کیا۔ اور لوگ آ آ کر انہیں اور یزید کو سلام کرتے رہے کہ اسی اثنا میں ایک آدمی آیا اور سلام و دعا کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کرنے لگا کہ ''اے امیر المومنین! اگر آپ ان کو مسلمانوں کے امور کا متولی نہ بناتے تو یہ ضائع ہو جاتے۔ احنف یہ سب کچھ خاموشی سے سن رہے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا ''اے ابو بحر! تم کچھ بات نہیں کر رہے۔ انہوں نے کہا آپ نے جو کہا اللہ آپکو جزائے خیر عطا فرمائے پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے ہزاروں دراھم کے دینے کا حکم دیا۔ جب احنف وہاں سے نکلے تو ان کو وہی آدمی دروازے پر ملا۔ اس نے کہا ''اے ابو بحر! مجھے معلوم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے برا آدمی ہے لیکن وہ دروازوں اور تالوں کے ذریعے اپنے مالوں سے مطمئن ہو گئے ہیں اور ہمیں اس کو خلافت کے امر سے نکالنے کی تمنا فقط اس بات کی شہرت کی وجہ سے ہے جو آپ نے بھی سن لی'' احنف نے اس سے فرمایا ''ارے بھائی! خاموش رہو۔ دورخا اس لائق ہے کہ اللہ کے ہاں وہ بااثر اور وجاہت والا نہ ہو''

سچ کی اہمیت اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ جب وہ آدمی بے جا کی خوشامد سے دربار خلافت سے مال بٹور رہا تھا تو احنف نے ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی اور نہ ہی بعد میں اس کی مذمت کرنے میں شریک ہوئے بلکہ اس کو جھوٹ کی بدترین شکل دوغلا اور دورخا پن قرار دے کر اس شخص کو اس پر متنبہ فرمایا۔

مجاہدؒ سچ کی اہمیت اور جھوٹ کی قباحت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ابن آدم

کی ہر چیز لکھی جا چکی ہے حتیٰ کہ اس کا بیماری میں کراہنا بھی اور یہاں تک کہ جب بچہ روتا ہے اور اس کی ماں اس کا جی بہلانے کے لئے سے کہتی ہے ''چپ ہو جاؤ میں تمہیں یہ چیز خرید کر دوں گی پھر ایسا نہیں کرتی تو اس کا یہ جھوٹ بھی لکھا جاتا ہے۔

فضیلؒ فرماتے ہیں ''اللہ کے نزدیک سب سے محبوب گوشت کا ٹکڑا زبان ہے جبکہ سچ بولنے والی ہو اور اللہ کے نزدیک سب سے مبغوض گوشت کا ٹکڑا بھی زبان ہے جبکہ جھوٹ بولنے والی ہو۔ سب سے بڑا گناہ اور جرم جھوٹی زبان ہے۔

مہلب خارجیوں کی جنگ میں اپنے ساتھیوں کے لیے جھوٹ بولتے تھے اس سے وہ ان کے دلوں اور نفسوں کو مضبوط کرتے تھے۔ جب وہ لوگ اس کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھتے تو کہتے آ گیا جھوٹ بولنے کے لئے۔

جھوٹ بولنا ایک نہایت گندی عادت ہے یہ جب آدمی کو لگ جاتی ہے تو چھوٹتی نہیں۔

یحیٰ بن خالدؒ فرمایا کرتے تھے ہم نے دیکھا ہے کہ شرابی شراب سے رک جاتا ہے چور چوری چھوڑ دیتا ہے بدکار برائی سے رجوع کر لیتا ہے لیکن ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی جھوٹا سچا بن جائے۔

''جھوٹ''!..........ایک عظیم بگاڑ

جھوٹ کی کچھ خرابیاں:

جھوٹ پر سیر حاصل گفتگو کے لئے ضروری ہے کہ جھوٹ کے مختلف پہلوؤں، اس کی مختلف شکلوں اور صورتوں اور اس سے پیدا ہونے والی اخلاقی، روحانی، معاشرتی اور تمدنی خرابیوں اور بگاڑ پر قدرے تفصیلی روشنی ڈالی جائے۔

ذیل میں جھوٹ کی خرابیوں کو واضح کرنے کے لیے چند احادیث کو نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ جب بات کرو تو سچ بولو، جب وعدہ کرو تو پورا کرو، جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو اس کو ادا کرو، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو اور اپنی آنکھوں کو جھکا کر رکھو اور ہاتھوں کو روک کر رکھو۔ (مسند احمد، حاکم)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث محفوظ کی ہے کہ ''جو چیز شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔ سچ طمانیت ہے اور جھوٹ شک ہے'' (ترمذی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی جستجو کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک صدیق (ہمیشہ سچ بولنے والا) لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ بدی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور بدی (دوزخ کی) آگ کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کی طلب کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے ہاں ''کذاب'' (بڑا ہی جھوٹا) لکھا جاتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچ کو لازم

پکڑو کیونکہ وہ نیکی کے ساتھ ہے اور یہ دونوں جنت میں ہونگے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ یہ برائی کے ساتھ ہے یہ دونوں جہنم میں ہونگے۔ (صحیح ابن حبان)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کی جستجو کرتا رہتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نکتہ لگتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کے ہاں جھوٹوں میں لکھا جاتا ہے۔ (مؤطا امام مالک)

حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ ''خبردار جھوٹ چہرہ سیاہ کر دیتا ہے اور چغلخوری عذاب قبر ہے'' (صحیح ابن حبان، بیہقی وغیرہ)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک رات میں نے دیکھا کہ دو آدمی میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ارض مقدسہ کی طرف لے گئے۔ (یہ معراج شریف کے قصہ کے متعلق ایک طویل حدیث ہے جس میں آگے چل کر ارشاد ہے کہ) وہاں ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے اور ایک آدمی کھڑا ہے اس کے ہاتھ میں لوہے کا زنبور ہے اسے وہ اس کی دونوں باچھوں میں داخل کرتا ہے حتی کہ اسکی گدی (گردن) تک (چیرتا ہوا) پہنچ جاتا ہے۔ ان دونوں شخصوں نے مجھے بتلایا کہ وہ آدمی جس کی باچھیں چیری جا رہی ہیں وہ کذاب ہے کہ وہ جھوٹ بولتا تھا پھر اس کا بولا جھوٹ اس سے لیکر پوری دنیا میں پھیلا دیا جاتا تھا اور (اب) قیامت کے دن تک اس کے ساتھ یہی ہوتا رہے گا۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور جب معاہدہ کرتا ہے تو توڑ دیتا ہے۔ (بخاری)

اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔ اگر چہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور یہ خیال کرے کہ وہ مسلمان ہے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس وقت تک آدمی کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک کہ جھوٹ کو ہنسی مذاق اور بحث و جھگڑے میں بھی نہ

چھوڑ دے اگر چہ وہ سچا ہو۔ (مسند احمد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مومن تمام عیوب کا خوگر ہوسکتا ہے مگر خیانت اور جھوٹ کا عادی نہیں ہوسکتا'' (مسند احمد: ۲۱۱۴۹)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح حدیث میں مرفوعا روایت ہے کہ جھوٹ ایمان کو دُور کر دیتا ہے۔ (بیہقی)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایسی بات کرو کہ وہ تمہاری تصدیق کر رہا ہو اور تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو'' (مسند احمد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کی بدبو سے ایک میل دور ہو جاتا ہے''

(ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ اور مبغوض خصلت جھوٹ تھی۔ جب بھی آپ ؐ کو کسی کے بارے میں پتہ چلتا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے تو اس وقت تک آپ ؐ کے دل سے بات نہیں نکلتی تھی جب تک کہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس نے توبہ کر لی ہے۔

''حاکم کے الفاظ یہ ہیں، ''جھوٹ سے زیادہ کوئی چیز بھی آپکے ہاں مبغوض نہیں تھی جب بھی رسول اللہ ﷺ کو کسی سے جھوٹ کا تجربہ ہوتا اگرچہ تھوڑا ہی ہو تو تب تک آپ ؐ کے دل سے بات نہیں جاتی تھی جب تک کہ وہ توبہ کی تجدید نہ کرلے''

(مسند احمد، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم)

بہز بن حکیم نے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ''ہلاکت ہے اس آدمی کے لئے جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹی بات کہے ہلاکت ہے اس کے لئے ہلاکت ہے اس کے لئے''

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے کلام نہیں فرمائیں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور نہ ہی ان کی طرف (رحمت سے) دیکھیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ ایک بوڑھا زانی، دوسرا جھوٹا، تیسرا متکبر فقیر“ (مسلم)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو آگے بیان کردے“ (مسلم)

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں اس میں ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کردینے میں ڈانٹ ہے کیونکہ عادتاً آدمی سچ اور جھوٹ (دونوں قسم کی باتیں) سنتا ہے تو جب ہر سنی ہوئی بات کو آگے بیان کردے گا تو ایسی جھوٹی خبریں بھی دے گا جو ہوئیں نہیں۔ (شرح صحیح مسلم)

نافع مولی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت اللہ میں داخل ہوئے طواف کے سات چکر پورے کئے اور دو رکعت نماز پڑھی پھر باہر نکل گئے۔ ایک قریشی آدمی آپ کو مسجد کے دروازہ پر ملا۔ اس نے کہا ”اے ابوعبدالرحمٰن! آپ نے طواف کرلیا اور نماز پڑھ لی، آپؓ نے فرمایا ”ہاں“ اس نے کہا یہ ”کتنا جلدی ہوا“ تو آپ نے فرمایا ”ہاں تم ہم سے زیادہ طواف کرنے والے اور زیادہ روزے رکھنے والے ہو اور ہم تم سے بہتر ہیں کیونکہ ہم سچی بات کرتے ہیں اور امانت ادا کرتے ہیں اور وعدہ پورا کرتے ہیں“

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کی امانت اس وقت تک درست نہیں ہوسکتی جب تک اس کی زبان درست نہ ہو اور اس کی زبان ٹھیک نہیں ہوسکتی جب تک کہ دل درست نہ ہو۔

بعض حکماء کا قول ہے ”جو صدق میں معروف ہوگیا تو اس کا جھوٹ بھی چل جائے گا اور جو کذب میں معروف ہوگیا اس کا سچ بھی کوئی قبول نہ کرے گا“

حکیم لقمان نے اپنے بیٹے! کو نصیحت کی کہ اے میرے بیٹے جھوٹ سے بچ کر رہنا کیونکہ یہ پرندے کے گوشت کی طرح مزیدار ہے جس نے اس میں سے تھوڑا سا بھی کھالیا تو اس سے جھوٹ بولے بغیر صبر نہیں ہوگا“

یاد رہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھنا یہ ساری مخلوق پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے۔ کسی چیز کے بارے میں جس قدر خلاف واقعہ خبر دینے کا انسان ارادہ کرے گا اس قدر وہ گنہگار ہوگا وگرنہ کبھی انسان کسی چیز کے بارے میں خلاف واقعہ خبر دیتا ہے اگرچہ اس کا ارادہ بالکل نہیں ہوتا۔ اس پر بھی جھوٹ کا اطلاق ہوتا ہے لیکن اس حالت میں وہ گنہگار نہیں ہوتا۔

اس موقعہ پر ایک وہم کا ازالہ کر دینا ضروری ہے کہ بعض لوگ غیبت کو اس لئے جائز سمجھتے ہیں اور کرتے ہیں اور اس میں کوئی عار یا گناہ نہیں سمجھتے کہ اپنی دانست میں وہ ایک مبنی برحقیقت اور سچی بات کر رہے ہوتے ہیں اور وہ بزعم خویش اپنی بات میں جھوٹے بھی نہیں ہوتے۔ اگرچہ یہ واقعی سچ ہے لیکن اس میں ایک مسلمان کی پردہ دری اور اس کی آبروریزی بھی ہے اور لوگوں میں اس کے عیبوں کا چرچا کرنا اور انہیں پھیلانا ہے تاکہ وہ رسوا ہو رب تعالیٰ معاشرہ میں برائیوں کی اشاعت کو ہرگز ہرگز پسند نہیں کرتے۔ اس لئے محض یہ گمان کر کے کہ یہ جھوٹ نہیں اور اس کو بلاتکلف بول دینا یقیناً سخت نادانی ہے۔ اصطلاح شریعت میں اس کو ''غیبت'' کہتے ہیں۔

غیبت یہ کسی کے قرار واقعی عیب یا گناہ کو اس کی پیٹھ پیچھے بیان کرنا ہے جس کو سن کر اس کو دکھ ہو۔ جھوٹ کے موضوع کے ساتھ اس کی ادنی مناسب ہونے کی وجہ سے اس کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

''غیبت'' ایک نہایت گھناونا اور برا ''سچ''

ماوردیؒ نے ''ادب الدنیا والدین'' میں کہا ہے کہ بعض سچ ایسے ہیں جو برائی اور ناگواری میں جھوٹ کے قائم مقام ہیں اور اذیت ونقصان اس پر مزید ہے۔ وہ غیبت اور چغلخوری ہے۔ غیبت خیانت اور پردہ دری ہے جو حسد اور غدر (دھوکہ) سے پیدا ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ

لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا" (سورۃ الحجرات: ۱۲)

"اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے"

یعنی جس طرح مردہ بھائی کا گوشت حلال نہیں اسی طرح زندہ کی غیبت حلال نہیں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں دو عورتوں نے روزہ رکھا اور لوگوں کی غیبتیں کرنے لگیں۔ نبی کریم ﷺ کو خبر ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا "ان دونوں نے حلال سے روزہ رکھا اور حرام سے افطار کیا" (مسند احمد)

اسما بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے اپنے بھائی کی آبرو کو غیبت سے بچالیا تو اللہ کے ذمہ ہے کہ اسے آگ سے چھٹکارا دے" (مسند احمد)

قرآن و حدیث میں اس کی جس قدر برائی آئی ہے ایک مومن کے لئے اس بد اخلاقی سے بچنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اسی لئے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ اور اکابر اسلاف نے نہ صرف اس سے بچنے کا اہتمام کیا بلکہ اس کی قباحت و شناعت کو بھی بڑے اہتمام سے بیان کیا۔

عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "غیبت کمینوں کی خوراک ہے"

حسن بصریؒ فرماتے تھے۔ "غیبت عورتوں کا پھل ہے"

ابن سیرینؒ سے ایک آدمی نے کہا میں نے آپکی غیبت کی ہے آپ میرے لئے حلال کر دیں انہوں نے فرمایا میں ایسی چیز کو تیرے لیے حلال کرنا پسند نہیں کرتا جسے اللہ نے تم پر حرام کر دیا۔

ابن مبارکؒ کا قول ہے کہ "اپنی بری غیر موجودگی کے ذریعے لوگوں کی اپنے عیب پر مدد نہ کر"

اپنی دانست میں غیبت کرنے والا اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھتا ہے کہ اس نے ایک حق بات کہی ہے اور ایک برے شخص کی برائی اور اس کے فسق کو نمایاں کیا ہے اور حضور اکرم ﷺ کی اس روایت کو دلیل میں پیش کرتا ہے "تین آدمیوں کی غیبت غیبت نہیں شمار ہوتی ظالم

بادشاہ اور شراب پینے والا اور کھل کر فسق کرنے والا" اگرچہ وہ غیبت میں سچا ہے لیکن وہ اجرو ثواب سے محروم رہتا ہے کیونکہ اس نے ایک مسلمان کی پردہ دری کی اور اس کے چھپے ہوئے راز کو افشا کیا۔ یقیناً غیبت آدمی کے اخلاق کو بگاڑ دیتی ہے کہ ایسا شخص دوسروں کے عیبوں کی کھود کرید اور ان کے پھیلانے کے درپے رہتا ہے۔ غیبت ایک ایسی بلا ہے جس میں دوسرے کی اصلاح وھمی ہے مگر اپنا اخلاقی بگاڑ یقینی ہے۔

حکماء فرماتے ہیں "جس چیز میں کوئی خیر نہیں اس کو نہ پھیلایا جائے۔ جو چیز خود کو نقصان دے اور دوسرے کے لئے نفع بخش نہ ہو یا جو چیز غیر کو ضرر پہنچائے اور خود کو نفع نہ دے اس میں کوئی خیر نہیں۔

"منثور الحکم" میں ایک قول منقول ہے کہ "جس عیب کو علام الغیوب نے چھپایا ہے تو اس کو ظاہر نہ کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنے بھائی کی وہ چیز ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔ عرض کیا گیا آپ کا کیا گمان ہے کہ اگر میرے بھائی میں وہ چیز ہو جو میں کہہ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر اس میں وہ چیز ہے تب تم نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ چیز نہیں (جو تم کہہ رہے ہو) تب تم نے اس پر بہتان لگایا" (مسلم)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ" (سورۃ الحجرات:۱۱)

"مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں"

ایک عورت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ پوچھنے کے لئے حاضر ہوئی۔ جب وہ چلی گئی حضرت تو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا "یارسول اللہ! یہ کتنی ٹھگنی تھی"؟ آپ نے فرمایا "رک جاؤ عائشہ غیبت سے بچو" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا "اے اللہ کے

رسول میں نے وہی کہا جو اس میں ہے آپؐ نے فرمایا ''ہاں اور اگر یہ نہ ہوتا تو بہتان ہوتا''

ایک ادیب سے کسی نے سوال کیا کہ کمینہ کون ہے؟۔ تو اس نے کہا ''جب غیب ہوتا ہے تو معیوب ہوتا ہے اور جب حاضر ہوتا ہے تو غیبت کرتا ہے''

البتہ علماء کرام نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ منکرات پر نکیر کرنا یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں داخل ہونے کی وجہ سے غیبت نہیں بلکہ اس کو خبر کہتے ہیں۔

غیبت کی ہی ایک نہایت گھناؤنی شکل ''چغل خوری'' ہے جو ایک زبردست معاشرتی بگاڑ اور باہمی الفت و محبت کو کاٹ کر رکھ دینے والی شے ہے۔ یہ غیبت کی برائی کے ساتھ مزید شر اور کمینگی کو ملانے کا نام ہے۔ کہ آدمی دوسرے کی مذمت میں بد دیانتی اور بداخلاقی سے کام لے۔ چغلی یہ تعلقات کو توڑتی، اپنوں کو دور کرتی اور باہمی محبت و الفت کو بغض و نفرت میں بدلتی ہے۔

شہر بن حوشب نے اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کیا میں تم کو تم میں سب سے برے لوگ نہ بتا دوں''؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا ''تم میں سب سے زیادہ شر والے چغلخور ہیں جو محبت کرنے والوں میں فساد ڈالنے والے اور عیوب تلاش کرنے والے ہیں''

محمد بن عمرو۔ نے ابوسلمہ۔ سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''دورخا منافق ملعون ہے دو زبانوں والا ملعون ہے، لوگوں میں دشمنی ڈالنے والا ملعون ہے ہر چغلخور ملعون ہے اور ہر احسان جتلانے والا ملعون ہے۔

کسی ادیب کا کہنا ہے کہ ''کوئی چلنے والا چغل خوری کے لئے چلنے والے سے زیادہ شریر اور برا نہیں''

علماء کرام نے لکھا ہے کہ ''چغل خوری میں تین برائیاں ہیں، ایک تو اس میں غیبت ہے جو خود ایک بہت بڑی برائی ہے۔ دوسرے اس میں بدگوئی ہے اور تیسرے اس میں لوگوں کو ان کی جان، و مال میں دھوکہ دینا اور انہیں برباد کرنا اور لوگوں کے حالات اور ان کے

رہن سہن پر طعن کرنا ہے''

ابن قتیبہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''دیوث اور بادشاہ سے لوگ کی شکایتیں کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا''

بعض حکماء کا قول ہے کہ چغلخور دو بہت برے درجوں کے درمیان ہوتا ہے اگر سچ بولے تو امانت میں خیانت ہوتی ہے اور اگر جھوٹ بولے تو یہ مروت کے خلاف ہوتا ہے۔

ایسے ہی کسی عقلمند کا قول ہے کہ سچ چغلخور کے علاوہ سب کو زیب دیتا ہے۔ علماء کا کہنا ہے کہ چغل خور سچا بھی ہو تو بہت برا ہوتا ہے اور یہ بھی اس وقت ہے جب سچ ہی بولے اور اگر جھوٹ بولے تو اور بھی زیادہ برا ہے۔

بعض بلغاء کا کہنا ہے کہ چغلخوری کمینگی اور اس کے لئے دوڑ دھوپ کم ظرفی اور گھٹیا پن ہے۔ اور یہ دونوں باتیں ہی عہد شکنی اور بے وفائی کی جڑ اور شر کی بنیاد ہیں۔ پس ان دونوں کے راستوں اور اس پر چلنے والوں سے اجتناب کرو۔

فضل بن سہل کے پاس کسی نے آ کر کسی کی چغل خوری کی تو انہوں نے سخت ڈانٹ پلائی اور کہا ''ہمارے نزدیک چغلی سننا چغلی کرنے سے بھی زیادہ برا ہے کیونکہ چغلی تو برائی کی طرف راہ نمائی ہے مگر چغلی سننا یہ اس برائی کی اجازت دینا ہے''

کسی عقل مند کا قول ہے کہ چغلخور سے بچو اگر چہ وہ اپنی چغلخوری میں سچا ہے لیکن اپنے سچ میں گناہگار ہے کیونکہ وہ کسی کی حرمت کی حفاظت نہیں کرتا اور نہ کسی کی پردہ پوشی کرتا ہے۔

کسی نے سکندر اعظم کے سامنے کسی کی چغل خوری کی تو سکندر نے اسے کہا کہ، کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ جو کچھ تم اس کے بارے میں مجھے کہہ رہو میں اس کو اس شرط پر قبول کرلوں کہ وہ بھی جو کچھ تمہارے بارے میں کہے گا میں اسکو بھی قبول کرلوں گا؟ اس چغلخور نے کہا ''نہیں'' تو سکندر نے کہا تو شر سے رک جا تو شر تجھ سے رک جائے گا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی جانب وحی بھیجی کہ تمہارے علاقے میں ایک چغلخور ہے جب تک وہ تمہاری زمین پر رہے گا بارش نہیں ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا ''یا اللہ! مجھے اس کے بارے میں بتلا دیجئے تاکہ میں اسے نکال

دوں'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اے موسیٰ! میں خود تو چغلخوری کو ناپسند کرتا ہوں پھر خود ہی چغلخوری کروں''؟

اگرچہ غیبت حرام اور گناہ ہے غیبت ایک گرداب ہے جس میں آدمی گھومتا اور ڈوبتا چلا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی وادی ہے جس میں آدمی کسی طور پر بھی اپنا دامن گناہ سے نہیں بچا سکتا کیونکہ اگر وہ سچ کہے گا تو غیبت بنے گی اور جھوٹ کہے گا تو دو گناہ بنیں گے ایک جھوٹ دوسرے تہمت اور بہتان۔ غرض اس پرخار وادی میں مخلص کی کوئی صورت نہیں اس لئے آدمی کی حفاظت اسی میں ہے کہ اپنا دامن اس سے بچائے رکھے۔

اس مقام پر علماء کرام نے غیبت کی چند ایسی قسمیں بھی بیان کی ہیں جو مباح اور بقدر ضرورت جائز ہیں۔ غیبت کا بیان اور اس کی علمی و فقہی صورت وھیت ان قسموں کے بیان کے بغیر پوری نہیں ہوتی اس لئے مناسب ہے کہ اس مقام پر مباح غیبت کی تعریف اور اس کی چند اقسام بیان کر دی جائیں۔

مباح غیب

یہ کسی کی وہ غیبت ہے جو اپنے سے مضرت کو دفع کرنے کے لئے صحیح اور خالص نیت کے ساتھ بقدر ضرورت بغیر نفس کی تشفی اور رغبت کے ہو۔ ایسی غیبت میں گناہ نہیں اب ذیل میں ان امور کو قدرے اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں جہاں غیبت مباح ہے۔

۱۔ مجروح راویوں پر جرح کرنا:

یہ احادیث کی سندوں میں مذکورہ راویوں کے احوال بتلانا ہے اور ان بعض راویوں کی نشاندہی کرنی ہے جن پر جھوٹ بولنے یا احادیث گھڑنے وغیرہ کی تہمت لگی ہو۔ اس مقام پر ہم امام مسلمؒ کی ایک نہایت وقیع تحریر پیش کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی ''صحیح'' کے مقدمہ میں لکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ:

ہم نے متہم راویان حدیث اور ان کے عیوب کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اگر اہل علم کے ان کے بارے میں اسی قسم کے اقوال نقل کرنے شروع کر دیں تو یہ کتاب بہت طویل ہو جائے گی۔ جتنا ہم نے ذکر کر دیا ہے سمجھنے والوں کے لئے وہی کافی ہے اور اس سے وہ اہل

علم کے مذھب کو خوب سمجھ سکتے ہیں اہل علم نے اپنے لیے یہ لازم کرلیا کہ وہ حدیث کے راویوں اور اخبار و روایات کے نقل کرنے والوں کے عیوب کو ظاہر کریں اور جب ان کے بارے میں ان سے سوال کیا جائے تو ان کے بارے میں بتلائیں کیونکہ یہ بڑا اہم اور خطرناک معاملہ ہے۔ کیونکہ دین کے بارے میں اخبار و روایات یا تو کسی چیز کو حلال کرنے کے لئے آتی ہیں یا کسی چیز کو حرام کرنے کے لئے اور یا ان میں امر و نہی ہوتا ہے یا ترغیب و ترہیب۔ جب ان امور کے راویوں میں صدق و امانت نہ ہو۔ پھر یہ ایسے آدمی سے روایت کا اقدام کریں جو اس کو جانتا ہے اگر وہ اس کی جہالت کو دوسروں سے بیان نہ کریں تو گنہگار اور عام مسلمان کو دھوکہ دینے والا ہوگا کیونکہ اس بات کا اطمینان نہیں کہ ان باتوں کو سن کر کوئی ان سب پر ہی یا بعض پر عمل کرنا شروع کردے اور وہ باتیں سب کی سب یا اکثر جھوٹی اور من گھڑت ہوں جن کی کوئی اصل نہ ہو۔ پھر ثقہ اور قناعت کرنے والے سچے راویوں کی صحیح روایات اسقدر زیادہ ہیں کہ ہمیں غیر ثقہ اور غیر قناعت پسند راویوں سے روایات نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

میرا خیال ہے کہ بہت زیادہ لوگ جو ان ضعیف احادیث اور مجہول اسانید کی طرف مائل ہوتے ہیں اور ان روایات کے ضعف کو جاننے کے بعد بھی ان کو شمار میں لاتے ہیں صرف اس لیے کہ عوام میں اس کے ذریعے سے فخر کریں اور ان کے بارے میں یہ کہا جائے کہ فلانے نے کتنی زیادہ احادیث جمع کی ہیں اور کتنی کتابیں تالیف کی ہیں۔ جس نے علم دین میں یہ مذھب و مسلک اپنایا اور اس طریق کو اختیار کیا ایسا شخص علم کی طرف منسوب ہونے سے بہتر ہے کہ جاہل کہلایا جائے۔

امام نوویؒ نے فرماتے ہیں کہ راویوں کی جرح بالاتفاق جائز بلکہ واجب ہے۔ ایسا کرنا ضروری ہے تاکہ شریعت مطہرہ کی حفاظت کی جاسکے اور یہ حرام غیبت میں داخل نہیں۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خیر خواہی ہے۔ اس امت کے فضلاء اور بہترین لوگ اور اہل تقویٰ و ورع ہمیشہ سے ایسا کرتے آئے ہیں۔

۲۔ حاکم قاضی اور جھگڑوں میں فیصلہ کرنے والے ''پنچ'' سے کسی کے

ظلم کی شکایت کرنا:

غیبت کی یہ قسم بھی جائز ہے جس میں آدمی حاکم اور قاضی وغیرہ کے سامنے کسی کی غیبت اور شکایت کرسکتا ہے۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ روایت ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ: ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی ہند نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابوسفیان کنجوس آدمی ہے وہ اتنا خرچہ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچوں کے لئے کافی ہو جائے مگر میں اسے بتائے بغیر اس کے مال میں سے لے لیتی ہوں۔ (تو آیا یہ میرے لئے جائز ہے؟) آپ نے فرمایا جتنا تجھے اور تیرے بچوں کو دستور کے موافق کافی ہوا تنا لے لیا کر۔

(متفق علیہ، بخاری)

یہاں ہندہ نے اپنے خاوند کی شکایت کی ہے جو غیبت ہے مگر حاکم کے سامنے یہ غیبت جائز ہے۔

۳۔ استفتاء کیلئے کسی کی برائی بیان کرنا:

بظاہر یہ بھی غیبت ہی ہے جس میں آدمی مفتی سے کسی کا عیب بیان کر کے یا کسی کی ظلم و زیادتی بیان کر کے اس کے بارے میں شرعی مسئلہ دریافت کرتا ہے۔ مگر اپنے اور دوسرے کے دین کی حفاظت کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔

۴۔ شہادت اور مشاورت کے لئے کسی کی برائی بیان کرنا:

کسی کے بارے میں گواہی دینا یا کسی کے بارے میں مشورہ دینا یہ دو ایسے مواقع ہیں جن میں کسی آدمی کی قرار واقعی کسی بری بات کا تذکرہ کرنا پڑتا ہے اگرچہ بظاہر یہ بھی دوسرے کی غیبت ہے مگر در اصل اس میں دوسرے کے حق کے وابستہ ہونے کی وجہ سے اس آدمی کی برائی کا تذکرہ کرنا امانت اور صداقت میں داخل ہے نا کہ غیبت میں۔

ایک دفعہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اپنی شادی کے بارے میں مشورہ طلب کیا کہ مجھے دو شخصوں ابو جہم اور معاویہ نے نکاح کا بھیجا ہے تو میں کیا کروں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاویہ تو غریب و نادار ہے اس کے پاس

مال نہیں اور ابو جہم کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتا۔ (مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ ''ابو جہم عورتوں کو بہت مارنے والا ہے''

علامہ شوکانیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں، ''یہ حدیث خدا، اس کی کتاب اس کے رسول اور آئمہ مسلمین اور عوام وخواص سب کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر واضح دلالت کرتی ہے کیونکہ جھوٹوں کے جھوٹ کو بیان کرنا اللہ سے اور اس کے رسول سے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ بہت بڑی اور ضروری خیر خواہی ہے''

ایسے ہی اس آدمی پر جرح کرنا اور اسکے عیب بیان کرنا جس نے مال یا خون یا آبرو میں جھوٹی گواہی دی ہو۔ یہ وہ خیر خواہی ہے جو اللہ نے بندوں پر واجب کی ہے اور اسکی ادائیگی کا اور انجام دہی کا ان کو پابند کیا ہے اور اس کا قائم کرنا ان پر واجب کیا ہے۔

(۵) منکر کو ختم کرنے یا مسلمانوں سے کسی مصیبت کو دور کرنے کے لیے مدد طلب کرنا اور بروں اور شریروں کو جو مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں ڈرانا:

حضرت شرید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مالدار شخص کا قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول اسکی بے عزتی کرنے اور سزا دینے کو جائز کر دیتا ہے'' (مسند احمد)

بعض روایات میں ہے کہ غنی کا قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے جو اس کی بے عزتی کرنے اور اسے کو سزا دینے کو جائز کر دیتا ہے۔

ابن مبارکؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ''بے عزتی کرنے سے مراد سختی کرنا اور سزا دینے سے مراد قید میں ڈالنا ہے''

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ نکلے اس میں لوگوں کو مشقت پیش آئی۔ عبداللہ بن ابی منافق کہنے لگا کہ رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ منتشر ہو جائیں۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت والے ذلت والوں کو نکال باہر کریں گے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ جو اس قصہ کے راوی ہیں اور عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کی یہ

ساری گفتگو سن رہے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور وہ ساری بات آپؐ کو بتادی۔ آپؐ نے عبداللہ بن ابی کو بلوا بھیجا۔ اور اس سارے قصہ کی بابت دریافت فرمایا۔ عبداللہ بن ابی جو جھوٹ کا سردار تھا اس کو بھلا خدا کے پیغمبر کے آگے جھوٹ بولنے میں کیا جھجک یا عار ہوسکتی تھی۔ جھٹ جھوٹی قسمیں اٹھالیں کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ لوگوں نے کہا ''یارسول اللہ! زید نے جھوٹ بولا ہے'' زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کے انکار اور لوگوں کے اصرار پر میرا دل بڑا بوجھل ہوگیا لیکن بالآخر خدا نے میری اس بے چینی اور پریشانی کو دور فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ۔ (سورۃ المنافقون: ۱)

''(اے محمدؐ) جب منافق لوگ تمہارے پاس آتے ہیں''

پھر نبی اکرم ﷺ نے ان کو بلوایا تا کہ ان کے لئے استغفار کریں۔ تو ان لوگوں نے اپنے سر ہلا دیئے۔ (متفق علیہ، بخاری)

یہ قصہ بتلاتا ہے کہ مسلمانوں کو منافقوں اور شریروں کے شر و فساد سے بچانے کے لئے ان کا قرار واقعی جرم اور گناہ حاکم وغیرہ کے سامنے بیان کر دینا جائز ہے۔

(۶) اعلانیہ فسق کرنے والے کے فسق کو اور بدعتی کی بدعت کو ذکر کرنا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ایک آدمی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا ''اسے اجازت دے دو یہ قبیلے کا بہت برا آدمی ہے'' (متفق علیہ)

امام نوویؒ ''ریاض الصالحین'' میں فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اہل فساد کی غیبت جائز ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرا خیال نہیں کہ فلاں اور فلاں ہمارے دین میں سے کچھ بھی جانتے ہوں'' (بخاری)

اور وہ دونوں منافق تھے۔ بہرحال ان دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بدعتی کی بدعت کا ذکر کرنا اور اعلانیہ فسق و فجور کرنے والے کے فسق و فجور کا ذکر کرنا جائز ہے۔ البتہ

اس میں ہوائے نفس نہ ہو بلکہ اصطلاح اور خیر کی نیت ہو۔ واللہ اعلم۔

۷۔ کسی کو اس کے مشہور لقب کے ساتھ پکارنا:

اگر کوئی شخص کسی خاص لقب کے ساتھ مشہور ہو گیا ہو اور اس میں عیب وغیرہ کا معنیٰ اور پہلو بھی ہو تو ان ناموں کے ساتھ اس وقت تک پکارنا جائز ہے جب تک ان کی تحقیر اور تنقیص مقصود نہ ہو۔ مثلاً کالو، چھوٹو، پانڈی، شبراتی، عیدو اور پانا وغیرہ کے ناموں کے ساتھ کسی کو پکارنا یہ جائز ہے لیکن اگر ان ناموں کے علاوہ کے ذریعہ اس کا تعارف ممکن ہو تو وہ اولیٰ اور افضل ہے۔

اشیر بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اہل کوفہ کا وفد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ ان میں اویس نامی ایک شخص تھا جس کا سب مذاق اڑاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا یہاں کوئی قرن قبیلہ سے ہے؟ تو وہی آدمی آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ایک آدمی تمہارے پاس یمن سے آئے گا اس کا نام اویس ہوگا وہ اپنی ماں کو نہیں چھوڑے گا اس کو برص تھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو درہم یا دینار کے برابر جگہ کے علاوہ باقی سارا بدن درست ہو گیا۔ تم میں سے جو بھی اسے ملے اس سے اپنی مغفرت کی دعا کروائے۔ (مسلم)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر صاحب لقب صرف اس لقب کے ساتھ معروف ہو اور اس کے علاوہ کسی اور لقب سے بالکل معروف نہ ہو تو اس کو اس لقب کے ساتھ پکار سکتے ہیں۔

بندہ عاجز کی رائے یہ ہے کہ جب بات اس حد تک پہنچ جائے تو یہ لقب لقب نہیں رہے گا بلکہ اس کا نام ہو جائے گا۔

جھوٹ بولنا کہاں جائز ہے

علماء کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا جھوٹ مطلقاً ناجائز ہے یا کہیں جائز بھی ہے یا نہیں۔ بندہ محمد آصف نسیم کی تالیف ''محمد کو کیا پسند کیا ناپسند'' میں ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ بولنا ناپسند ہے'' کے عنوان کے تحت ص ۸۱ سے لیکر ۸۵ تک اس کو تفصیلا بیان کیا گیا ہے۔

جس میں علامہ نوویؒ کی شرح صحیح مسلم کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ جس مشہور حدیث میں تین جگہ جھوٹ بولنا جائز بتلایا گیا ہے وہ بھی چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے نا کہ مطلق ہے۔

شیخین نے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو لوگوں میں یا دو کے درمیان صلح کرواتا ہے وہ جھوٹا نہیں۔

یہاں تک بخاری کی روایت ہے مسلم کی روایت میں مزید یہ الفاظ ہیں کہ "پھر اس غرض سے وہ خیر کی بات کی چغلی کھاتا ہے یا خیر کی بات کرتا ہے (تو وہ بھی جھوٹا نہیں)

ابن شہاب فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں سنا کہ ان تین باتوں کے علاوہ کہیں جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہو۔ جنگ میں اور لوگوں میں اصلاح کے لئے اور خاوند کا اپنی بیوی سے اور بیوی کا اپنے خاوند سے جھوٹ کہنا۔ ابوداؤد اور نسائی میں بھی یہی روایت آتی ہے۔

امام احمد نے اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں، آدم کی اولاد کا ہر جھوٹ لکھا جاتا ہے سوائے تین خصلتوں کے ایک یہ کہ آدمی اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لئے جھوٹ بولے یا یہ کہ آدمی جنگ میں دھوکہ دینے کے لئے جھوٹ بولے یا کوئی دو مسلمان آدمیوں میں صلح کروانے کے لئے جھوٹ بولے۔ (مسند احمد)

مسند احمد کی اس روایت میں لفظ "خدیعة" آتا ہے، یہ خداع سے مشتق ہے جس کا معنیٰ دھوکہ دینا ہے۔

یہ کسی انسان کو اس طور پر نقصان پہنچانے کا ارادہ کرنا ہوتا ہے جو اسے معلوم نہ ہو۔ حدیث میں آتا ہے "جنگ دھوکہ دہی ہے" لہٰذا دشمنوں سے ان کے ساتھ جنگی امور میں اور ان سے جہاد کرنے میں اور ہر چیز میں جو ان کی رسوائی کا سبب ہو جھوٹ بولنا شرع شریف نے جائز قرار دیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی جگہوں اور ان کے ہتھیاروں اور سامان جنگ کی کمین گاہوں کو ظاہر کرنے میں سچ بولنا درست نہیں جبکہ غالب گمان ہو کہ اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا۔

اسی طرح سے لوگوں میں صلح کروانے کے لئے بھی جھوٹ بولنا جائز ہے جس سے

لوگوں کے سینوں سے کینہ اور دشمنی جاتی رہے اور ان کی شیرازہ بندی ہو جائے اور ان میں افتراق وشقاق کی بجائے اتفاق واتحاد پیدا ہو۔

ابن مفلح ؒ ''الآداب الکبریٰ'' میں لکھتے ہیں کہ باہمی اصلاح اور جنگ اور بیوی کے علاوہ جھوٹ بولنا حرام ہے۔

ابن جوزیؒ اس کا ضابطہ اور قانون بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو مقصود محمود ہو اور وہ مباح بھی ہو مگر اس تک رسائی بغیر جھوٹ کے ممکن نہ ہو تو اس کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے اور اگر مقصود واجب ہو تو جھوٹ بولنا بھی واجب ہوگا۔

ابن مفلح ؒ اس کی توضیح وتطبیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ واجب جھوٹ بولنا اس وقت ہے جب کسی مسلمان کی آبرو یا جان خطرے میں ہو۔ اور ابو الخطاب کے نزدیک یہ جھوٹ بھی حرام ہے۔ البتہ ان کے نزدیک دو میں سے بڑے مفسدہ اور شر سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے۔

ابن عقیلؒ نے نہ صرف اس کو حسن اور بہتر کہا ہے بلکہ اس کو اکثر علماء کا قول بھی قرار دیا ہے۔

علامہ ابن القیم ''الھدیٰ'' میں فرماتے ہیں کہ انسان کا اپنے لیے اور غیر کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے جبکہ اس سے غیر کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور اس جھوٹ سے اپنے حق تک پہنچ جائے جیسے امام اور حاکم خصم کو حق کے خلاف ہونے کے وہم میں مبتلا کرتے ہیں تا کہ اس کے ذریعے حق تک پہنچ جائیں۔ جس طرح حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے سامنے جب دو عورتوں نے ایک بچے میں جھگڑا کیا اور ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ یہ اس کا بچہ ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ بچے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں عورتوں میں تقسیم کر دو۔ آپؑ کا مقصد ایک عورت کو جو اس کی حقیقی ماں تھی وہم میں ڈالنا تھا۔ چنانچہ وہ چلا اٹھی کہ بچہ کو مت مارو اور اسے دوسری عورت کو دے دو۔ یوں حضرت سلیمان علیہ السلام اصلی ماں تک پہنچ گئے۔

علامہ ابن قیمؒ نے اس قصہ کو نقل کر کے اس کو حقیقت تک پہنچنے کا نہایت عمدہ استدلال قرار دیا ہے۔ بہر حال یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقصد بچہ کے دو ٹکڑے کرنا نہ تھا اور

نظر بظاہر آپؐ کا یہ فرمان خلاف واقع معلوم ہوتا تھا مگر آپؐ کا مقصد حقیقی ماں کو وہم میں ڈالنا تھا تا کہ وہ سچ بول دے۔ واللہ اعلم۔

آدمی جھوٹ کیوں بولتا ہے؟

ان امور پر روشنی ڈالنا بھی ضروری ہے جو ایک انسان سے جھوٹ کے سرزد ہونے کا سبب بن جاتے ہیں ماوردیؒ جھوٹ بولنے کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''جھوٹ کے اسباب و محرکات میں سے ایک نفع کا حصول اور نقصان سے بچاؤ ہے جب آدمی دیکھتا ہے کہ جھوٹ میں سلامتی اور فائدہ ہے تو وہ دوسروں کو نہیں بلکہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہوئے جھوٹ بولنے کی اپنے لئے گنجائش پاتا ہے حالانکہ معاملہ کبھی اس کے برعکس بھی نکلتا ہے کہ جس چیز کی آرزو میں وہ جھوٹ بولتا ہے وہ اس کے ہاتھوں سے دور نکل جاتی ہے اور جس چیز سے ڈرتا ہے وہ اور سر پر آجاتی ہے۔ کیونکہ قبیح کبھی حسن نہیں ہوتا اور شر کبھی خیر نہیں ہوسکتا۔ کانٹوں سے انگور نہیں توڑا جاسکتا۔ اور نہ انگور کی بیل سے اندرائن توڑا جاسکتا ہے''

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ ''سچ کی جستجو کرو اگرچہ تمہیں اس میں ہلاکت ہی نظر آرہی ہو''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سچ میری حیثیت گرادے حالانکہ کم ہی گراتا ہے یہ مجھے اس سے محبوب ہے کہ جھوٹ مجھے بلند کردے اور یہ کم ہی بلند کرتا ہے۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ ''سچ تمہیں نجات دینے والا ہے اگرچہ تمہیں اس سے خوف ہو اور جھوٹ تمہیں ہلاک کرنے والا ہے اگرچہ تم اس سے بے خوف ہو''

جاحظؒ جھوٹ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''سچ اور وفا دونوں جڑواں ہیں اور صبر و حلم بھی دونوں جڑواں ہیں۔ ان میں دین و دنیا کی پوری درستگی ہے اور ان دونوں کی ضد یعنی جھوٹ اور بے وفائی اور بے صبری اور بے قراری ہیں جو ہر اختلاف و افتراق کا سبب اور ہر فساد کی اصل ہے''

جھوٹ بولنے کا ایک سبب یہ ہے کہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کی گفتگو سب پر حاوی ہو

اور لوگوں کی اس میں دلچسپی کم نہ ہو بلکہ سب لوگ اس کی بات پر کان دھرے رہیں اور یہ تمنا بسا اوقات سچ بولنے سے پوری نہیں ہوتی اور نہ ہی سچ بولنے سے اس کی یہ آرزو بر آتی ہے۔ یوں آدمی اپنی اس روحانی بیماری کی شفاء جھوٹ بولنے میں ہی محسوس کرتا ہے ان لوگوں کا حال پہلوں سے بھی برا ہے۔ کیونکہ یہ خواہش پست ہمتی اور حقارت نفس سے صادر ہوتی ہے۔

جاحظؒ فرماتے ہیں ''جھوٹ وہی بولتا ہے جو خود اپنی نظروں میں گرا ہو'' ابن مقفع فرماتے ہیں۔ مذاق سے جھوٹ بولنے کو معمولی اور حقیر نہ سمجھو کیونکہ اس سے آدمی باطل کو جلد ہی اختیار کر لیتا ہے''

جھوٹ بولنے کا ایک سبب اپنے دشمن کو رسواء کر کے اپنی جی کو ٹھنڈا کرنا ہے۔ اس مذموم غرض کے لئے آدمی اپنے دشمن کی طرف ہرنا کردنی کی نسبت کر کے اپنے تئیں خوش ہوتا ہے کہ میں نے اپنے دشمن کو رسواء کر دیا اور خود کو اسے بدنام کر کے محفوظ کر لیا مگر اس قسم کے آدمی کا حال پچھلے دو سے بھی برا ہے کیونکہ یہ خالص جھوٹ اور نقصان دہ شر ہے اسی لئے شریعت میں دشمن کی دشمن کے خلاف گواہی مردود ہے۔

جھوٹ بولنے کا ایک نہایت لطیف اور باریک سبب پے در پے جھوٹ بولنے کے اسباب کا اس طرح پیش آنا ہے کہ پھر جھوٹ بولنا سہل ہو جاتا ہے اور وہ اس کی طبیعت میں رچ بس جاتا ہے اور وہ جھوٹ سے اسقدر مانوس اور اس کا رسیا اور اس کا اسقدر تابع ہو جاتا ہے کہ کسی مقام پر بھی جھوٹ بولنے سے ہچکچاتا نہیں۔ یہاں تک کہ وہ جھوٹ سے بچنا بھی چاہتا ہے تو اس کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ جھوٹ بولنا اب اس کی طبیعت ثانیہ بن چکا ہوتا ہے۔ کسی حکیم کا قول ہے کہ ''جس کو جھوٹ کو دودھ پلانا میٹھا محسوس ہوتا ہے اس کا اسے دودھ چھڑانا مشکل ہوتا ہے''

''منثور الحکم'' میں ایک قول ہے کہ ''جھوٹا جس چیز میں بھی لگتا ہے وہ اس پر غالب آجاتی ہے''

جھوٹ کی چند علامتیں

مناسب ہے کہ اس مقام پر جھوٹ کی چند نشانیاں بتلا دی جائیں جن سے جھوٹ کو پہچانا جاتا ہے اس کی سب سے بڑی علامت تو خود ایک مومن کی ایمانی فراست ہے۔ دوسری قرار واقعی نشانی تکوینی طور پر رب کی مشیئت کے تحت اسکا آشکارا ہو جانا ہے۔ اس کے علاوہ علماء کرام نے جھوٹ پرکھنے کے مختلف طریقوں کو بیان کیا ہے۔

ذیل میں علامہ ماوردی کی کتاب ''ادب الدنیا والدین'' کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس کو پڑھ کر آپ جھوٹ کو پہچان سکتے ہیں لیکن چونکہ جھوٹ دراصل جھوٹ بولنے والے کا فعل ہوتا ہے اس لئے علامہؒ نے جھوٹے کی علامات کو لکھا ہے کہ جب جھوٹے کا جھوٹا ہونا پہچانا جائے گا تو جھوٹ بھی پہچانا جائے گا وہ لکھتے ہیں۔

☆ جھوٹے کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ آپ سے سنی ہوئی بات اور اپنی بیان کی ہوئی بات میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ خواہ اس کی بیان کردہ بات آپ کی بتلائی ہوئی بات سے کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہو۔

☆ ایک نشانی یہ ہے کہ جب آپ اس کو شک میں ڈالیں گے تو وہ شک میں پڑ جائے گا اور اگر آپ اس کو شک میں نہ ڈالتے تو وہ بھی شک کے خلجان میں مبتلا نہ ہوتا اور نہ ہی آپ کی بتلائی ہوئی بات سے پیچھے ہٹتا۔

☆ ایک نشانی یہ ہے کہ جب آپ اس پر اس کی بات کو لوٹائیں گے تو اس کا دل گھٹے گا اور وہ اپنی بات میں پھنس جائے گا اور اس کو اپنے کہے سے جان چھڑانے کی کوئی صورت نظر نہ آئے گی کہ اس کے پاس حجت اور برھان نام کی کوئی شی نہ ہوگی۔ کیونکہ جھوٹ سراب کی طرح ہے۔

☆ ایک نشانی یہ ہے کہ جھوٹے پر جھوٹوں اور توہم پرستوں کی علامتیں ظاہر ہونا شروع ہو جاتی جن کو وہ کسی طور پر بھی اپنے سے ہٹا نہیں سکتا۔

حکماء نے کہا ہے کہ ''آنکھیں زبان سے زیادہ ظاہر کرنے والی ہیں''، بعض اہل زبان کا قول ہے ''چہرے آئینے ہیں یہ آپ کو مخلوق کے اندر کے راز دکھاتے ہیں'' کسی شاعر کا شعر ہے۔

تریك اعینهم مافی صدورهم
ان العیون یودی سرها النظر

''ان کی آنکھیں آپ کو ان کے دلوں کی باتیں دکھاتی ہیں کیونکہ آنکھیں سینوں کے راز تک پہنچا دیتی ہیں''

جھوٹے کی بدنصیبی کے لئے یہی کافی ہے کہ پھر ہر کہی ان کہی ان کے سر ڈال دی جاتی ہے۔ یوں ایک طرف تو وہ جھوٹ کے عار اور داغ کو اپنے اوپر سجائے پھرتا ہے تو دوسری طرف ان کہی باتوں کی اذیت بھی اٹھاتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

حسب الکذوب من البلیة بعض مایحکی علیه
فاذا سمعت بکذبة من غیره نسبت الیه

''جھوٹے کی یہی سزا کافی ہے کہ ایک تو وہ جھوٹا مشہور ہو جاتا ہے پھر دوسروں کا جھوٹ بھی اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے'' ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا عرف الکذاب الکذب لم یکد یصدق فی شئی و ان کان صادق

''جب جھوٹا جھوٹ میں معروف ہو جاتا ہے تو اگرچہ وہ سچا ہی ہو پھر بھی اس کی کسی بات کی تصدیق نہیں کی جاتی''

ومن آفة الکذاب نسیان کذبه و تراه ذاحفظ اذا کان حاذقا

''جھوٹے کی آفت اس کا جھوٹ کو بھولنا ہے حالانکہ آپ دیکھیں گے کہ وہ بڑا سمجھ دار اور حافظہ والا ہے''

جھوٹ کی علامات چہرے پر ہی ظاہر ہو جاتی ہیں اور ضرور ظاہر ہوتی ہیں جس طرح سچ چہرے پر ظاہر ہو کر رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جب حضور اکرم ﷺ کو دیکھا تو پہچان گئے کہ آپؐ کا چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں۔ جھوٹے کے ساتھ ایسا ہونا طبعی اور فطری امر ہے کیونکہ ہر عمل کا بدلہ بھی اسی کی جنس میں سے ہوتا ہے۔ جھوٹ کی کثرت یہی نتیجہ دکھاتی ہے کہ جھوٹے کی سچی بات کو بھی سچا نہ جانا جائے۔ ایسے آدمی پر وہ مشہور مثال صادق آتی ہے کہ ''جیسا کرو گے ویسا بھرو گے'' لیکن ایسے شخص کو بھی

خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے کہ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے اور اس انتہائی مشکل سے بھی آدمی کو توبہ اور تقویٰ ہی نکالے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" (سورۃ الطلاق:۲)

"اور جو کوئی خدا سے ڈرے گا وہ اس کے لئے (رنج ومحن سے) مخلصی (کی صورت) پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو"

یقیناً جو لوگ آج جھوٹے کو برا بھلا کہتے ہیں سچی توبہ پر خدا لوگوں کے دلوں کو پھیر دے گا اور یہی لوگ اس کی تعریف کرنے والے بن جائیں گے۔ کیونکہ سب کے دل اور ساری قدرتیں اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔

جھوٹ کا "نفاق" اور "قیامت" سے تعلق

جھوٹا آدمی قیامت کی نشانی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت کے آخر میں ایسے لوگ ہونگے جو تمہیں ایسی باتیں سنائیں گے جو نہ تم نے اور نہ تمہارے آباؤ اجداد نے کبھی سنی ہونگی۔ پس ان سے بچ کر رہنا" (مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ "آخری زمانے میں بہت سے دجال صفت اور جھوٹے لوگ تمہیں ایسی باتیں سنائیں گے جو تم میں سے اور تمہارے آباءواجداد میں سے کسی نے نہیں سنی ہوں گی۔ لہٰذا ایسوں سے بچ کر رہنا کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "شیطان آدمی کی صورت بدل کر لوگوں کے پاس آتا ہے اور ان کو جھوٹی احادیث سناتا ہے جس سے ان میں تفرقہ پڑ جاتا ہے۔ ان میں سے ایک آدمی کہتا ہے میں نے اس آدمی سے حدیث سنی ہے جس کو چہرے سے تو پہچانتا ہوں لیکن اس کا نام نہیں جانتا" (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''سمندر میں شیاطین قید ہیں جن کو سلیمان علیہ السلام نے باندھا تھا۔ قریب ہے کہ نکل کر لوگوں کے پاس چلے آئیں اوران کو قرآن سنائیں''

یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔ علامہ نوویؒ اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''یعنی وہ چیز پڑھیں اور سنائیں جو قرآن نہیں اور کہیں کہ یہ قرآن ہے تاکہ عوام الناس کو دھوکہ میں ڈالیں لہٰذا ان سے دھوکہ نہ کھانا''

یہی وہ روایات ہیں جن کی بنیاد پر محدثین نے راویوں کے احوال کی چھان بین کو لازمی قرار دیا تاکہ معتبر راویوں کی روایات کو غیر معتبر روایوں کی روایات سے الگ کر دیا جائے کیونکہ زمانہ کے بدلتے رنگوں نے لوگوں کو جھوٹ بولنے میں احتیاط کرنے سے بے نیاز کر دیا تھا۔

جھوٹ نفاق کا شعبہ ہے:

جس طرح سچ ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے اور اہل ایمان کی ایمانی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے اس طرح جھوٹ کے بارے میں بھی ہے کہ وہ اہل کفرو نفاق یعنی کافروں اور منافقوں کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے اور اس کو نفاق عملی کہتے ہیں۔ جو بھی اس بری عادت میں مبتلا ہو گیا اور اس عادت نے اس کے رگ و پے میں جڑ پکڑلی اس پر اس بات کا اندیشہ ہے کہ اس کا معاملہ نفاق عملی سے گذر کر نفاق اعتقادی اور نفاق اکبر تک نہ پہنچ جائے جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول کا نفاق تھا۔ وہ ایمان کو اوپر اوپر سے ظاہر کرتا تھا مگر دل کے اندر کفر کو لیے ہوئے تھا اور جس طرح ایمان کے شعبوں کو ایمان کہتے ہیں اسی طرح کفر کے شعبوں کو کفر کہتے ہیں لہٰذا سچ ایمان ہے اور جھوٹ کفر اور نفاق ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس نے جھوٹ بولا وہ کافر ہو جائے گا اور دین سے خارج ہو جائے گا یا منافق ہو جائے گا۔ لیکن خطرہ ہے کہ کہیں اس تک پہنچ نہ جائے۔ یہ کفر سے پہلے کفر اور شرک سے پہلے شرک اور ظلم سے پہلے ظلم اور فسق سے پہلے فسق اور نفاق سے پہلے نفاق ہے۔

ہم اس موقع پر علامہ ابن قیمؒ کی کتاب ''صفات المنافقین'' کا ایک طویل اقتباس اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں جو جھوٹ اور نفاق کے تعلق پر خوب روشنی ڈالتا ہے۔

علامہؒ فرماتے ہیں کہ ''نفاق'' باطن کی لاعلاج بیماری ہے یہ آدمی کے اندر موجود ہوتی ہے، اور اسے اس کا شعور تک نہیں ہوتا۔ لوگوں پر یہ معاملہ پوشیدہ اور مخفی ہے کتنی چیزیں انسان کے اندر ایسی مخفی ہوتی ہیں جن میں وہ اپنے آپکو مصلح سمجھتا ہے حالانکہ وہ ان کی بابت مفسد ہوتا ہے۔ اس نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اکبر (۲) اصغر

نفاق اکبر:

یہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہمیشہ رہنے کو واجب کرتا ہے کہ اس میں آدمی بظاہر تو دوسروں پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کے دن پر ایمان ہے لیکن اس کا باطن ان کے اعتقاد اور ان پر یقین سے خالی ہوتا ہے اور درحقیقت وہ ان سب باتوں کی تکذیب کرتا ہے۔ اس بات پر وہ ایمان نہیں لاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو یعنی قرآن کو اپنے اس بندے پر نازل کیا جس کو لوگوں کے لئے رسول بنایا جو اللہ کی اجازت سے لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے اور اس کے عذاب سے ان کو ڈراتا ہے۔ ان منافقین کا راس المال دھوکہ دہی اور مکر ہے اور ان کی پونجی جھوٹ اور فریب ہوتی ہے۔ ان کی مادہ پرست عقل کے نزدیک مسلمانوں اور کفار کے دونوں فریقوں کو ان سے راضی ہونا چاہیے تاکہ منافق ان لوگوں میں امن سے رہ سکیں۔ ان کی اس کیفیت اور طرز فکر کو بیان کرتے ہوئے خدا تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔ (سورۃ البقرہ:۹)

''یہ (اپنے پندار میں) خدا کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں مگر (حقیقت میں) اپنے سوا کسی کو چکما نہیں دیتے اور اس سے بےخبر ہیں''

شبہات اور شہوات کے امراض نے ان منافقوں کے دلوں کو کمزور کردیا یہاں تک کہ ان کو ہلاک کردیا ان کے برے ارادے ان کی نیتوں پر غالب آگئے انہوں نے ان کی نیتوں کو فاسد کردیا پھر نیتوں کا فساد کبھی ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔ جس کے علاج سے سبھی عاجز ہو جاتے ہیں۔ اس لاعلاج بیماری کا تذکرہ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے ارشاد ہے:

"فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ" (البقرہ: ۱۰)

"ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا۔ خدا نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا۔ اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا"

ان منافقوں میں سے ہر ایک کے دو چہرے ہوتے ہیں۔ ایک چہرے سے یہ مومنین سے ملتے ہیں اور دوسرے چہرے سے اپنے ملحد بھائیوں کی طرف لوٹتے ہیں۔ پھر ان منافقوں کی زبانیں بھی دو ہیں ایک ظاہری جس پر مسلمان اعتبار کرتے ہیں اور ایک باطنی جو ان کے سینوں کے بھیدوں کی ترجمان ہوتی ہے۔ منافقوں کی اس دوزخی پالیسی سے پردہ اٹھاتے ہوئے خدا تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ" (سورۃ البقرہ: ۱۴)

"اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور ہم تو (پیروان محمدؐ سے) ہنسی کیا کرتے ہیں"

ان منافقوں کی مثال اس پریشان بکری کی سی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان کھڑی ہے کبھی اس طرف دیکھتی ہے تو کبھی اس طرف دیکھتی ہے لیکن کسی ایک ریوڑ میں جا کر شامل نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہ منافق بھی کافروں اور مسلمانوں کے دونوں گروہوں کے درمیان کھڑے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ کونسا طاقتور اور زیادہ عزت والا ہے۔ وہ ان دونوں کے درمیان تذبذب کا شکار ہیں۔ نہ اس طرف ہیں نہ اس طرف اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی راستہ نہیں۔ ان منافقوں کی چکنی چپڑی باتیں سننے والے کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اللہ کی ذات ان کے جھوٹے دلوں پر گواہ ہے۔ تم ان منافقوں کو حق میں سست اور باطل میں چست دیکھو گے۔ رب تعالیٰ ان کی اس نہایت سازشانہ خصلت سے پردہ

اٹھاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ۔ (سورۃ البقرہ:۲۰۴)

''اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں تم کو دل کش معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے ماضی الضمیر پر خدا کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے''

ہلاکت ہو ان منافقوں کی کہ وہ ایمان کی حقیقت سے کتنے دور ہیں اور تحقیق وعرفان کے کتنے ہی جھوٹے ان کے دعوے ہیں۔ لیکن رسول خدا کے پیروکاروں اور منافقوں کا کردار خود اپنا اپنا آئینہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ منافق بات بات پر قسمیں کھاتے ہیں کیونکہ یہ خود بھی جانتے ہیں کہ ایمان والوں کے دل ان سے مطمئن نہیں۔ تو وہ اپنے عیبوں کو چھپانے اور ان کی بدگمانی سے بچنے کے لئے قسموں کے ذریعے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ شک کی وادیوں میں بھٹکنے والے یونہی جھوٹ بولتے ہیں پھر قسموں پہ قسمیں کھاتے ہیں تاکہ سننے والا یہ گمان کرے کہ یہ سچے ہیں ان کی اسی خصلت کو خدا تعالیٰ نے اس آیت میں واضح فرمایا ہے:

اِتَّخَذُوْا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (سورۃ المنافقون:۲)

''انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اور ان کے ذریعے سے (لوگوں کو) راہ خدا سے روک رہے ہیں کچھ شک نہیں کہ جو کام یہ کرتے ہیں برے ہیں''

نفاق کی کھیتی دو نہروں پر اگتی ہے۔ ایک جھوٹ کی نہر اور دوسری ریاء کی نہر۔ اور ان دونوں نہروں کے سوتے دو چشموں سے پھوٹتے ہیں ایک بصیرت کے ضعف کا چشمہ اور دوسرا عزیمت کے ضعف کا چشمہ۔ جب ان چار ارکان کی تکمیل ہو جاتی ہے تو نفاق کی کھیتی اور اس کی بنیاد مستحکم ہو جاتی ہے لیکن اس کھیتی کی حیثیت گرتے کناروں پر چلنے والے سیلابی

نالوں کی سی ہے۔ پھر جب یہ منافق ان سیلابوں کی حقیقت اس دن دیکھیں گے جب بھید کھول دیئے جائیں گے اور پوشیدہ باتوں کو آشکارا کر دیا جائے گا اور قبریں پھٹ پڑیں گیں اور سینوں کے راز نکال لئے جائیں گے، پھر اس دن جس کا کل سرمایہ اور پونجی ''نفاق'' ہی ہوگی اس پر یہ بات کھل جائے گی کہ اس کا جمع شدہ سرمایہ تو سراب تھا کہ جسے وہ پانی سمجھتا رہا لیکن جب پاس گیا تو کچھ نہ تھا۔

پھر اس دن وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے پاس پائے گا تو وہ اس سے پورا حساب لے گا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ ان منافقوں کے دل خیرات اور بھلائیوں سے غافل ہیں۔ اور ان کے جسم غفلت کی طرف دوڑتے ہیں اور فحاشی ان کے راستوں میں کھلی ہوئی ہے۔ جب یہ منافق حق کو سنتے ہیں تو ان کے دل اس کے سننے سے سخت اور بے رحم ہو جاتے ہیں اور جب باطل اور جھوٹ کے پاس آتے ہیں تو ان کے دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور ان کے کان اس باطل کو توجہ سے سنتے ہیں۔ اللہ کی قسم یہ نفاق کی نشانیاں ہیں لہٰذا موت آنے سے پہلے ان سے بچ جاؤ۔ یہ منافق جب عہد کرتے ہیں تو پورا نہیں کرتے اور وعدہ کرتے ہیں تو وعدہ خلافی کرتے ہیں اور جب بات کرتے ہیں تو بے انصافی کی اور اگر ان کو فرمانبرداری کی طرف بلایا جائے تو رک جاتے ہیں۔ اور جب ان کو خواہشات اور اغراض کی طرف بلایا جائے تو بھاگ کر اس کی طرف جاتے ہیں۔ تو جو غم اور پریشانی اور نقصان انہوں نے اپنے لئے پسند اور اختیار کیا ہے ان منافقوں کو اسی میں چھوڑ دو۔ ان کے عہد پر بھروسہ نہ کرو اور ان کے وعدوں سے مطمئن نہ ہونا کیونکہ یہ اس میں جھوٹے ہیں اور یہ منافق جھوٹ کے سوا ہر بات کے مخالف ہیں خدا تعالیٰ ان منافقوں کی وعدہ خلافی کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عَاهَدَ اللّٰهَ......... وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ

(سورۃ التوبہ: ۷۵۔۷۷)

''اور ان میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہم کو اپنی مہربانی سے (مال) عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور نیکوکاروں میں ہو جائیں گے لیکن جب خدا نے ان کو

اپنے فضل سے (مال) دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور (اپنے عہد سے) روگردانی کر کے پھر بیٹھے تو خدا نے اس کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک کے لئے جس میں وہ خدا کے روبرو حاضر ہوں گے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اس لئے کہ انہوں نے خدا سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے"

"ماضی اور مستقبل کے چند جھوٹے قصے اور ان کی حقیقت"

جھوٹ بولنے سے بچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جھوٹی باتوں کے جھوٹ ہونے سے آگاہی ہو کہ مبادا آدمی کسی جھوٹی بات کو سچ سمجھ کر کہہ بیٹھے اور جھوٹ بولنے کا مرتکب ہو جائے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کا رسالہ "احادیث القصاص" اس بابت نہایت مفید رسالہ ہے جس میں ان احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے جن کو لوگ صحیح سمجھ کر بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ انہیں بیان کرنے سے بچ جائیں۔ شیخ محمد صباغ نے اس پر ایک طویل مقدمہ بھی لکھا ہے۔ ہم ذیل میں کتاب کے مقدمہ اور کتاب کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں تاکہ جھوٹ کی لعنت سے بچا جا سکے۔

شیخ صباغ لکھتے ہیں "لوگوں میں جو احادیث عام ہیں وہ بہت زیادہ اور مختلف مراتب کی ہیں۔ ان میں سے بعض تو صحیح اور حق ہیں اور بعض باطل اور جھوٹی ہیں۔ ان باطل اور جھوٹی احادیث کو پھیلانے والے بہت لوگ ہیں۔ مگر ان میں سب سے اہم کردار واعظین اور قصہ گو لوگوں کا ہے کیونکہ عوام ان کے قصے سن کر فریفتہ ہو گئے اور ان کی مجالس پر ٹوٹ پڑے اور ان قصوں کو قبول کر لیا تھا بہت سے لوگوں نے اس وعظ گوئی کو پیشے کے طور پر اپنایا اور اسی پر اپنی زندگی کی گذر بسر کرتے رہے اور اس کو ذریعہ معاش ٹھہرایا۔ جیسا کہ نظر آتا ہے کہ یہ قصہ گو ٹائپ لوگ محض عوام کو خوش کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں انہیں عوام کی تعلیم و تربیت سے مطلق سروکار نہیں ہوتا۔

ہمیشہ ہر زمانے میں عوام انوکھی چیزوں کے شوقین ہوتے ہیں اور بے سروپا جھوٹے افسانوں سے خوش ہوتے ہیں اور عجیب عجیب چیزوں کی طرف کان دھرتے ہیں۔ یہاں تک

کہ یہ ''قصہ گو'' گویوں کی طرح ہو گئے ہیں کہ جن کا مقصد صرف سامعین کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ ان قصہ گو لوگوں کا فریضہ اور کار منصبی صرف باتیں بنانا اور ان کا مقصود سامعین کی خوشی کو حاصل کرنا ہے۔ یہ صرف اس دور کی ہی مصیبت نہیں بلکہ ہر دور میں لوگوں کی نظر اسی طرف ہوتی ہے کہ کوئی نئی اور انوکھی بات سنیں اور یہی چیز ان قصہ نویسوں کو جو اللہ سے نہیں ڈرتے جھوٹ اور اختراع پر ابھارتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے مطلب میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے قصے سنا چکنے کے بعد لوگوں سے بخشش اور عطیے مانگتے ہیں۔ یہ بڑی ذلالت اور توہین والا کام ہے۔

ابن قتیبہؒ ''تاویل مختلف الحدیث'' میں لکھتے ہیں کہ یہ قصہ گو لوگ عوام کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں ان کے پاس جو منکر اور جھوٹی احادیث ہیں ان کو سراہتے ہیں۔ اور عوام کی حالت یہ ہے کہ وہ اس قصہ گو واعظ کے پاس بیٹھتے ہیں جس کی حدیث یا تو ایسی عجیب ہو جو عقل کے شعور سے خارج ہو یا دل کو غمگین اور نرم کر دینے والی ہو۔ جب وہ جنت کا ذکر کرتا ہے تو کہتا ہے کہ اس میں مشک اور زعفران کی حوریں ہیں اور ان حوروں کی سرینیں ایک میل لمبی اور ایک میل چوڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنتی کے لئے ایسا محل بنایا ہے جو سفید موتی سے ہے اور ہر اس میں ستر ہزار کمرے ہیں اور کمرے میں ستر ہزار گنبد نما خیمے ہیں۔ وہ اسی طرح جنت کی ہر چیز کو ستر ہزار کی تعداد میں بیان کرتا رہتا ہے۔ مجھے مناسب لگتا ہے کہ میں ان قصہ گوؤں کے دجل اور جھوٹ اور اللہ پر ان کی جرأت کے دو نمونے مثال کے طور پر پیش کروں۔

ا۔ ابن جوزیؒ نے ''موضوعات'' میں روایت کیا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ دونوں نے رصافہ کی مسجد میں نماز پڑھی نماز سے فارغ ہونے کے بعد ان کے سامنے ایک قصہ گو کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ مجھے حدیث بیان کی ہے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے ان دونوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی ہے عبدالرزاق نے انہوں نے معمر سے اور انہوں نے قتادہ سے اور انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے کہا لا الہ الا اللہ تو اللہ ہر کلمہ سے ایک پرندہ پیدا کرتے ہیں جس کی چونچ سونے کی ہوتی ہے اور جس کے پر مرجان کے ہوتے ہیں۔ اور آگے تقریباً بیس اوراق کا قصہ اس قصہ گو واعظ نے سنایا اس سارے قصے کے دوران احمد بن حنبلؒ، یحییٰ بن معینؒ کو اور

وہ ان کو دیکھتے رہے پھر امام احمد نے یحیٰی بن معین سے پوچھا کہ "کیا آپ نے یہ حدیث بیان کی" انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! "میں تو اسے ابھی سن رہا ہوں" جب وہ آدمی اپنی قصہ گوئی سے فارغ ہوا اور لوگوں کے عطیات سے اپنا دامن بھر لیا اور مزید کے انتظار میں اپنی گدڑی پھیلا کر بیٹھ گیا تو یحیٰی بن معینؒ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بلایا۔ وہ اس گمان میں جلدی سے چلا آیا کہ شاید یہ بھی کچھ دیں گے۔ یحییٰؒ نے اس سے پوچھا کہ یہ حدیث تجھے کس نے بیان کی ہے؟ اس نے کہا "احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین نے" انہوں نے کہا کہ میں یحیٰی بن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں۔ اور ہم نے اسے کبھی رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں نہیں سنا۔ اس پر اس قصہ گو نے یہ کہا کہ "میں سنتا رہتا تھا کہ یحیٰی بن معین احمق ہے لیکن اس کی تحقیق مجھے ابھی ہوئی ہے کیا تم دونوں کے علاوہ اس دنیا میں کوئی اور یحیٰی بن معین اور احمد بن حنبل نہیں؟ میں نے تمہارے جیسے سترہ احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین سے احادیث لکھی ہیں۔

۲۔ دوسرا قصہ جو جھوٹی واعظ گوئی کی مثال میں ہم پیش کر رہے ہیں وہ علامہ طرطوشی نے اپنی کتاب "الحوادث والبدع" میں روایت کیا ہے کہ "امام اعمش نے ایک شخص کو سند کے ساتھ ایک قصہ بیان کرتے سنا جس کے راویوں میں پہلا نام انہی کا تھا۔ اور وہ خود اس قصہ گو کے سامنے بیٹھے ہوئے یہ سب سن رہے تھے۔ اس پر انہوں نے اپنی بغلوں کے بال اکھیڑنے شروع کر دیے۔ یہ دیکھ کر اس قصہ گو نے کہا بوڑھے میاں آپ کو شرم نہیں آتی ہم تو علم بیان کر رہے ہیں اور آپ اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اعمشؒ نے اس واعظ کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ "تم جس کام میں لگے ہوئے ہو اس سے میرا یہ کام بہتر ہے" اس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا "وہ اس لئے کہ میں سنت میں مشغول ہوں اور تم جھوٹ میں مشغول ہو۔ میں ہی اعمش ہوں اور جو کچھ تم کہہ رہے ہو میں نے تمہیں یہ بیان نہیں کیا۔

ان قصہ گوؤں کے احوال اور حوادث کی تتبع اور جستجو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پرلے درجے کے جاہل تھے اور ان کے پاس علم نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ ان کی کل جمع پونجی بات کی مہارت اور من گھڑت جھوٹے قصے تھے بعض کرامیہ اور صوفیوں سے یہ منقول ہے کہ ترغیب

وترہیب کے لئے اپنی طرف سے احادیث گھڑ لینا جائز ہے۔ یہ خطاء فاحش اور صریح جہالت ہے کیونکہ ترغیب وترہیب بھی احکام شرعیہ میں سے ہے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر جان بوجھ کر کوئی جھوٹ گھڑنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ مناسب ہے کہ اس مقام پر ہم ان اسباب وعوامل اور محرکات پر بھی کسی قدر روشنی ڈالتے جائیں جو احادیث کے وضع کرنے اور ان کے گھڑنے کا باعث بنے۔ امام الحرمین جوینیؒ نے تو ایسے شخص کو کافر تک کہہ دیا ہے۔

ان میں سے ایک سبب محدث کی غفلت یا آخری عمر میں اس کی عقل کا بگڑ جانا یا غلطی واضح ہو جانے کے بعد درست چیز کی طرف رجوع کرنے میں تکبر کرنا وغیرہ ہے۔

بعض لوگوں نے صرف ترغیب وترہیب کے ارادے سے ہی احادیث گھڑیں اور اپنے زعم میں ان کا مقصود اللہ کی رضا تھا۔

اور بعض نے یہ نامسعود کام اپنے مذہب کی نصرت وحمایت کے لئے کیا۔

ان میں سے ایک طبقہ نفس پرستوں کا تھا جنہوں نے امراء وسلاطین کے تقرب اور اغنیاء کے عطایا کو حاصل کرنے کے لئے جو چاہا گھڑ لیا۔

اور ایک سبب اس کا یہ تھا کہ ان قصہ گوؤں کی اس قسم نے مساجد اور مجمعوں میں وعظ ونصیحت کے ذریعے مال بٹورنے کا طریقہ اختیار کیا۔

چند ماڈرن جھوٹ

اس موقع پر آج کی اس دنیا کی بھی ذرا سیر کر لی جائے اور دیکھ لیا جائے کہ ہمارے اس دور میں جھوٹ کو کسقدر جدید اور منظم انداز سے پھیلایا جارہا ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ دنیا اپنے رب کے دین سے دور ہو گئی ہے۔ آج قابل ملامت کام کرنا لوگوں کے نفوس میں سرایت کر گیا ہے، زندگی مادی بن گئی ہے۔ ایمان کے بہت سے معانی کی شکل مسخ کر دی گئی ہے۔ دشمنوں کے بعد اب اپنوں ہی کے ہاتھوں سے اسلام کی بیخ کنی ہو رہی ہے۔ بے دینی اور سیکولرازم بڑے بڑے ملکوں حتی کہ اسلامی ملکوں میں بھی توجہ طلب اور قابل عزت بن چکا

ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تو یہ حال تھا کہ آپ قصہ گوؤں کو مساجد سے نکال دینے کا حکم دیتے تھے باوجودیکہ یہ قصہ گو اپنے خیال میں دین کی ترغیب دیتے تھے اور دین کو چھوڑنے سے ڈراتے تھے۔ تو پھر ان جھوٹے خیالی قصوں کو پھیلانے والوں کا کیا حال ہوگا جو بالکل بے سروپا قصوں، لطیفوں اور خرافات کو پھیلاتے ہیں جیسے الہ دین کے جادوئی چراغ اور سند باد کے قصے ہیں اس کا مشاہدہ بچوں کی کہانیوں اور ان کے پروگراموں سے ہوتا ہے۔ جیسے مکی ماؤس ٹوم اینڈ جیری ٹارزن اور سپر مین وغیرہ کے میگزین اور دسیوں وہ قصے جنکو ہر روز پریس ریلیز کرتے ہیں۔ اور ''کارٹون نیٹ ورک'' جیسے ٹی وی چینل نشر کرتے ہیں جیسے ''پوکی مان'' وغیرہ کے پروگرام کہ یہ سوچا سمجھا خوفناک مواد اپنی سنگینی میں قصہ گوؤں کی احادیث سے کم نہیں۔ کیونکہ اگرچہ اس میں دین کے بارے میں گفتگو نہیں اور نہ ہی اس کی نسبت ترغیب وترہیب کی طرف ہے مگر پھر بھی یہ سب کچھ دین کو ڈھانے والا اور اس سے دور کرنے والا ہے کیونکہ یہ سب قصے اور کہانیاں عقائد اور کائنات کے متعلق تصورات، زندگی اور معاشرہ کی اصلاح کو شدید متاثر اور معاشرتی اخلاق واقدار کو منتشر اور پراگندہ کرتے ہیں۔ یہ جھوٹے قصے نہ صرف یہ کہ چھوٹوں کے لیے باعث دلچسپی ہیں بلکہ ان میں بڑوں کی دلچسپی کا بھی کافی سامان ہے۔ پھر انسانی معاشرتی اور تمدنی عقل ودماغ اور دینی، روحانی اور اخلاقی رسوم ورواج اور اقدار کو ان بے مغز کہانیوں کے ذریعے متاثر کرنے کے لئے بڑے بڑے ادیبوں، قلم کاروں، تجزیہ نگاروں، سکالروں اور دانشوروں نے اپنی خدمات وقف کی ہوئی ہیں اور بڑے بڑے دل فریب اور پرکشش عناوین کے ذریعے ان باتوں کی طرف عوام کی توجہ کھینچتے ہیں اور اس عقل وشرع دونوں کی حدود سے نکلے ہوئے ''ادب'' کا نام کبھی تو ''جدید ادب'' اور کبھی ''جبلی ادب'' اور کبھی ''جمالیاتی ادب'' رکھتے ہیں۔ اول تو ادب کی اس جدید شکل میں شریعت کا لحاظ نہیں دوسرے اس کے اہداف و مقاصد درست نہیں۔ اور اگر یہ دونوں باتیں حاصل بھی ہوں تو ان کا اسلوب غلط ہوتا ہے کیونکہ ان کی مراد جھوٹی حکایتیں ہی ہوتی ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ ''مقصد'' وسیلہ کو قابل معافی نہیں بنا سکتا۔ لہٰذا اگر کسی صحیح مقصد کا وسیلہ غلط ہوگا تو وہ اس مقصد کو جائز نہیں کر سکتا۔

اگر ہم حقیقی فضیلت کو پہچانیں تو قرآنی قصے اور انبیاء ومرسلین اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی اتباع کی ان کی سیرت ہی کافی ہے۔ البتہ سچے قصوں کی حکایت میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے ضرب المثل اور خاص نصیحتیں اور محاورے وغیرہ۔ خیالی قصے جھوٹ کی ایک صورت ہیں۔ اور کسی چیز کا پھیل جانا یا بہت سوں اس کا کو بیان کرنا اس کو جائز نہیں بنا دیتا۔ حق حق ہی ہے اگر چہ اس کے حاملین تھوڑے ہی ہوں اور باطل باطل ہی ہے اگر چہ اس کے قائل بہت سے ہوں۔ اس لئے ہدایت وعافیت سچ اور نیکی میں ہی ہے۔

اپریل فول کی مصیبت

گذشتہ میں بیان کردہ جھوٹ کی تعریف اس کی اقسام اس کی مباح اور جائز صورتوں اور اس کے احکام کو دیکھنے کے بعد جھوٹ بولنے کی کسی طور پر بھی گنجائش نہیں نکلتی خواہ سنجیدگی سے ہو یا مذاق سے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کلام مقاصد تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ لہٰذا ہر وہ مقصود جو اچھا ہو اور جس تک سچ اور جھوٹ دونوں سے پہنچ سکیں تو اس میں جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اور اگر اس تک پہنچنا صرف جھوٹ ہی سے ممکن ہو نہ کہ سچ سے تو اگر اس مقصد کا حاصل کرنا مباح ہو تو اس میں جھوٹ مباح ہوگا۔ اور اگر مقصد واجب ہو تو یہ بھی واجب ہوگا۔ جیسا کہ مسلمان کے خون کی حفاظت واجب ہے۔ اگر سچ بولنے سے ظالم سے چھپے ہوئے مسلمان کے خون بہنے کا خوف ہو تو اس حالت میں جھوٹ بولنا واجب ہے اور اگر جنگ کا مقصود یا آپس کی اصلاح اور مصیبت زدہ کے دل کو مائل کرنا فقط جھوٹ ہی سے ممکن ہو تو جھوٹ بولنا مباح ہوگا مگر اس کو چاہیے کہ پھر بھی جہاں تک ہو سکے جھوٹ سے احتراز ہی کرے۔ کیونکہ اگر اس نے اپنے اوپر جھوٹ کا دروازہ کھول لیا تو ڈر ہے کہ یہ اس چیز کی بھی دعوت دے جس کی ضرورت نہیں اور اس چیز کی بھی جس میں وہ حد ضرورت پر اکتفاء نہ کرے۔ ضرورت کے سوا جھوٹ بولنا بالکل حرام ہے۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں، جیسا کہ علماء کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ عورت اور مرد کے

حق میں جھوٹ کے جائز ہونے سے مراد وہ امور ہیں جن میں مرد یا عورت میں کسی کا دوسرے پر ثابت حق ساقط نہ ہو اور نہ ہی ایک دوسرے کی ذمہ داریاں ساقط نہ ہوں۔ اس طرح جھوٹ کے جائز ہونے کا حکم جنگ میں امن دینے کے علاوہ میں ہے۔ علماء کا اتفاق ہے کہ اضطراری حالت میں جھوٹ جائز ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی ظالم سے جان بچا کر کسی کے پاس پناہ لے تو پناہ دینے والے کو نہ صرف یہ کہ چھپنے والے کی بابت جھوٹ بولنا جائز ہے بلکہ وہ اس پر قسم بھی کھا سکتا ہے۔ اور اس پر وہ گنہگار بھی نہ ہوگا واللہ اعلم۔

گذشتہ تفصیل سے انگریزی کے چوتھے مہینے اپریل کی یکم تاریخ کو بولے جانے والے اس جھوٹ کا حکم بھی معلوم ہو گیا جس کو جدید تہذیب نے ''اپریل فول'' کا خوشنما نام دیا ہے۔ گویا کہ وہ جھوٹ ان دنوں کی ضرورت ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا لوگ مزاح کرتے ہیں اور ہنسی مذاق میں ایک دوسرے سے جھوٹ بولتے ہیں پھر ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ یہ تو اپریل فول تھا۔ اپریل سن عیسوی کا چوتھا مہینہ ہے۔ اور اپریل فول ایک تہوار ہے۔

یہ کب شروع ہوا اس بارے میں مختلف اقوال ہیں: بعض کہتے ہیں کہ یہ موسم بہار کی تقریبات کے ساتھ وجود میں آیا جو ۲۱ مارچ کے بعد شروع ہوتی ہیں بعض کہتے ہیں کہ جب فرانس میں ۱۵۶۴ء میں نیا کیلنڈر بنا تو اس وقت سے ایک رسم کو شروع کیا گیا۔

بعضوں نے اس کو عہد قدیم کے بت پرستوں کے بہار کا تہوار قرار دیا ہے۔ اور انگریز یکم اپریل کو احمقوں اور غافلوں کا دن کہتے ہیں کیونکہ اگرچہ اس دن خوب جھوٹ پھیلایا جاتا ہے مگر لوگ پھر بھی اس کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اس پر ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے اپریل فول منانا ناجائز اور حرام ہے۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ اپریل ربیع الثانی سے بدلا ہوا ہے۔ اور نہ ہی عیسوی تقویم ہجری تقویم سے بدلی ہوئی ہے کیونکہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ .... فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ'' (توبہ:۳۶)

ترجمہ ''خدا کے نزدیک مہینے گنتی میں (بارہ ہیں) یعنی اس روز

(سے) کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا کتاب خدا میں
(برس کے) بارہ مہینے (لکھے ہوئے) ہیں ان میں سے چار مہینے
ادب کے ہیں یہی دین (کا) سیدھا رستہ ہے۔ تو ان (مہینوں) میں
(قتال ناحق سے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا“

یہ مہینے عربوں میں معروف ہیں اور ان ہی سے احکام شرعیہ متعلق ہیں نہ کہ انگریزی مہینوں سے۔

غرض جھوٹ کا حرام ہونا ہمیں معلوم ہو گیا چاہے اس مہینے میں ہو یا کسی اور مہینے میں اور ان عیسوی مہینوں کو اللہ کے حرام کردہ کاموں کا ذریعہ بنانا صحیح نہیں اور نہ ہی ان میں بندوں کو جھوٹ کی مشق کرانی چاہیے۔ یقیناً دل خدا تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم سے ہی پاکیزہ بنتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب کیے جانے والوں ”جھوٹوں“ کی حقیقت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں وارد بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ سے جھوٹ بولنا صادر ہوا اور بظاہر یہ نبوت کی عصمت کے خلاف ہے ایک طویل حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین جھوٹ بولے۔ ان میں سے دو اللہ عزوجل کی ذات کے بارے میں ہیں (اور وہ) آپؑ کا یہ کہنا ہے:

”اِنِّیْ سَقِیْمٌ“ (سورۃ الصافات:۸۹)

”میں تو بیمار ہوں“ اور

”بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا“ (سورۃ الانبیاء:۶۳)

”(نہیں) بلکہ یہ ان کے اس بڑے (بت) نے کیا (ہوگا)“

(آگے تیسرے جھوٹ کے بارے میں) ارشاد فرمایا کہ ایک دن ابراہیم علیہ السلام اور سارہ علیہا السلام کا گزر سرکش بادشاہوں میں سے ایک سرکش بادشاہ پر ہوا اس کو بتایا گیا کہ یہاں ایک آدمی آیا ہے جس کے ساتھ سب سے حسین ترین عورت ہے۔ اس نے ایک

آدمی بھیج کر اس عورت کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون عورت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ''یہ میری بہن ہے'' پھر آپ نے سارہ علیہا السلام سے آ کر کہا کہ پوری روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن نہیں۔ اس آدمی نے مجھ سے پوچھا تو میں نے بتا دیا کہ تو میری بہن ہے لہٰذا میری تکذیب نہ کرنا۔ اس سرکش نے سارہ علیہا السلام کو بلوا بھیجا پھر جب اس نے کمرے میں داخل ہو کر حضرت سارہ کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے کہا اللہ سے میرے لیے دعا کرو میں تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ سارہ علیہا السلام نے دعا کی تو وہ چھوٹ گیا پھر دوسری دفعہ اس نے ہاتھ بڑھایا تو پھر اسی طرح یا اس سے بھی سخت پکڑا گیا۔ اس نے کہا اللہ سے دعا کرو میں آپکو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا پھر اس نے اپنے ایک دربان سے کہا کہ تم میرے پاس انسان نہیں لائے تھے بلکہ شیطان لائے تھے اور حضرت ھاجرۂ کو اس نے سارہ علیہا السلام کی خادمہ بنا کر ساتھ کر دیا۔ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں تو وہ نماز پڑھ رہے تھے تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا سارہ علیہا السلام نے کہا اللہ تعالیٰ نے کافر یا فاجر کے داؤ کو اسی کی طرف لوٹا دیا اور اور یہ ھاجرہ کو میرے ساتھ میری خدمت کے لئے کر دیا ہے۔ (یہ حدیث سنا کر ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے، ''اے آسمان کے بیٹو! یہ تمہاری ماں ہیں'' (بخاری)

اس حدیث میں بظاہر کوئی ایسی چیز نہیں جو آپ کی عدم عصمت پر دلالت کرتی ہو۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی ان تین جھوٹوں سے مراد حقیقی جھوٹ نہیں۔ بلکہ آپؐ کی مراد یہ تھی کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام نے ایسی باتیں کہیں کہ جن میں صورت کے اعتبار سے جھوٹ کا وہم ہوتا تھا لیکن حقیقت اور واقعہ میں وہ جھوٹ نہیں تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم سے کہنا ''اِنِّیْ سَقِیْمٌ'' اور یہ کہنا ''بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا'' یہ ان سے اور ان کے معبودوں سے ایک طرح سے مذاق کرنا ہے۔ ''اِنِّیْ سَقِیْمٌ'' سے آپ کی مراد یہ تھی کہ آپ ان کے ان بتوں کی پرستش سے بیمار ہیں جو نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان اور نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور اپنے عبادت کرنے والے کو کسی چیز سے نہیں بچا سکتے۔ بیماری کا تعلق صرف جسم ہی سے نہیں نفس سے بھی ہو سکتا ہے۔ خاص

طور پر جب انہوں نے اپنی قوم کو جہالت اور گمراہی میں سرگرداں دیکھا اور ان کو ہدایت کی طرف بلایا۔ لیکن وہ اپنی گمراہی میں ہی بھٹکتے رہے۔ اور آپ کا یہ کہنا ''بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا'' حقیقت میں جھوٹ نہیں تھا بلکہ کلام کا یہ طرز ایک ناقابل تردید اور روشن حجت کی ایک قسم ہے جسے ابراہیم علیہ السلام نے بڑے بت کی طرف اشارہ کر کے بیان فرمایا تھا کیونکہ پھر جب آپ نے ان لوگوں کو اس بات پر تعجب کرتے دیکھا تو انہیں یہ کہہ کر لاجواب کر دیا:

فَاسْأَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ۔ (سورۃ الانبیاء:۶۳)

''اگر یہ بولتے ہوں تو ان سے پوچھ لو''

اور اپنی بیوی کو بہن کہنے سے عقیدہ اور ایمان کی اخوت مراد تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ (سورۃ الحجرات:۱۰)

''مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں''

عصر حاضر کے مشہور عالم علامہ صابونی ''النبوۃ والانبیاء'' میں لکھتے ہیں کہ یہ تعریض ہے نا کہ کذب کہ جس کے مواخذہ پر عتاب یا ارتکاب پر گناہ کا اندیشہ ہو۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے ''توریہ کے ذریعے جھوٹ سے بچا جا سکتا ہے'' لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام میں کوئی ایسی چیز نہیں جو ان کے جان بوجھ کر جھوٹ بولنے پر دلالت کرے جو انبیاء علیہم السلام کی عصمت میں مخل ہو۔ یہ تو مباح تعریض کی ایک قسم ہے۔

توریہ اور معاریض:

مناسب ہے کہ اس مقام پر توریہ اور معاریض کا معنیٰ اور حکم بھی بیان کر دیا جائے۔ تعریض کا لغوی معنیٰ کسی پر بات رکھ کر بات کرنا ہے اور توریہ کا معنی کذب بیانی سے بچ کر مقصد کی پردہ پوشی کرنا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ حدیث میں توریہ اور تاویل کی صورت میں جنگ میں اور آپس کی اصلاح کے لئے جھوٹ بولنے کی رخصت آئی ہے البتہ صراحتاً جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں کیونکہ سنت جھوٹ کی اباحت کے لئے نہیں آئی البتہ صرف توریہ اور تعریض کی گنجائش ہے۔

جیسا کہ ابتدائے اسلام میں ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ "آپ کس سے ہو؟ یعنی آپ کا قبیلہ کون سا ہے تو آپؐ نے فرمایا "میں پانی سے ہوں" یہ جواب سن کر سائل مطمئن ہو گیا کہ شاید یہ آپؐ کے قبیلہ کا نام ہے حالانکہ آپ نے حقیقت حال کے اخفاء کے لئے یہ فرمایا تھا۔ آپ کی مراد وہ پانی تھا جس سے انسان پیدا ہوتا ہے۔

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی ہے کہ جب آپ نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہجرت کی تو آپؓ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چل رہے تھے۔ راہ میں کچھ عرب ملے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جانتے تھے اور حضور اکرم ﷺ کو نہیں پہچانتے تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ ابوبکر یہ کون ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ میرا رہبر ہے جو مجھے راستہ دکھاتا ہے" انہوں نے اس سے راستے کی راہنمائی گمان کی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مراد اس سے ہدایت کے راستے کی راہنمائی تھی آپ اپنی مراد میں سچے تھے اور یہ آپ نے بطور توریہ کے کہا تھا۔

نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ "توریہ میں آدمی کے لئے جھوٹ سے پاک رہنے میں کفایت ہے"

ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ " کلام میں اسقدر وسعت ہے کہ جھوٹ کو صراحۃ بولنے کی حاجت نہیں"

سفارینیؒ نے "غذاء الالباب" میں لکھا ہے کہ جنگ میں جھوٹ یہ ہے کہ اپنی طرف سے قوت کو ظاہر کرے اور ایسی باتیں کرے جس سے اس کے ساتھی مضبوط ہوں اور دشمن کو اس سے دھوکہ دے۔ کیونکہ آپؐ کا فرمان ہے کہ "جنگ دھوکہ ہے" اور جب آپؐ کا ایک غزوہ کا ارادہ ہوتا تو دوسری چیز سے توریہ کرتے تھے۔

بیوی کے لئے جھوٹ بولنا یہ ہے کہ جتنی محبت اس کی دل میں ہے اس سے زیادہ ظاہر کرے تاکہ بیوی کے ساتھ محبت کا رشتہ استوار رہے۔

علامہ بغویؒ نے "شرح السنہ" میں لکھا ہے کہ حجاویؒ فرماتے ہیں "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاوند کا بیوی سے جھوٹ بولنا مباح ہے نا کہ بیوی کا خاوند کے آگے

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں بظاہر دونوں کے لیے اباحت ہے کیونکہ جب دو اجنبیوں کی اصلاح کے لیے جائز ہے تو خاوند اور بیوی کی اصلاح کے لئے بدرجہ اولی افضل اور مباح ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا میں تجھے اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ اس نے کہا اگر تم مجھے قسم دیکر پوچھتے ہو تو مجھے تم سے محبت نہیں۔ وہ آدمی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا۔ آپؓ نے اس کی بیوی کو بلوا کر پوچھا کہ تم نے اپنے خاوند سے کہا ہے کہ مجھے تم سے محبت نہیں۔ اس عورت نے کہا اے امیر المومنین! اس نے مجھے اللہ کی قسم دی تھی تو کیا میں اس سے جھوٹ بول دیتی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں تو اس سے جھوٹ بول دے۔

اصلاح بین الناس میں جھوٹ یہ ہے کہ آدمی ایک ساتھی کی اچھی بات دوسرے تک پہنچائے اگر چہ اس سے نہیں سنی اور اس سے اس کی مراد اصلاح ہو یا اگر اس سے کوئی بری بات سنی ہو تو اس کو بدل کر اچھی بات سنائے کیونکہ اگر وہ اس بری بات پر واقف ہوگا تو ان میں جھگڑا بڑھے گا اور دشمنی پیدا ہوگی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آدمی جھوٹا نہیں جس نے لوگوں میں اصلاح کے لئے خیر کی بات کہی یا خیر کو پھیلایا۔

اور اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ جنگ میں یا بیوی کی دلداری کرنے میں یا دو آدمیوں کے درمیان صلح یا مسلمانوں اور کافر سے ظلم ہٹانے کے علاوہ میں جھوٹ بولنا حرام ہے۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث پر دوسرے امور کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے جیسے آدمی کا کسی کے مال کو ظالم سے بچانے کے لئے جھوٹ بولنا اور اپنی یا غیر کی پردہ پوشی کے لئے معصیت کا انکار کرنا جب تک کہ وہ غیر اس معصیت کو اعلانیہ طور پر نہ کرے۔ بلکہ اپنی پردہ پوشی کرنا اس کے لئے لازمی ہے وگرنہ وہ معصیت کا اعلان کرنے والا ہوگا جبکہ وہ اپنے آپ پر حد قائم کرنا چاہے جیسا کہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ ہے لیکن اس کے باوجود بھی ستر اولی ہے۔ اپنے اور اللہ کے درمیان اس معاملہ کو رکھ کر توبہ کرے کہ اس میں مضرات سے بچاؤ ہے۔

یاد رہے کہ جھوٹ کے مباح ہونے کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ مقصود جو محمود اور مباح ہو اور

اس کا حصول بغیر جھوٹ کے ممکن نہ ہو تو اس کے لئے جھوٹ بولنا بھی مباح ہے اور اگر یہ مقصود واجب ہو تو جھوٹ بولنا واجب ہوگا۔ اسی طرح معصوم کو بچانا واجب ہے۔ لہٰذا اس کے لئے جھوٹ بھی واجب ہوگا البتہ ایسی صورت حال میں بھی جہاں تک ممکن ہو سکے توریہ اور تعریض سے کام لینا چاہیے تاکہ نفس جھوٹ کا عادی نہ ہو جائے۔ بہر حال غالب اور راجح مصلحت کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے جیسے ہم نے امام ابن جوزیؒ کے کلام سے اس کی تفصیل پہلے بیان کی ہے کہ اگر کسی واجب مقصود تک پہنچنا صرف جھوٹ سے ہی ممکن ہو تو جھوٹ بولنا واجب ہے۔ لیکن قسم کھانے والا ظالم ہے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا اگرچہ اس نے تاویل کی ہو کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''تیری قسم اس چیز پر ہو جس میں تیری تصدیق تیرا ساتھی کرے'' اور یہی حکم طلاق عتاق وغیرہ میں جھوٹی قسم کھانے کا ہے کہ ان قسموں میں کفارہ آئے گا۔ اگرچہ ان باتوں میں وہ مظلوم ہی ہو۔ واللہ اعلم۔

بعض قبروں کے بارے میں خود تراشیدہ جھوٹ:

ہمارے اس دور میں جھوٹ کی ایک انوکھی قسم بعض قبروں کے بارے میں عجیب و غریب قصے بھی ہیں جن میں اس حد تک رنگ آمیزی کی جاتی ہے کہ لوگ ان کی زیارت کے لئے دور دراز کے سفر کر کے بھی آتے ہیں ایسی ہی قبروں کے بارے میں علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم'' میں لکھا ہے کہ:

انہیں جگہوں میں سے ایک وہ بھی ہیں جس کے متعلق گمان کیا جاتا ہے کہ یہ کسی نبی یا نیک آدمی کی قبر ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یا یہ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ ان کی رہائش گاہ ہے۔ حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں۔ ایسی بہت سی جگہیں دمشق میں ہیں جیسے مثلاً مشرقی دروازے سے باہر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قبر حالانکہ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ میں فوت ہوئے نا کہ دمشق میں۔ واللہ اعلم۔ وہ قبر جس کسی کی بھی ہو مگر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی نہیں۔

اسی طرح دمشق کی جامع کی جنوبی دیوار کے ساتھ ایک جگہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں حضرت ھود علیہ السلام کی قبر ہے۔ میں کسی اہل علم کو نہیں جانتا کہ جس نے یہ ذکر

کیا ہو کہ اللہ کے نبی ھود علیہ السلام کی وفات دمشق میں ہوئی۔ بلکہ ایک قول کے مطابق وہ یمن میں فوت ہوئے اور ایک قول مکہ کا ہے۔ کیونکہ ان کی بعثت کی جگہ یمن ہے اور قوم کے ہلاک ہونے کے بعد انہوں نے مکہ کی طرف ہجرت کی۔ بہر حال شام نہ تو ان کا وطن ہے اور نہ ہی ہجرت کی جگہ۔ تو پھر ان کی وفات وہاں کیسے ہوسکتی ہے جبکہ اہل علم نے اس کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ اس کے انتہائی خلاف ذکر کیا ہے۔

اسی طرح دمشق کے مغربی دروازے کے باہر ایک قبر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اویس قرنیؒ کی قبر ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے ذکر کیا ہو کہ اویس قرنیؒ دمشق میں فوت ہوئے کیونکہ انہوں نے تو دمشق کا رخ تک نہیں کیا۔

اویسؒ ارض یمن سے ارض عراق کی طرف آئے۔ ایک قول کے مطابق وہ جنگ صفین میں قتل ہوگئے تھے۔ بعض نے کہا کہ وہ ارض فارس کے نواح میں فوت ہوئے اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں لیکن کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ وہ شام گئے تھے چہ جائیکہ وہاں فوت ہوئے ہوں۔

اسی طرح وہاں ایک قبر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر ہے حالانکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ مدینہ میں فوت ہوئیں نہ کہ شام میں اور وہ بھی کبھی شام نہیں آئیں کیونکہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سفر نہیں کرتی تھیں۔

اسی طرح مصر کے شہر قاہرہ میں ایک قبر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مدفون ہے۔ اس کی اصل جھوٹی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا سر وہاں سے مصر منتقل کیا گیا یہ اہل علم کے اتفاق سے باطل ہے۔ اہل علم میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر عسقلان میں تھا۔ بلکہ دیگر اقوال اس کے خلاف ہیں کیونکہ ان کا سر کوفہ سے عبید اللہ بن زیاد کے پاس سے لایا گیا تھا۔

اسی طرح بہت سے مشہور آدمیوں کے ناموں کی قبریں ہیں اور یہ معلوم بھی ہے کہ یہ ان کی قبریں نہیں لہٰذا ان جگہوں میں کوئی فضیلت کی بات نہیں۔ اگر چہ جاہل لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اس میں فضیلت ہے۔ پھر اگر وہ قبریں صحیح بھی ہوں تب بھی ان کا جشن یا میلہ منانا درست نہیں اور نہ وہ افعال کرنا جائز ہیں جو ان جھوٹی قبروں پر کیے جاتے ہیں۔

اسی طرح وہ جگہیں بھی اسی باب میں سے ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس جگہ پر نبی اکرم ﷺ یا کسی اور کا اثر یا نشان ہے۔ اور اسی جگہ کو مقام ابراہیم جو مکہ میں ہے کے مشابہ قرار دیتے ہیں۔ جیسے بعض جاہل لوگ بیت المقدس کے پتھر کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس پتھر پر حضور اکرم ﷺ کے پاؤں سے روندنے کے نشانات ہیں۔ دمشق کی جنوبی مسجد کا نام ہی مسجد القدم رکھا گیا ہے کہ وہاں بھی قدموں کا ایک نشان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے قدموں کے نشان ہیں۔ یہ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے نہ تو شام میں قدم رکھے اور نہ ہی اس کے گردونواح میں کہ ان کے بارے میں یہ تک کہا جائے۔

ایسی حکایات آپ کو ان مزاروں کے خادموں اور مجاوروں سے سننے کو ملیں گی جو لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے ہٹاتے ہیں۔ اور ایسی ایسی حکایات بیان کرتے ہیں جن میں تاثیر ہو مثلاً ایک آدمی نے یہاں دعا مانگی تو قبول کرلی گئی۔ یا "اس کی نذر مانی کہ اگر اللہ نے میری حاجت پوری کردی تو میں یہ کروں گا" پھر اس کی حاجت پوری کردی گئی وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح سے گذشتہ امتوں میں بتوں کی پرستش بھی شروع ہوئی تھی۔

یاد رہے کہ جو احترام مساجد کا ہے وہ کبھی قبروں کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ (سورہ جن:۱۸)

"اور یہ کہ مسجدیں (خاص) خدا کی ہیں تو خدا کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو"

اور نہ ہی یہ ہوگا کہ پیدا تو خدا کرے مگر عبادت کسی اور کی ہو۔ اور رزق تو وہ دے مگر شکریہ کسی اور کا ادا کیا جارہا ہو۔ ارشاد ہے:

"اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ .... وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا" (مریم:۹۳-۹۵)

"تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا کے روبرو بندے ہوکر آئیں گے اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے۔ اور سب قیامت کے دن اس کے

سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے''

غرض نفع نقصان اور موت حیات کا مالک اللہ ہے لہٰذا اللہ ہی سے مدد اور عافیت مانگی جائے۔ کہ وہی ایسا داتا ہے جس کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں اور نہ ہی وہ دیتے ہوئے ذرا بھی تردد کرتا ہے۔

''بدترین جھوٹ'' اور ''بدترین جھوٹوں'' کے بارے میں نبی کریمؐ کی سچی خبریں

''جھوٹی نبوت کا دعویٰ'' کائنات کا سب سے بڑا جھوٹ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا'' قیامت کے نزدیک تیس جھوٹے دجال ہونگے ان میں سے ہر ایک کہے گا کہ وہ نبی ہے'' (بخاری، مسلم)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تیس جھوٹے نہ نکل آئیں۔ ان میں سے مسیلمہ اور عنسی اور مختار ہیں۔ قبائل عرب میں سے سب سے شر والے بنو امیہ اور بنو حنیفہ اور بنو ثقیف ہیں'' (بیہقی)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حجاج بن یوسف سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ ثقیف میں کذاب اور مبیر (ہلاک کرنے والا) ہوگا۔ رہا کذاب تو وہ ہم نے دیکھ لیا ہے رہا مبیر تو میرا خیال ہے کہ وہ تم ہی ہو'' (مسلم)

مختار بن ابی عبید کذاب جو کہ عراق پر قائم مقام تھا اس کے بارے میں تواتر سے روایات میں آتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو نبی سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ اس کے پاس جبریل علیہ السلام وحی لاتے ہیں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو مختار کی بہن صفیہ کے خاوند تھے یہ کہا گیا کہ مختار یہ کہتا

ہے کہ اس کے پاس وحی آتی ہے۔ تو انہوں نے فرمایا ''سچ کہتا ہے'' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیَائِهِمْ۔ (سورۃ الانعام:۱۲۱)

''اور شیاطین اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں''

پھر مختار کو ایسے لوگ بھی مل گئے جو اس کی جھوٹی نبوت کی خوب تائید کرتے تھے۔ جیسے رفاعہ بن شداد کہتا ہے کہ میں سب سے زیادہ مختار کذاب کے ساتھ رہنے والا تھا۔ چنانچہ میں ایک دن اس کے پاس گیا تو اس کی کرسی کی جانب جبرئیل کھڑا تھا۔ میں اس کا تلوار سے کام تمام کرنے ہی والا تھا کہ مجھے حدیث یاد آ گئی جو مجھے عمرو بن حمق خزاعی نے بیان کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ایک آدمی نے دوسرے کو خون کی امان دے دی پھر قتل کیا تو قیامت کے دن اس کے لئے دھوکہ کا جھنڈا بلند کیا جائے گا'' (ابوداود، مسند احمد)

لہٰذا میں اس سے رک گیا۔

ان دجالوں کے ظہور میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں بعض احادیث میں تو تیس کی تصریح ہے جیسے حدیث ثوبان رضی اللہ عنہ ہے اور بعض میں ہے کہ تیس کے قریب ہونگے۔ جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ ان میں سے بعض حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں اور صحابہ کے زمانے میں نکلے۔ اور یہ ظاہر ہوتے ہی رہیں گے احادیث میں مذکورہ تعداد سے اسی عدد میں تحدید مقصود نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اتنی تعداد والے وہ لوگ ہوں گے جن کی کوئی ظاہری شوکت ہوگی اور اس کے پیروکار کثرت سے ہونگے اور لوگوں میں وہ مشہور بھی ہوگا۔

ہمارے اس زمانہ میں سرکار برطانیہ کی سنگینوں کے سائے تلے مرزا غلام احمد قادیانی ہندوستان میں ظاہر ہوا اور اس نے نبوت کا دعوی کیا اور یہ کہ وہ مسیح منتظر ہے اور عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں میں زندہ نہیں اور اس کے علاوہ بھی بہت سے باطل دعوے کیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے لوگوں کی ایک جماعت تیار کر لی۔ علماء دیوبند نے بروقت اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے قدم اٹھایا اور غلام احمد قادیانی کے تمام باطل دعوؤں کا رد کیا اور واضح کیا کہ وہ احادیث میں مذکورہ تیس دجالوں میں سے ایک ہے۔

ان دجالوں میں سے چار عورتیں بھی ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری امت میں ستائیس کذاب اور دجال ہونگے ان میں سے چار عورتیں ہونگی اور میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا'' (مسند احمد)

ان عورتوں میں ایک سجاح ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور مسیلمہ سے نکاح کیا پھر جب مسیلمہ قتل ہوا تو اسلام کی طرف رجوع کرلیا جس طرح طلیحہ بن خویلد اسدی نے دعویٰ نبوت کے بعد تائب ہوکر اسلام کی طرف رجوع کرلیا تھا۔ **و الحمد لله رب العالمین۔**

سب سے بڑے جھوٹے ''دجال'' کا حال:

یہ کذاب یکے بعد دیگرے نکلتے رہیں گے حتی کہ آخر میں کانے دجال کا ظہور ہوگا امام احمدؒ نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں سورج گرہن کے دن اپنے خطبہ میں فرمایا: ''اللہ کی قسم! قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تیس کذاب نہ نکل آئیں اور ان کے آخر میں کانا دجال ہوگا'' (مسند احمد)

لفظ دجال اس کانے کذاب کا نام اور علم بن گیا۔ دجال کا نام دجال اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ حق کو باطل سے ڈھانپ دے گا یا اس لئے کہ وہ اپنے جھوٹ اور ملمع سازی اور تلبیس سے اپنے کفر کو لوگوں سے ڈھانپ لے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہے'' (بخاری)

ایک روایت میں ہے کہ (یہ فرما کر) پھر آپؐ نے اس کے حروف ک، ف، ر کے ہجے کیے کہ اس کو ہر مسلمان پڑھ لے گا۔ (مسلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے ہر پڑھا لکھا ان پڑھ مومن اسے پڑھ لے گا۔ (مسلم)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک جتنی بھی مخلوق ہے ان میں سے کوئی بھی دجال سے بڑی نہیں۔ (مسلم)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ

دجال مشرقی زمین سے نکلے گا جس کا نام خراسان ہوگا۔ (ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دجال اصبہان کا یہودی ہوگا اور اس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ (مسند احمد و مسلم)

احادیث میں آتا ہے کہ دجال چار مساجد میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ مسجد حرام مسجد نبوی مسجد طور اور مسجد اقصیٰ اور یہ جو بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک گھونگھریالے بالوں والا دائیں کانی آنکھ والا آدمی دیکھا کہ ایک آدمی کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔ اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو لوگوں نے کہا یہ مسیح دجال ہے۔

تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ دجال کی مکہ اور مدینہ میں دخول سے ممانعت اس کے آخری زمانے میں خروج کے وقت ہوگی۔ دجال کے اکثر پیروکار یہودی عجمی اور ترکی اور چند دوسرے لوگ ہونگے ان میں اکثر دیہاتی ان پڑھ اور عورتیں ہونگی۔ آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک کے فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ دجال کا فتنہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں، بہت بڑی خوارق یعنی خلاف عادت چیزیں پیدا کی ہیں جو عقلوں کو حیران اور ششدر کر دیں گی۔ احادیث میں آتا ہے کہ اس کے پاس جنت اور جہنم ہوگی۔ اس کی جنت دوزخ ہوگی اور دوزخ جنت ہوگی اس کے پاس پانی کی نہریں اور روٹیوں کے پہاڑ ہونگے وہ آسمان کو حکم دے گا کہ بارش برساؤ تو آسمان بارش برسائے گا وہ زمین کو حکم دے گا کہ کھیتی اگاؤ وہ اگائے گی۔ زمین کے خزانے اس کے تابع ہونگے۔ وہ بادلوں کی سی پھرتی سے زمین کی مسافت کو بہت تیزی سے طے کرے گا ہواؤں کا رخ تبدیل کر دے گا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے خوارق اس کے ہاتھ پر ظاہر ہوں گے۔ لیکن وہ کسی خارق، خلاف عادت چیز کو دوبارہ کرنے پر قادر نہیں ہوگا۔ وہ اپنی ان کمزوریوں کا بھی ازالہ نہیں کر سکے گا۔ جیسا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا اور اس کی دائیں آنکھ کانی ہوگی اور اس کی آنکھ ابھرے ہوئے انگور کی طرح ہوگی۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا تھا ''اگر تم میں سے کوئی اس کو پالے تو وہ اس نہر

کے پاس آئے جس میں آگ نظر آ رہی ہو پھر آنکھیں بند کر کے سر نیچے کر کے اس سے پانی پی لے۔ وہ ٹھنڈا پانی ہو گا'' (مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ کہ ''وہ آدمی جسے دجال قتل کر دے گا وہ لوگوں میں سے بہترین آدمی ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ کے شہر مدینہ سے نکل کر دجال کے پاس آئے گا اور اس سے کہے گا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو دجال ہے جس کی حدیث ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سنائی ہے دجال کہے گا تمہارا کیا خیال ہے اگر میں اس کو قتل کر کے زندہ کر دوں کیا تم سب لوگ اس میں کچھ شک کرو گے۔ وہ سب کہیں گے کہ نہیں۔ پھر وہ اس آدمی کو قتل کر کے زندہ کرے گا۔ تو وہ آدمی کہے گا اللہ کی قسم اس سے پہلے اتنی بصیرت تیرے بارے میں مجھ میں نہیں تھی جتنی اب ہے دجال دوبارہ اس آدمی کو مارنا چاہے گا لیکن اس پر مسلط نہ ہو سکے گا'' (بخاری)

دجال کے فتنہ سے بچنے کے لئے ہمیں چاہیے کہ اسلام کو مضبوطی سے تھام لیں اور ایمان کے ہتھیار سے آراستہ ہو جائیں اور دجال کے فتنہ سے پناہ مانگیں خاص طور پر نماز میں۔ مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی تشہد کرے تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے۔ کہے اے اللہ میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور عذاب قبر سے اور زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنے کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں''

امام مسلمؒ نے حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث روایت کی ہے اس میں حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ تم میں سے جو دجال کو پائے تو اسے چاہیے کہ سورۃ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے۔ (مسلم)

ایک حدیث میں ہے کہ جس نے سورۃ کہف کی پہلی دس آیات حفظ کر لیں وہ دجال سے محفوظ ہو گیا۔ (مسلم)

دجال سے بھاگنا اور دور ہونا ضروری ہے بہتر یہ ہے کہ قرب قیامت میں آدمی اپنی رہائش مکہ یا مدینہ میں رکھے۔ خدا تعالیٰ تمام ظاہری اور باطنی فتنوں سے ہمیں اپنی پناہ میں

رکھے۔ دجال فلسطین میں باب لد کے مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ہلاک ہوگا امام احمد اور ترمذی نے مجمع بن جاریہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ (عیسیٰ) ابن مریم علیہما السلام دجال کو باب لد پر قتل کریں گے۔ (مسند احمد)

اس سے اس کا بہت بڑا فتنہ ختم ہو جائے گا اور اس کے اور اس کے پیروکاروں کے شر سے ایمان والوں کو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ہاتھوں سے نجات مل جائے گی۔

چند آفاقی اور کائناتی جھوٹ

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ذکر کیا ہے حوادث کونی میں جھوٹ دینی امور سے زیادہ ہے اس لیے کہ دنیاداروں کی نگاہ اس طرف زیادہ ہوتی ہے اگرچہ دین داروں کی نگاہ بھی اس طرف ہوتی ہے لیکن ان کی نگاہ دین کی طرف زیادہ قوی ہوتی ہے۔ جبکہ دنیا داروں کے پاس حق اور باطل کے درمیان تمیز کرنے والی وہ دلیل اور وہ نور نہیں ہوتا جو دین داروں کے پاس ہوتا ہے اس لئے اس میں جھوٹ بولنے والے زیادہ ہوتے ہیں۔ اور ان ارضی وسماوی احوال کی آڑ میں زیادہ برائیاں جنم لیتی ہیں۔ اس میں جھوٹ کے کئی راستے بن جاتے ہیں ہواؤں اور بادلوں کی گرج وچمک اور روشن ستاروں اور عام ستاروں اور آسمانوں کی حرکات اور ان کی جسمانی اشکال وحرکات بدلنے میں بھی کبھی لوگ جھوٹ کا ارادہ کرتے ہیں۔

مثلاً دست شناسی اور فال نکلوانا وغیرہ کہ لوگ ان کے ذریعے کثرت کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں اور وہ بھی بغیر کسی دلیل کے اسی طرح بعض لوگ جھوٹے خواب سناتے ہیں۔ حالانکہ سچے خواب بھی ہوتے ہیں جو نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتے ہیں۔ اور اس طرح جنات آسمانوں سے سن کر اس میں سو جھوٹے الفاظ داخل کر لیتے ہیں پھر آ کر کاہنوں کو بتلاتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے جو معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ میں تھوڑی دیر پہلے جاہلیت میں تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام نصیب فرمایا۔ ہم میں سے کچھ لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں''۔ آپؐ نے فرمایا۔ ان

کے پاس مت جاؤ میں نے کہا ہم میں سے کچھ لوگ اچھا یا برا شگون لیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ ان کے دلوں کی چیز ہے لہٰذا اس کو مت روکو۔ میں نے عرض کیا ہم میں سے کچھ لوگ لکیریں کھینچتے ہیں (جیسے علم رمل میں ایسا کیا جاتا ہے) آپؐ نے فرمایا ایک نبی بھی لکیر کھینچتے تھے لہٰذا جس کی لکیر اس کے موافق ہوگئی تو یہ وہی ہے۔

غرض لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی بتلائی ہوئی باتوں میں جھوٹ بولنے سے گریز نہیں کیا تو وہ روزمرہ زندگی کے دیگر آفاقی و کائناتی امور میں جھوٹ بولنے سے کیونکر اندیشہ کریں گے۔ عمومی طور پر آپ دیکھیں گے کہ بے دین جھوٹی کائناتی خبروں میں داخل ہو جاتے ہیں جیسے اہل اتحاد۔ ابن عربیؒ وغیرہ نے مستقبل کے بارے میں بہت ساری باتیں کی ہیں۔ جو سب کی سب جھوٹی ہیں۔ اسی طرح ابن سبعین نے بھی لکھا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس امت کی زندگی کی مدت لغت کے حروف کے جملوں کے حساب سے نکالی ہے جو کہ یہود کی وراثت ہے۔ اور ستاروں کی حرکات سے نکالی ہے جو صابیوں (مجوسیوں) کی وراثت ہے۔ جس طرح ابو نصر کندی اور دوسرے فلسفیوں نے کیا ہے غرض ان سب نے اٹکل کے تیر چلائے ہیں اور مستقبل کی خبر خدا کے سوا کسی کو نہیں ارشاد ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ......... وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ" (سورۃ لقمان: ۳۴)

"خدا ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی (حاملہ کے) پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے (کہ نر ہے یا مادہ) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اسے موت آئے گی"

غرض ان لوگوں کی عادت لمبے لمبے دعوے کرنے کی ہے۔ اور اس کام میں سب سے آگے رافضی شیعہ ہیں ان کے پاس مستقبل کے بارے میں بے تحاشا گھڑے ہوئے جھوٹ ہیں جو یہ لوگ سینہ بہ سینہ ایک دوسرے کو وصیت کرتے چلے آرہے ہیں۔

بہرحال وہ اسرار جن کا دعویٰ یہ شیعہ لوگ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بارے میں

کرتے ہیں۔ وہ سب سے جھوٹ ہیں۔ حتی کہ کہا جاتا ہے جتنا جھوٹ جعفر رضی اللہ عنہ پر بولا گیا اتنا کسی اور پر نہیں بولا گیا اسی طرح ''رسائل اخوان الصفا'' ہیں جنکو بغداد کی بنی بویہ کی حکومت کی جماعت نے تصنیف کیا یہ لوگ ستارہ پرست فلسفی تھے۔ بہر حال جھوٹ بہت بڑی چیز ہے جس سے بچنا بے حد ضروری ہے۔ لہٰذا ہم نجومیوں کاہنوں اور، تعویذ دھاگہ کرنے والوں اور غیب کے جاننے کا دعویٰ کرنے والوں سے بچیں کہ یہ سب لوگ جھوٹے اور فاجر ہیں اگر چہ یہ کبھی کبھار سچ بھی بولتے ہوں۔ ان لوگوں پر وہ بات سچ آتی ہے جو شیطان کے بارے میں کہی گئی ''صدقك وهو الكذوب'' تجھ سے سچ بولتا ہے اور حالانکہ وہ جھوٹا ہے۔ یہ لوگ شیطان کے دوست ہیں۔

یہی حال جاہل اور بدعتی صوفیوں کا ہے جو بلا جھجک کہہ دیتے ہیں کہ اللہ نے ہمارے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ یہ بھی جھوٹ کی ایک قسم ہے۔ عافیت کا رستہ صرف قرآن وسنت کی اتباع اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی سچی پیروی ہے۔

جھوٹ سے بچنے کے لیے شدت احتیاط کا ایک اعلیٰ نمونہ:

اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ کسی کے خاتمہ کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی۔ مگر جس کے خاتمہ بالخیر کا شریعت سے یقین ہو جائے۔ لہٰذا حضرت ابوبکر وحضرت عمر وحضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین جنت میں ہیں اور فرعون وابوجہل وابولہب جہنم میں ہیں کیونکہ ان کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے پھر یہ بات بھی ہے کہ اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے اور خاتمہ کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا البتہ ہمیں اچھے ثواب کی امید کرنی چاہیے اور برے انجام سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ جب بندہ اللہ کی فرمانبرداری کا کام کرتا ہے اور اسی حالت میں اس کو موت آتی ہے تو ہم امید کرتے ہیں کہ وہ جنتی ہوگا اور جب سیئات اور معاصی کا ارتکاب کرتا ہے تو ہمیں خوف ہوتا ہے کہ کہیں جہنمی نہ ہو۔ مسلمان کبھی مرتد بھی ہو جاتا ہے اور کبھی کافر کو موت سے پہلے توبہ کی توفیق بھی ہو جاتی ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک آدمی بظاہر لوگوں کی نظر میں جنتیوں والے عمل کرتا ہے لیکن ہوتا وہ جہنمیوں میں سے ہے اور ایک آدمی بظاہر لوگوں کی نظر میں جہنمیوں والے عمل

کرتا ہے پر حقیقت میں وہ جنتی ہوتا ہے۔ (بخاری)

لہٰذا امت کیلئے مغفرت اور رحمت کی دعا کرنے میں جو کہ مشروع ہے اور یقینی طور پر یہ کہنے میں کہ یہ مرحوم و مغفور ہے، بہت بڑا فرق ہے۔

اسی طرح شہید کے بارے میں بھی جمہور فقہاء میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو بھی مسلمان میدان جنگ میں قتل کیا گیا اس کو غسل نہیں دیا جائے گا اور اسے انہیں کپڑوں میں دفن کیا جائے گا رہا شہید کی نیت کا سوال تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ "ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ایک آدمی مال غنیمت کے لئے لڑتا ہے اور ایک آدمی اس لئے لڑتا ہے تا کہ اس کا تذکرہ کیا جائے اور ایک آدمی اس لئے لڑتا ہے تا کہ اپنی حیثیت دکھائے تو ان میں سے کون اللہ کے راستے میں ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے لڑائی کی تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو خاص طور پر وہی اللہ کے راستے میں ہے"

اور کسی شہید کی نیت کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

البتہ جن لوگوں کو لسان نبوت نے جنتی کہا تو وحی سے خبر پا کر کہا ہے کیونکہ آپؐ وحی کے سوا کلام نہ فرماتے تھے۔

بے احتیاطی کے اس دور میں ہر بری سے بری غرض سے مرنے والے کو بھی شہید کہنا عام ہو گیا ہے خواہ وہ کتنا ہی بے دین کمیونسٹ اور ملحد ہی کیوں نہ ہو۔ بہر حال عمل وہی مقبول ہے جو خالص ہو اور اللہ کی رضا کے لئے ہو۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی مرض الوفات کے قصہ میں ام علاء انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے اور ان کو غسل دے دیا گیا اور کفن پہنا دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ ام علاء کہتی ہیں میں نے کہا اے ابو سائب! (یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) اللہ تجھ پر رحمت کرے میں تجھ پر گواہی دیتی ہوں کہ اللہ نے تیرا اکرام کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ام علاء رضی اللہ عنہا سے کہا تجھے کیسے معلوم ہوا کہ اللہ نے اس کا اکرام کیا ہے پھر فرمایا "اسے تو موت آ گئی اللہ کی قسم میں اس

کے لئے خیر کی امید کرتا ہوں اور اللہ کی قسم مجھے بھی معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں ۔ ام علاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کبھی بھی کسی کی پاکی بیان نہیں کروں گی ۔ (بخاری)

یہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو مہاجر بھی تھے اور ہر وقت جہاد کے لئے سرحدوں پر رہتے تھے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام علاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ کہا ''تجھے کیا پتہ کہ اللہ نے اس کا اکرام کیا'' تو بھلا ہم جیسوں کا کیا ہوگا۔

العقیدۃ الطحاویہ میں لکھا ہے کہ ہم نیک مومنین کے بارے میں امید کرتے ہیں کہ اللہ ان کو معاف فرما کہ اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ ہم ان پر بے خوف نہیں ہونگے اور ان کے لئے جنت کی گواہی نہیں دینگے اور ان کے گناہوں کے لئے استغفار کریں گے اور ان پر ڈرتے رہیں گے اور ان کو مایوس بھی نہیں کریں گے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے ایک بچے کے جنازے کے لئے بلایا گیا میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ خوشخبری ہے اس کے لئے کہ یہ جنت کے پرندوں میں سے ایک پرندہ ہے۔ اس نے کوئی برائی نہیں کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جنت کے لئے اس کے مستحق پیدا کئے۔ اور ان کو جنت کے لئے اس وقت پیدا کیا جب وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے اور جہنم کے اہلوں کو بھی پیدا کیا اور ان کو جہنم کے لئے اس وقت پیدا کیا جب وہ اپنے باپ دادوں کی پشت میں تھے'' (مسلم)

ابوجعفاء سلمی سے روایت ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں اپنے خطبہ میں فرمایا تم اپنی لڑائیوں میں کہتے ہو کہ فلاں شہید ہے یا فلاں شہادت کی موت مرا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی سواری نے اسے کچل دیا ہو یا اس نے اپنی سواری سونے یا چاندی کے پیچھے دنیا طلبی کے لئے دوڑائی ہو۔ لہٰذا ایسا مت کہو۔ لیکن ایسے کہو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' جو اللہ کے راستے میں مرا یا قتل کیا گیا پس وہ جنت میں ہے'' (حاکم)

ھذیل بن شرجیل سے مروی ہے ''لوگوں نے میدان جنگ میں نکل کر قتال کیا۔ بعض

نے کہا ''فلاں شہید ہے'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ایک آدمی دنیا کے لئے قتال کرتا ہے اور ایک شہرت کے لئے قتال کرتا ہے۔ اور ایک آدمی اپنے بستر پر ہی مرجاتا ہے اور وہ شہید ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تلاوت فرمائی:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ (سورۃ الحدید:۱۹)

''اور جو لوگ خدا اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے یہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں''

اہل حق اور اہل باطل کے سچ اور جھوٹ میں احتیاط کے قدیم وجدید دور کے چند نمونے

ذیل میں ایک منفرد موازنہ نوک قلم کیا جاتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے جھوٹ سے بچنے کے لئے کتنے کڑے پیمانے رکھے اور آج کے اہل باطل محض جھوٹ کے پھیلانے کے لئے کیا کچھ نہیں کر رہے۔

اسلاف کی علوم اسلامیہ میں سچ کو اپنانے اور جھوٹ سے بچنے کی انتہائی کوشش کا ایک نادر نمونہ:

تفسیر تصحیح کی فرع ہے۔ لہٰذا اثبات کا مرحلہ وہ حدیث کی تفسیر اور اس کی تعلیل کے مرحلہ سے پہلے ہے۔ مستشرقین اور ملحدین اور بے دین لوگوں پر اعتماد کرنا تاریخ اسلامی کے مسخ اور بگاڑ اور حق وحقیقت کے ضائع کرنے تک پہنچا دیتا ہے۔ کیونکہ جب ابتدا فاسد ہوتی ہے تو اس کی انتہاء بھی فاسد ہو جاتی ہے اور انتہاء کا فساد آدمی کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ کیونکہ بڑی آگ چھوٹی چنگاریوں ہی سے ہوتی ہے اور ہر مقدمہ کا ایک نتیجہ ہے اور ہر عقیدہ ایک تاثیر رکھتا ہے۔ ان سب باتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قبول کرنے اور چھوڑنے میں احتیاط اور ثابت قدمی ہونی چاہیے ورنہ آدمی رات کے مسافر کی طرح ہو جائے گا کہ ہوسکتا

کہ وہ سانپ کولاٹھی سمجھ کر اٹھالے اور نقصان اٹھائے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کوحق و باطل میں فرق کرنے کا پیمانہ عطافرمادیا ہے ان میں سے ایک اہم ترین بات ہے ''اسناد'' اگر اسناد نہ ہوتی تو جس کے منہ میں جو آتا کہہ دیتا جیسا کہ ابن مبارکؒ کا قول ہے۔ اسلئے اسناد دین میں سے ہے اور اس سے یہ امت باقیوں سے ممتاز ہو جاتی ہے۔

اہل کتاب کی اسناد متصل نہیں ہے۔ ہم مسلمانوں کے نزدیک ''حدیث صحیح'' وہ عادل اور کامل الضبط کی اپنے جیسے سے آخر تک روایت ہے اور حدیث حسن وہ عادل اور کم حافظہ والے کی اپنے جیسے سے آخر تک روایت ہے بغیر شذود علت کے اور حدیث ضعیف وہ ہے جس میں صحیح کی شرائط نہ پائی جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتنی عظیم رحمت ہے اس امت پر کہ اس کے لیے دین کو محفوظ کیا جیسا کہ اس امت کے لئے دین کو قائم کرنے والی چیز یعنی قرآن کی حفاظت کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ۔

(سورۃ الحجر: ۹)

''بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''

جب ابن مبارکؒ سے کہا گیا کہ موضوع احادیث کا کیا ہوگا؟ تو انہوں نے فرمایا ''ان کے لئے ماہر ناقدین زندہ ہیں۔ اس علم کو بعد والوں میں سے منصف لوگ اٹھائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے دین سے غلو کرنے والوں کی تحریف اور جاہل لوگوں کی تاویل اور باطل والوں کے غلط انتساب کو ختم کریں گے۔

علماء کرام نے ایسے قواعد وضوابط کے وضع کرنے کا اہتمام کیا ہے جن کے ذریعے سے صحیح احادیث کو پہچان لیا جائے۔ اور اس کے نقد میں انہوں نے ایک دقیق راستہ اختیار کیا ہے۔ لہٰذا ایک مورخ کو چاہیے کہ وہ ان سب باتوں سے واقف ہو اور اپنی تاریخی تحقیقات میں ان سے فائدہ حاصل کرے۔ اس میں سب سے اہم ذرائع اصول علم حدیث، یا مصطلحات الحدیث کی کتابیں ہیں۔ اور اس علم کی اساس کتاب اللہ میں موجود ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَكُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوۡۤا ـ

(سورۃ الحجرات:٦)

''مومنو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کرلیا کرو''

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ سرسبز و شاداب رکھے اس آدمی کو جس نے ہم سے کوئی چیز سنی اور اس کو بعینہٖ آگے پہنچا دیا جیسے سنا۔ بعض جن کو پہنچایا جائے وہ سننے والوں سے زیادہ حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں۔ (ترمذی)

خلفاء راشدین نے سب سے پہلے محدثین کے لئے روایت کی تحقیق کرنے کا طریقہ جاری کیا۔ اور احادیث کے قبول کرنے میں احتیاط سے کام لیا۔ ایک دادی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس وراثت کے مطالبہ کے لئے آئی۔ آپؓ نے فرمایا مجھے قرآن وحدیث میں تیرے بارے میں کوئی حکم معلوم نہیں۔ پھر آپؓ نے لوگوں سے دریافت فرمایا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھا آپؐ نے دادی کو چھٹا حصہ دیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تیرے پاس کوئی اور اس کا گواہ ہے تو محمد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہی گواہی دی تو اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو نافذ کردیا۔

اس بناء پر احادیث کے نقد اور راویوں کے بارے میں پوچھنے کا علم وجود میں آیا۔ لہٰذا ان کی احادیث و اخبار ان کے اسفار ان کی پیدائش کے اور وفات کے سن ان کے مشائخ اساتذہ اور شاگردو کی تفصیلات کی تدوین ہوئی۔ راویوں کی عدالت کے بابے میں کلام کیا گیا تا کہ ثقہ اور غیر ثقہ راوی کا پتہ چل جائے ایسے ہی علل احادیث کا علم مدون کیا گیا چاہے اسناد میں علل ہوں یا متون میں علماء نے یہ تمام قواعد مدون کئے۔

پھر اس فن کی مخصوص کتب وجود میں آئیں۔ جیسے قاضی حسن بن عبدالرحمٰن رامہرمزیؒ متوفی ۳۶۰ھ کی کتاب ''المحدث الفاضل بین الراوی و الواعی'' اور ابوعبداللہ حاکمؒ متوفی ۴۰۵ھ کی کتاب ''معرفة علوم الحدیث'' اور خطیب بغدادیؒ متوفی ۴۶۳ھ کی کتاب ''الکفایة فی علم الروایة'' اور بغدادیؒ ہی کی کتاب ''الجامع لاخلاق

السراوی و آداب السامع ''اور قاضی عیاضؒ متوفی ۵۴۴ھ کی کتاب ''الالماع الی معرفت اصول الروایة و تقیید السماع ''اور ابن صلاحؒ متوفی ۶۴۳ھ کی کتاب ''علوم الحدیث ''جو'مقدمة ابن الصلاح' 'کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تمام کتب احادیث کے نقد اور موازنہ کی کیفیت اور تعارض کے وقت ان میں ترجیح کے طریقوں کو بیان کرتی ہیں۔ اس طرح علماء جرح وتعدیل نے اس میدان میں بے پناہ کاوشیں کیں۔ جیسے علی بن مدینیؒ، یحیٰی بن معینؒ، احمد بن حنبلؒ، بخاریؒ، ابو حاتم رازیؒ اور ابوزرعہؒ وغیرہ حضرات کہ ان سب نے رجال اور متون احادیث کے نقد اور ان کے علل کے بیان میں کلام کیا اور اس کو اس فن کی مولفات میں مدون کیا۔

امام بخاریؒ نے تین کتابیں لکھیں ''التاریخ الکبیر ''اور''التاریخ الاوسط' 'اور ''التاریخ الصغیر ''اور ابن ابی حاتمؒ نے اپنے والد صاحب کے کلام کو مدون کیا اور ابو زرعہؒ نے کتاب ''الجرح و التعدیل ''کو مدون کیا۔ اور ابن معینؒ کی کتاب ''تاریخ ابن معینؒ کو ان کے شاگرد نے مدون کیا۔ اسی طرح احمد بن حنبلؒ سے مروی ایک کتاب ''کتاب العلل'' ہے اور ابن المدینیؒ نے بھی 'علل الحدیث ''میں ایک کتاب لکھی۔ اور خلیفہ بن خیاط اور محمد بن سعد دونوں نے ''الطبقات ''میں کتاب لکھی جس طرح کہ ابن حبان نے ''الثقات ''میں اور ''المجروحین ''میں کتاب لکھی ہے۔ ایسے ہی خطیب بغدادیؒ نے بغداد میں پیدا ہونے والے راویوں اور علماء اور علمی اسناد کے دوران بغداد میں آنے والے علماء میں ایک جامع کتاب لکھی ہے ابن عساکر نے بھی اس جیسی ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام 'تاریخ دمشق ''ہے۔

صحاح ستہ میں جن راویوں کے نام آئے ہیں خاص ان راویوں کے تراجم کے بارے میں بھی کتب ہیں جیسے عبدالغنی مقدسیؒ کی ''الکمال فی اسماء الرجال ''اور حافظ مزیؒ کی 'تھذیب الکمال ''اور حافظ ذھبیؒ کی ''تذھیب التھذیب'' اور حافظ ابن حجرؒ کی ''تھذیب التھذیب''۔

اور بعض کتابیں صرف ضعیف راویوں کے اسماء کے بارے میں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ متداول حافظ ذھبیؒ کی 'میزان الاعتدال فی نقد الرجال ''ہے اور ابن حجر

عسقلانیؒ کی ''لسان المیزان'' ہے۔ یہ تمام کتب اور اس کے علاوہ جن کو ہم نے ذکر نہیں کیا کیونکہ ان کا احاطہ کرنا ضروری نہیں سب روایات کے نقد اور ان کے درمیان ترجیح اور صحیح اور ضعیف کی معرفت میں مددگار ہیں۔ اسی طرح اسلامی تاریخ پر لکھی جانے والی کتب ہیں چاہے ان کے مصادر و ماخذ اولی ہوں جیسے ابن اسحاق کی ''السیرۃ النبویۃ'' اور واقدی کی ''مغازی'' اور بلاذری کی ''فتوح البلدان'' اور ابو اسماعیل ازدی کی ''فتوح الامم'' اور ابن عبدالحکیم کی ''فتوح مصر'' اور دینوری کی ''الاخبار الطوال'' اور کتاب ''تاریخ خلیفہ بن خیاط'' اور ابن جریر طبری کی ''تاریخ الامم و الرسل'' اور کلبی کی ''جمھرۃ النسب'' اور مصعب زبیری کی ''نسب قریش'' وغیرہ یا ان کے مصادر ثانوی ہوں یہ کتابیں ایسی تاریخی معلومات پر مشتمل ہیں جن کی چھان بین اور نقد کی ضرورت ہے تاکہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو سکے کہ یہ مصادر صرف تاریخی معلومات کی ہیں احادیث واخبار کی نقد کے نہیں۔

احادیث بیان کرنے کے اہم قواعد:

قرآن اس امت میں نقل متواتر سے منقول ہے۔ یہ سطروں اور سینوں میں محفوظ ہے۔ اگر ایک بھول جائے تو دوسرا اس کو یاد دلا دیتا ہے۔ کسی قاری کی قرأت اس وقت تک ہمارے لئے قابل بھروسہ نہیں ہوگی جب تک کہ اس رسم الخط کے موافق نہ ہو جس پر صحابہ کا اجماع تھا۔ اور کسی کاتب کی کتابت قابل اعتماد نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے موافق نہ ہو جائے جو قراء حضرات سے تواتر کے ساتھ ہم تک نقل ہوتی چلی آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کی خود ذمہ داری لی ہے اور فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ۔ (سورۃ الحجر:۹)

حدیث متواتر یہ صحت اور ثبوت کے درجات میں سے سب سے اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے۔ اور ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ آیات منزلہ کی کتابت اور اس کی تلاوت وحفظ اور اس امت میں نسل درنسل اس کے قیام پر کیسے کیسے ہمتیں متحد ہوئیں۔ اتنا اہتمام سابقہ نازل شدہ کتابوں میں سے کسی کتاب کا نہیں ہوا۔ اسی لیے ہم نہیں تسلیم کرتے کہ جو کچھ کتب

سابقہ میں وارد ہوا ہے وہ قرآن کے مطابق ہے۔ تورات میں تحریف کی گئی اور اس کو یہود کے نزدیک تالمود سے بدلا گیا عیسائیوں کے نزدیک انجیل میں تحریف ہوئی تو بارہ انجیلیں بنیں۔ بعض بعض کو بیان کرتی تھیں پھر انہوں نے شاہ قسطنطین کے زمانے میں ان میں سے چھ پر اکتفاء کیا۔

جبکہ قرآن کو ہم ایک ہی حرف پر پاتے ہیں اور وہ قریش کا حرف ہے اور تمام قراءت اسی حرف میں کی جاتی ہیں اور وہ رسم جو موجود ہے وہ رسم عثمانی ہے۔ اس امت نے اپنی کتاب میں اختلاف نہیں کیا جیسا کہ اس سے پہلے یہود و نصاریٰ نے کیا تھا۔ کیونکہ ہر نبی ایک خاص قوم کی طرف مبعوث ہوئے جبکہ رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں اور جنوں، عربی اور عجمی کالے اور گورے ہر ایک کی طرف مبعوث ہوئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زمین اور جو کچھ زمین پر ہے سب کا وارث بنایا یہ رسالت کی حفاظت بلکہ رسول کی حفاظت کا مقتضی ہے یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ صادق اور مصدوق ہیں اور آپؐ جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہی ہوتا ہے اور سنت کی قرآن کے ساتھ ایک شان ہے یہ عام کو خاص اور مطلق کو مقید کرتی ہے اور مجمل کی تفصیل کرتی ہے اور کبھی سنت ایسے احکام کو بیان کرتی ہے جو قرآن میں موجود نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔

(سورۃ النحل: ۴۴)

''اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو''

اسی لیے کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ دنیا وآخرت میں احوال کی درستگی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ جس نے ان میں سے ایک ہی کو تھاما اور دوسرے کو نہیں تھاما تو اس نے حقیقت میں کسی کو بھی نہیں تھاما۔

پھر وہ احادیث جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہیں وہ صحت اور ضعف کے اعتبار سے مختلف ہیں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح کی کئی اقسام ہیں۔ سب سے اعلیٰ قسم وہ

ہے جس پر بخاری اور مسلم متفق ہوں پھر جو صرف بخاری میں ہو پھر جس کو اکیلے مسلم لائے ہوں پھر جو حدیث ان دونوں کی شرائط پر ہو اگر چہ ان دونوں نے اس کی تخریج نہ کی ہو۔ پھر جو بخاری کی شرط پر ہو پھر جو مسلم کی شرط پر ہو پھر جس کی تصحیح ان دونوں کے علاوہ اور آئمہ حدیث نے کی ہو۔ تو یہ سات اقسام ہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ حدیث کو جاننے والے اس بات پر متفق ہیں کہ سب سے زیادہ صحیح احادیث وہ ہیں جن کو اہل مدینہ نے روایت کیا ہو پھر جن کو اہل بصرہ نے روایت کیا ہو پھر جن کو اہل شام نے روایت کیا ہو۔

خطیبؒ کہتے ہیں کہ سنت کے سب سے صحیح طرق وہ ہیں جن کو اہل حرمین (مکہ و مدینہ والوں) نے روایت کیا ہو۔ ان سے تدلیس بہت کم ہے اور کذب اور حدیث کا وضع کرنا ان کے نزدیک بہت سخت ہے۔ اہل یمن کی روایات بھی عمدہ ہیں اور ان کے طرق بھی صحیح ہیں لیکن ان کی تعداد کم ہے اور ان کا مرجع اہل حجاز ہیں۔ اہل بصرہ سے جو احادیث ثابت ہیں ان کی اسانید بھی واضح ہیں۔ ان کے علاوہ سے اتنی زیادہ اور واضح نہیں۔ کوفیوں کی روایات بھی بکثرت ہیں مگر ان میں فساد زیادہ ہے اور علل سے سلامتی کم ہے۔ شام والوں کی اکثر احادیث مرسل اور منقطع ہیں اور جو متصل ہیں ان کی اسناد ثقات (ثقہ راویوں) سے ہیں اور یہ اکثر مواعظ کے متعلق ہیں۔

علماء نے اس میں کلام کیا ہے کہ سب سے صحیح اسناد والی احادیث کون سی ہیں۔ انہوں نے بعض کا نام **سلاسل الذھب** رکھا ہے۔ جیسے **مالك عن نافع عن ابن عمر** اور جیسے **ابراھیم النخعی عن علقمة عن ابن مسعود**۔ ان میں سے جس کی تخریج پر شیخین یعنی بخاری و مسلم متفق ہوں وہ زیادہ برتری والی ہوتی ہے بنسبت ان کے جن کی تخریج دونوں میں سے کسی ایک نے کی ہو۔ اسی طرح اکیلے بخاری کی تخریج اکیلے مسلم سے برتر ہے۔ علماء کا ان دونوں کی مقبولیت کے بعد اس پر اتفاق ہے۔ (شرح نخبة و التدریب)

سب سے پہلے صحیح کی تصنیف امام مالکؒ نے کی لیکن انہوں نے موطا میں مرسل، منقطع اور بلاغات داخل کر دیں۔ صرف صحیح میں سب سے پہلی تصنیف وہ "صحیح البخاری" ہے۔ لیکن

اس میں سب صحیح احادیث کا استیعاب نہیں جیسا کہ امام بخاریؒ نے خود فرمایا ان کو ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ اس کے علاوہ احادیث یاد تھیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں سب صحیح احادیث آ گئی ہیں۔

حدیث حسن کا درجہ حدیث صحیح کے بعد آتا ہے۔

ابن صلاحؒ فرماتے ہیں حسن لذاتہ وہ حدیث ہے جس کے راوی صدق میں مشہور ہوں اور حفظ میں صحیح کے رجال کے درجہ تک نہ پہنچے ہوں۔ اور حسن لغیرہ یہ وہ حدیث ہے کہ جس کی اسناد میں کوئی ایسا مستور الحال راوی ہو جس کی اہلیت متحقق نہ ہو۔ غافل نہ ہو اور نہ ہی کسی اور فسق کی طرف اس کی نسبت ہو اور اس کو کسی متابع یا شاھد سے تقویت حاصل ہو کیونکہ وہ اصل میں ضعیف ہے اور اس تقویت کی وجہ سے وہ حسن ہوئی ہے اگر تقویت دینے والا نہ ہوتا تو بدستور صفت ضعف اس کے اندر باقی رہتی ہے اور اس سے استدلال نہ کرنا بھی بدستور باقی رہتا۔ امام ترمذی کا بعض احادیث کو "حسن صحیح" کہنے کا معنی یہی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ان کا قول ان کے راوی کے بارے میں یہ کہنے کی طرح ہے صدوق فقط اور صدوق ضابط تو پہلے کا درجہ صحیح کے رجال کے درجہ سے کم ہے اور دوسرا یہ کہ ان دونوں باتوں کا جمع ہونا کوئی مشکل نہیں اور اس میں کوئی ضرر نہیں۔ اسی طرح صحیح اور حسن جمع ہو سکتے ہیں۔ (تدریب الراوی: ۱/۱۶۴)

حدیث ضعیف وہ ہے جس میں صحیح اور حسن کی شرائط نہ پائی جائیں اور اس کی بہت سی انواع ہیں جیسے موضوع، مقلوب، شاذ، منکر، معلل اور مضطرب وغیرہ۔ ضعیف حدیث کا ضعف راویوں کے ضعف کی شدت اور خفت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے اور موضوع وہ جھوٹ ہے جو گھڑا گیا ہے۔ یعنی حدیث نبوی میں راوی کا جھوٹ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے وہ بات جان بوجھ کر روایت کرے کہ جو آپؐ نے نہیں فرمائی۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے وضع کا علم ہوتے ہوئے اس حدیث کا روایت کرنا حرام ہے۔ چاہے وہ احادیث احکام میں ہوں یا قصوں میں یا ترغیب و ترہیب وغیرہ میں۔ مسلم میں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے مجھ سے

ایسی حدیث روایت کی جس کا اسے پتہ ہو کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ دو کذابوں میں سے ایک ہے"

ابن حصارؒ فرماتے ہیں۔ فقیہ صحت حدیث کو جانتا ہے جب حدیث کی سند میں کتاب اللہ کی آیت کے موافق اور شریعت کے بعض اصول کے مطابق کوئی کذاب نہ ہو تو اس کو قبول کیا جائے گا اور وہ روایت قابل عمل ہوگی۔

پھر علماء نے حدیث کی ایک اور تقسیم بھی کی ہے یعنی احادیث آحاد اور متواتر۔ آحاد وہ احادیث ہیں جو درجہ استشہاد تک نہ پہنچی ہوں اور متواتر وہ حدیث ہے جس پر جمہور صحابہ اور تابعین اور بعد والے ہوں۔ ثقہ خبر واحد شریعت کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے۔ عقائد اور احکام میں ان پر عمل کرنا لازم ہے اور متواتر وہ حدیث ہے جس کو نقل کرنے والے اتنے ہوں کہ ان کا اول سے آخرت تک جھوٹ پر اکٹھا ہونا ناممکن ہو۔ اسی لئے یہ علم ضروری کا فائدہ دیتی ہے کہ جس پر انسان مجبور ہو اور اس کا دفع کرنا ممکن نہ ہو۔ اس پر عمل کرنا بغیر اس کے رجال پر بحث کرنے کے ضروری ہے اور اصح مذھب کے مطابق اس میں عدد معین کا اعتبار نہیں۔ پھر متواتر کی دو قسمیں ہیں۔ متواتر لفظی کہ جس کے لفظ متواتر ہوں۔ اور متواتر معنوی کہ جس میں قدر مشترک متواتر ہو۔ متواتر لفظی کی مثالوں میں "من کذب علی متعمدا" والی حدیث اور حوض والی حدیث اور مسح علی الخفین (موزوں پر مسح کرنے) والی حدیث اور متواتر معنوی کی مثال دعا میں ہاتھ اٹھانے والی احادیث ہیں۔

مورخ مقبول کی شرائط:

تاریخ اسلامی کا جب دوسری امتوں کی تاریخ سے موازنہ کیا جائے تو ہم تاریخ اسلامی کو محفوظ اور مخدوم پاتے ہیں۔ اس کی تدوین پختہ کار اور قابل اعتماد لوگوں نے کی ہے اور واسطہ در واسطہ اس کو نقل کیا۔ اس کی اکثر خبریں اور بڑے حادثات ہم تک تواتر اور روایات مشہورہ کے ذریعے پہنچے ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں سوائے حوادث کی تفاصیل کے۔ اور اس قدر تاریخی وضوح کسی امت کی تاریخ میں نہیں ملتا جیسا کہ تاریخ اسلامی میں ہے۔ وہ مورخ جس کی روایت مقبول ہو اس میں بعض وہ شرائط ہونی چاہئیں جو حدیث نبوی ﷺ کے راوی میں ہوتی ہے جیسے عقل اور ضبط اور اسلام اور عدالت وغیرہ لیکن اس میں کچھ تفصیل

ہے اور وہ مروی اور اس کی شرعی اہمیت کے اعتبار سے ہے۔ اگر مروی کا تعلق نبی اکرم ﷺ یا صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے ہو تو اس کے راویوں کی چھان بین اور نقد ضروری ہے۔

اور یہی حکم اس وقت ہوگا جب وہ خبر مروی ایسے علماء اور ائمہ میں سے کسی کے عیب کے متعلق ہو جن کی عدالت ثابت ہو چکی ہو۔ کیونکہ جن کی عدالت ثابت ہوگئی ان پر جرح اس وقت تک قبول نہیں کی جائے گی جب تک کہ یہ ان پر ایسے امر سے واضح نہ ہو جائے کہ جس میں اس کی جرح کے علاوہ کا احتمال ہی نہ ہو۔

خطیب بغدادیؒ احکام کی احادیث میں تشدد اور اعمال کے فضائل میں درگذر کرنے کے باب کا عنوان قائم کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ''امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں۔ جب ہم رسول اللہ ﷺ سے حلال و حرام اور سنن و احکام کے بارے میں روایت کریں گے تو ہم اسانید میں سختی کریں گے۔ اور جب اعمال کے فضائل کے بارے میں ان سے روایت کریں گے اور جس چیز کا حکم انہوں نے وضع نہیں کیا اس کو روایت کریں گے اور جس کی سند ان تک نہ پہنچے تو اس کی اسانید میں ہم نرمی برتیں گے۔ اس تساہل سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ وہ کذاب راویوں سے یا جن کی عدالت ساقط ہو چکی ہے ان سے روایت کریں گے۔ اس لئے کہ ساقط العدالۃ سے تو روایت کا بالکل احتمال ہی نہیں۔ ان کی مراد تساہل سے راوی کے ضبط میں ضعف ہے۔ جیسے غفلت اور کثرت غلط اور تغیر اور اختلاط وغیرہ یا سند متصل نہ ہو جیسے ارسال یا انقطاع وغیرہ ہو''

یہ یقینی بات ہے کہ تاریخی اخبار اپنے ثبوت میں اور راویوں کی عدالت اور اسانید کے متصل ہونے میں احادیث نبویہ ﷺ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتیں سوائے چند کے جو علماء حدیث سے مروی ہیں جیسے سیرت نبویہ اور خلافت راشدہ کی اخبار اور بعض سابقہ امتوں کی اخبار جو سنت کے راستے سے وارد ہوں۔ تاریخ کی اکثر اخبار خبریں بیان کرنے والوں سے اور منقطع اسانید سے ثابت ہیں اور اس میں کثرت سے مجہول روایتیں ہیں۔ بلکہ ان میں بعض بدون اسناد کے ہیں۔ پھر مورخ نے وہ کہاں سے لی ہیں ان کے ماخذ کی صراحت نہیں ہے۔ اس وجہ سے علماء حدیث کے نزدیک ہر تاریخی خبر پر کامل طور پر ناقدانہ طریقے سے

تطبیق دشوار ہوتی ہے۔ اسی لیے جمہور علماء نے مورخ میں مطلوب شرائط میں اور حدیث نبوی کے راوی میں لگائی گئی شرائط میں فرق کیا ہے۔ انہوں نے مورخ میں نرمی برتی ہے جب کہ حدیث کے راوی میں سختی برتی ہے اور یہ شرعی اہمیت کی وجہ سے ہے۔ تاریخی روایات اگر شرعی موضوع جیسے حلال اور حرام سے متعلق ہوں یا مسلمان کو سب وشتم یا ان کی تنقیص یا لوگوں پر اس کے حال کی تدلیس کے باب میں سے ہوں تو اس کے راویوں کی چھان بین اور ان کو نقل کرنے والوں کی معرفت ضروری ہے اور اس باب میں عدالت وضبط والوں سے ہی روایت لی جائے گی جن کی مرویات معارضہ سے محفوظ ہوں۔ اگر تاریخی روایت کا تعلق کسی شرعی حکم کے اثبات یا نفی سے نہ ہو جیسا کہ اکثر تاریخی روایات میں ہے تو اس وقت معاملہ کچھ مختلف ہوگا اور اس باب میں ضعیف روایات قبول کی جاتی ہیں۔ اس لئے بعض فقہاء نے اعمال کے فضائل اور ترغیب وترہیب میں ضعیف احادیث پر عمل کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں جھوٹا طعن بہت سنگین ہے اس سے امت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے دور ہو جائے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے پسندیدہ اور متقی بندے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ (صحابہ) اس امت کے سب سے زیادہ نیک دل اور سب سے زیادہ گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف والے ہیں"

ابوایوب سختیانی کہتے ہیں کہ "جب تو دیکھے کہ کوئی رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی کمی بیان کر رہا ہو تو جان لو کہ اس کا ارادہ ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا ہے تاکہ کتاب اللہ پر عمل معطل ہو جائے لہٰذا خود ان کو مجروح کرنا زیادہ بہتر ہے اور یہ زندیق ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کتاب وسنت کے ناقل ہیں۔ تم خود ہی سوچو جب ناقل پر تنقید کی جائے تو اس پر پھر کیا نتیجہ مرتب ہوگا۔ اسی لیے جب ملحد اور زندیق اور رافضی لوگ اس رخ پر سخت گرفت کریں تو ہم حیران نہیں ہونگے۔ انہوں نے صحابہ کی ایسی تصویر کشی کی ہے گویا کہ وہ اقتدار کی کرسی تک پہنچنے کے لئے جھگڑ رہے ہیں اور اس میں خیانت اور دھوکہ کے اسلوب کو کام میں لا رہے ہیں۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ہوشیار آدمی کی صورت میں ظاہر کیا ہے

جس نے اپنی ہوشیاری سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہٹا کر علی رضی اللہ عنہ کو اتار دیا جس طرح انگوٹھی کو انگلی سے اتارا جاتا ہے۔اور کیسی کیسی گندی باتیں اور جھوٹ کی صورتیں اور اغراض کو حاصل کرنے کے لئے مکر وفریب کی صورتیں گھڑی ہیں۔ان خبیث معاصرین کا سب سے بڑا ھدف خلافت اسلامی کو ختم کرنا اور دین کو حکومت سے جدا کرنا تھا۔ایسے ہی ان لوگوں نے ہارون الرشید کی منظر کشی کی ہے کہ وہ عورتوں کو دایہ بناتا تھا اس کا فکر صرف مال جمع کرنا اور محلات تعمیر کروانا اور باندیوں کے ساتھ کھیل کود کرنا اور شراب پینا تھا۔خلافت امویہ اور عباسیہ بھی اس سے جدا نہیں۔اور یہ حکومت کے لئے رسہ کشی اور سلطان تک پہنچنے کے باہمی مشورے ہیں۔اور خلافت عثمانیہ وہ فقر اور جہالت اور مرض کی خلافت ہے۔حق وعدل کے ترازو ان جھوٹے فاجروں کے نزدیک ضائع ہو گئے اور انہوں نے ان کو نہیں پہچانا اور انہیں ملحد اور زندیق لوگوں کے راستے کی تعریف کی جو ان کی طبیعت کے موافق تھے۔

یہ تو قدیم مورخین کا حال تھا مگر جدید مورخ وہ دور کی کوڑی لائے جس سے انسانیت کو اس کی تاریخ سمیت شرما دیا اور اپنے تئیں یہ تحقیق پیش کی کہ انسان پہلے بندر تھا۔ان لوگوں نے نہ دین کو سمجھا نہ دنیا کو ان لوگوں نے خدا کے اس ارشاد میں غور نہ کر کے خود اپنی عظمت کو بٹہ مارا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔

(سورۃ الاسراء:۷۰)

”اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی“

دسیوں نصوص ہیں جو یہ بتلاتی ہیں کہ انسانیت کی ابتداء خدا کے ایک جلیل القدر پیغمبر آدم علیہ السلام سے ہوئی یعنی ہدایت کے اعلیٰ درجات میں سے ایک درجہ سے۔آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان خالص توحید کی دس صدیاں ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے پھر نوح علیہ السلام کی قوم میں شرک اچانک سامنے آیا اور انہوں نے کہا ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود کو چھوڑنا نہ سواع کو نہ یغوث کو اور نہ یعوق اور نسر کو۔وہ شرک جو بشریت میں ظاہر ہوا اسے عقیدے میں تبدیلی شمار نہیں کر سکتے بلکہ یہ عقل وفطرت اور کتب

منزلہ اور اللہ کے رسولوں کے خلاف ہے۔ جس کو اللہ نے مبعوث کیا تا کہ لوگوں سے کہیں:

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ (سورۃ الاعراف:۵۹)

''(لوگو!) خدا کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں''

لٰہذا یہ نرا جھوٹ ہے کہ اخناتون وہ پہلا شخص تھا جس نے توحید کی دعوت دی اور نہ ہی پہلا انسان بندر تھا اور نہ ہی وہ کبھی تاریک دور میں رہا ہے۔ ہاں البتہ یہ تقسیم اگر خود یورپ والوں کے ساتھ ہو تو ہو لیکن مسلمانوں کے ساتھ صحیح نہیں ہوگی:

کیونکہ مسلمانوں کی تاریخ تو یہ بتلاتی ہے کہ انہیں ہر دور میں توحید اور تعلیم کی نعمت میسر رہی ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ۔ (سورۃ النحل:۳۶)

''اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا تھا کہ خدا ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو''

اسلاف و اکابر کی قرآن و حدیث اور علوم اسلامیہ کی حفاظت کا سخت ترین معیار اور اس میں ان کی بے مثال اور جانکاہ کاوشوں کا تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد دنیائے انسانیت کی بدترین قوم یہود بے بہبود اور ان کے دروغ بے فروغ کی کارستانیوں کی ایک ادنی جھلک دکھانے کے بعد موجودہ دور کی حکومتوں کے جھوٹے ڈھانچے اور جھوٹ کے نظام پر قدرے روشنی ڈالی جائے گی تا کہ لوگوں کے سامنے سے یہ حقیقت عالم آشکارا ہو جائے کہ روشن ضمیر، روشن خیال، روشن چہرہ اور روشن مذہب والا کون ہے اور کس کا ضمیر، خیال، چہرہ، مذہب اور زندگی کا مقصد تک سیاہ ہے۔

''میڈیا'' جھوٹ کا دوسرا خوبصورت نام اور یہود بے بہبود کا جھوٹ کے فروغ کا سب سے بڑا آلہ

دانشور اور تجزیہ نگار کہتے ہیں کہ میڈیا فقط رائے عامہ پر اثر انداز ہی نہیں ہوتا بلکہ رائے

عامہ کو پیدا بھی کرتا ہے جب یہ امت اپنے دشمنوں کی جانب سے تنقید کا نشانہ بنتی ہے تو یہ دشمنی بہت سی سیاسی اور اقتصادی اور فوجی اور فکری مشکلات پیدا کر دیتی ہے اور یہ دشمنی شروع ہوتی ہے تو پھر ختم ہونے کے نام ہی نہیں لیتی۔ کیونکہ آج یہ دنیا تیز ترین رابطوں کی وجہ سے چھوٹے سے قصبے کی مانند ہوگئی ہے۔ نفسانی اور فکری جنگ مسلمانوں کی طرف متوجہ ہونے والی سب سے بڑے خطرے کی صورت ہے اور میڈیا اس میں بہت اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے خبیث فکر کے مکروفریب کو پھیلانے اور شائع کرنے والی ہر چیز سے مزید حفاظت ضروری ہے اور یہود کی سرپرستی میں پلنے والا یہ میڈیا نا صرف یہ کہ حقائق کو مسخ کر دیتا ہے بلکہ لوگوں کی ذہنی ساخت اور طرز فکر تک کو بدل دیتا ہے۔ میڈیا اب صرف انسانی اقدار کا مذاق اڑانے اور لوگوں کے دلوں سے اس کی اہمیت مٹانے اور کمزور قوموں کا مذاق اڑانے کے سوا کچھ بھی نہیں کر رہا۔ لہٰذا میڈیا کی فریب کاریوں اور جھوٹ کو واضح کرنا ہر مسلمان ہی نہیں بلکہ ہر انسان کا بھی فرض ہے۔ اور انسانیت اس وقت تک ان سے سچ کی توقع نہ کرے جب تک یہ بے حقیقت باطل ان کے پاس ہے۔ جو سارے کا سارا صرف یہود بے بہبود کی خدمت کے لئے وقف اور مسخر ہے۔ یہ میڈیا عقل کی بجائے جذبات کو مخاطب کرتا ہے۔

اس وقت میڈیا کا سب سے گھناؤنا مقصد عالمی تجارت پر یہودیوں ساہوکاروں کو قبضہ دلوانا اور دنیا بھر کی حکومتوں میں سازشوں کا جال پھیلا کر انہیں کمزور کرنا اور پھر رفتہ رفتہ مختلف حکومتوں پر قبضہ کرنا یا ان کے نظاموں کو پورے طور پر اپنے ہاتھ میں لے لینا ہے اس کے لئے دھوکہ دہی لازمی ہے اور لوگوں کو تصویر کا غلط رخ دکھانا ناگریز ہے۔ اور اس مکروہ مقصد کے لئے ریڈیو بھی ٹیلی ویژن سے کسی طرح کم نہیں۔ پھر رہی سہی کسر پرنٹ میڈیا پوری کر دیتا ہے کہ یہودی جرائد ورسائل پہلے لوگوں کے ذہن ہموار کرتے ہیں پھر طرز فکر کو بدلتے ہیں پھر ان میں جاہلیت کے جذبات کو ابھارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم فرعونوں کی اولاد ہو تم اس کی چھ ہزار سالہ زندگی کی تہذیب کی طرف منسوب ہو۔ حتیٰ کہ ان زوردار آوازوں کو سننے والوں خاص طور پر نوجوانوں کے ذہن سحر زدہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ پھر یہ

میڈیا تمام باطل نظاموں جیسے اشتراکیت وغیرہ کو دنیا کی نجات کے لئے ناگریز باور کرواتا ہے اور اس کے لئے عوام اور حکومت کے درمیان غلط فہمی کی فضا کو ہوا دیتا ہے۔ جس سے ملک میں انارکی پھیلتی ہے۔ میڈیا کے یہ بانی لوگوں کے دینی و دنیاوی جذبات کے ناجائز استعمال کے ماہر ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ناپسندیدہ اور مشکوک اور جرائم پیشہ اغراض کے لئے نمایاں شخصیات کے نام استعمال کرتے ہیں اور اس غرض کے لیے پریس کانفرنسیں اور عمومی کنونیشن اور اجتماعات بلاتے ہیں۔ اور ایسی مناسبتیں گھڑتے ہیں جو نظر بندی کر دیتی ہیں آج کا میڈیا زندگی کے روزمرہ کے مسائل کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ لوگوں کو صرف روٹی وغیرہ کی فکر ہی رہ جاتی ہے تاکہ لوگ زمین میں اللہ کی بندگی کو قائم کرنا چھوڑ دیں۔

میڈیا کا ایک خطرناک ترین پہلو نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ انسانیت تک کو زندگی کی تمام ذمہ داریوں سے ہٹا کر غفلت کی دلدل میں دھنسا دیتا ہے۔ اس غرض کے لئے تفریحات اور ذہنی و جسمانی تربیت کے نام سے سٹوڈیو اور سٹیڈیم کا ایک ساحرانہ نظام متعارف کروایا گیا ہے۔ اور پوری انسانیت کو فٹ بال میچوں اور ریسلنگ اور فلموں اور قومی سلسلہ وار پروگراموں میں منہمک اور غرق کر دیا گیا ہے اور میڈیا کے ان تفریحاتی پروگراموں نے انسان کو دوسرے انسان سے ہی نہیں بلکہ خود اپنے آپ تک سے غافل کر دیا ہے۔ کہ کھیل کود اور شوبز کی اس دوڑ میں شریک ہونے والے کو اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ امت کی پریشانیوں اور غموں کی کچھ فکر کرے اور نہ ہی ان کا امت کو نجات دینے میں کچھ حصہ ہوتا ہے۔

پھر یہودی میڈیا کا سب سے خطرناک پہلو امت مسلمہ پر ہونے والے ظلم و ستم سے ساری دنیا کی نگاہیں ہٹانا ہے جیسے عراق اور افغانستان کی جنگ، فلسطین اور قدس کی آزادی، اسی طرح کشمیر اور روس کی مسلمان ریاستوں کے مسائل وغیرہ۔ پھر یہ یہودی ایک طرف تو خفیہ سازشیں کرتے ہیں تو دوسری طرف ان تمام مسائل کو ایسی باتوں کے ساتھ جوڑتے ہیں جس سے عوام کی رائے ان مسائل میں مسلمانوں کے خلاف ہو جاتی ہے۔ اور اس سے استعمار اور صہیونیت اور زیادہ مستحکم ہوتی ہے۔ غرض یہ میڈیا حق و عدل اور نیکی و تقویٰ کو پھیلانے والے اسباب کو جھوٹ اور دھوکہ اور گمراہی کے اسباب میں تبدیل کر دیتا ہے۔

اب ذیل میں موجودہ یورپی یہودی اور عیسائی حکومتوں کے منافقانہ رویوں کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

منافق اور جھوٹ پرور حکومتیں

جھوٹ کی قسموں میں سے ایک قسم نفاق ہے۔ جھوٹ زندگی کی تمام شکلوں اور رنگوں میں اس کے اجزاء میں سے ایک جزو بن گیا ہے۔ جھوٹ نے اس دور میں ہزاروں شکلیں اختیار کرلی ہیں اور نفاق یہ جھوٹ کے نچلے طبقات تک اترتا ہے اور بہت سی چیزوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے جیسے بزدلی بے برکتی کمینہ پن، ڈھٹائی بے حیائی حسد اور کینہ اور شدید بغض کی طرف بلاتا ہے خباثت اور عیاری اور مکر و فریب اور حقوق کھانے کے قسما قسم کے خوفناک واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہیں لہٰذا یہ کہنا کچھ عجیب نہ ہوگا کہ جھوٹ زندگی کے اساسی اجزاء میں سے ایک جزء بن گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس وقت دنیا کذب و نفاق کی مضبوط بنیادوں پر چل رہی ہے اس میں کچھ بھی مبالغہ یا خیال کا دخل نہیں۔ اور یہی حقیقت ہے خیر اور حق کے واضح راستوں کے باوجود لوگوں کی غالب عادت یہی ہے کہ وہ شر اور گمراہی اور باطل کے راستوں پر چل رہے ہیں۔ ان کی وہی صفت ہے جو ان کے رب اور خالق نے بیان کی ہے:

وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ (سورۃ یوسف:۱۰۳)

''اور بہت سے آدمی گو تم (کتنی ہی) حرص کرو ایمان لانے والے نہیں ہیں''

اور آج کی انسانیت کے بارے میں رب کی یہ بات پوری ہو کر رہے گی:

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (سورۃ ھود:۱۱۹)

''میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا''

کذب و نفاق ایک خاص صفت کے ساتھ اہم اور مہتم بالشان امور پر اپنا تسلط قائم کرتا ہے اور اس تسلط کو باطل فوجی طاقت اور اپنی حکومت کے استحکام کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اگر ہم تاریخ اٹھا کر دیکھیں اور تمام زمانوں میں پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا

کہ آج کا دور نفاق سے ہی تیار کردہ قواعد پر چل رہا ہے۔ جاسوسی کاروائیاں اور انٹیلی جنس کے محکمے وسیع الحدود اور سوچے سمجھے مرتب نظام میں نفاق پر قائم ہیں۔ انٹیلی جنس کے محکموں کے درمیان خفیہ جنگیں بری، بحری اور فضائی فوجی جنگوں سے زیادہ سخت اور دشمن کو زیر کرنے والی ہیں اس میں کامیابی اور ناکامی کا اثر زیادہ سخت اور دور رس ہوتا ہے۔

ڈپلومیسی کے میدان میں نفاق کا اثر بالکل واضح ہے۔ اور اس کے لئے جو مجلسیں اور کانفرنسیں بلائی جاتی ہیں۔ ان میں سیاسی غاصب اور سفاک لوگ اور ان کے متبعین ہی تبصرے کرتے ہیں۔ انسانی عقل کی انتہاء اب کذب و نفاق اور دھوکہ وعیاری کے اسلوب اور طریقے ہی رہ گئے ہیں اور یہ میٹھے خوبصورت الفاظ کے ساتھ ملائی ہوئی اور حق سے مستعار رنگوں سے رنگی ہوئی خباثت ہے علم وادب اور بلاغت وخطابت کے پردوں کے پیچھے ایک خباثت پوشیدہ ہے۔ اس لیے ہم اسے دیکھتے ہیں کہ اس نے باطل حالات کو خوبصورت رنگوں سے ملمع کرلیا ہے۔ فتح اور لڑائی کا نام استعمار رکھا ہے۔ اور جب یہ رنگ پھیکا پڑنے لگے تو نمائندگی اور جانشینی کے کلمات کی آڑ لیتے ہیں۔ لوٹ مار اور چھینا جھپٹی کے چھپانے کے لیے جدید تمدنی الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

اس لئے ہر مسلمان ہی نہیں ہر انسان کو چاہئے کہ وہ اقوام متحدہ اور امریکہ کی حرکات پر گہری نظر رکھے کہ وہ عراق اور صومالیہ کی مشکلات میں کیا کرتے ہیں اور فلسطین اور بوسنیا کے بارے میں ان کا کیا موقف ہے۔ پھر انسانی حقوق کے بارے میں اور عالمی سلامتی اور قسمت کا فیصلہ طے کرنے میں ان کے چمکدار نعروں پر بھی نظر رکھے تاکہ دھوکہ اور جھوٹ کی انتہاء معلوم ہوجائے۔ حکومت اور اداروں کے مسائل کو انہی خوبصورت اور جاندار الفاظ سے الجھایا جاتا ہے ان کی ایک جانب حق سے ملی ہوتی ہے اور دوسری جانب میں جھوٹ اور نفاق پوشیدہ ہوتا ہے اور اس کا نام عقلمندی اور ہوشیاری رکھ دیا گیا ہے۔

کذب اور نفاق دونوں مکروہ اور حقیر الفاظ ہیں لوگ ان کو جب بھی ذکر کرتے ہیں تو ان سے دور ہونے کے لئے اور اس سے نجات پانے کے لئے ذکر کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہر وہ آدمی جو اللہ کے دین سے دور ہے وہ اس قاعدے پر عمل کررہا ہے کہ خواہشات کے حصول کے لئے فضائل کو پس پشت ڈال رہا ہے اور منافقت کو اپنے لیے پسند کررہا ہے۔

تاریخ میں اس کی نہایت بدترین مثال اٹلی کا نیقولا ماکیا فیلی تھا۔ جو ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۵۲۷ء میں فوت ہوا۔

جس نے کھلے بندوں لوگوں کو بری عادات اپنانے کی تعلیم دی۔ وہ کہتا تھا کہ علاقے کے حاکم کو عہدوں کی حفاظت نہیں کرنا چاہیے جبکہ وہ اس کی مصلحت کے خلاف ہوں اگرچہ میری یہ بات بہت بری ہے مگر جب عوام تمہارے عہدوں کی حفاظت نہیں کرتے تو تمہیں بھی ان کے وعدوں کی حفاظت ضروری نہیں۔

ماکیا فیلی کہتا ہے، میرے نزدیک حاکم کو اچھائیوں سے متصف ہونے میں خطرہ ہے لیکن ان فضائل سے آراستہ ہونے کو ظاہر کرنے میں نفع ہے۔ تمہارے لئے خیر اسی میں ہے کہ تم تقویٰ اور امانت اور دین وانسانیت کی محبت اور اخلاص کو ظاہر کرو اور ایسا لگے کہ تم واقعی ایسے ہی ہو، لیکن اس بات پر تنبیہ ضروری ہے کہ اگر تم دوسری صفات کے اختیار کرنے پر مجبور کیے جاؤ تو بغیر مشقت کے ان کو اختیار کر سکو۔

غرض اس شخص نے حکام کو ہر برائی کی دعوت دی۔ اور اس کا نام ہر اس سیاست دان کا نام بن گیا ہے جو سخت، قوی عقل اور مضبوط دل والا ہو اور خوف اس کو مقصد کے حصول کے لیے کسی قسم کے بھی گناہوں سے نہ روکے اس شخص نے جھوٹ و نفاق پر قائم ایک حکومتی نظام کو متعارف کروایا۔

ماکیا فیلی نے مریض دلوں کو پناہ دی اور ان کو ان کی بیماری کے اسباب میں گھیر لیا اور وہ بے روک ٹوک اپنی خواہشات میں چلنے لگے۔ بادشاہ اور حکومت کی شہوت کے لئے ان کو قربانی کا جانور بنا دیا۔ بعد میں حکام اور سیاسی لوگ نفاق اور کذب میں دوڑنے لگے کیونکہ ان کو ماکیا فیلی جیسا مرشد مل گیا تھا جس نے ہر برائی کو ان کے نزدیک خوشنما کر دیا تھا پھر یہ لوگ شیطان کی سواری بنتے ہوئے جہنم پر ٹوٹ کر گرے۔

نفاق ماکیا فیلی سے بھی پہلے کا ہے:

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نفاق کا طویل قصہ ہے گویا کہ اسلام اور نفاق کے درمیان حلقاتی کشمکش تھی۔ منافقین نے نبی اکرم ﷺ سے کئی خفیہ جنگیں اور خفیہ عداوتیں کی

ہیں اور انہوں نے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف مختلف کافروں اور کمزور نفس والوں اور مریض دل والوں کو اکسانے کی کوشش کی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی ان کی چالوں اور مکروں سے حفاظت فرمائی اور مسلمانوں نے نفاق کو نفاق سے زائل نہیں کیا بلکہ جو اللہ سے عہد کیا تھا اسکو سچ کر دکھایا۔ جب لوگوں نے عہد شکنی کی اور دھوکہ دیا تو مسلمانوں نے عہد پورا کیا۔ یہ امت کے سب سے بہترین افراد تھے جو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے نکالے گئے تھے۔

نفاق اور منافقین کے احوال کی جستجو سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب بھی اسلام کا غلبہ ہوا اور مسلمانوں کو قوت ملی جیسے مسلمانوں کی مدینہ میں حالت تھی تو نفاق کا سر جھک گیا۔ انسان اس وقت اپنے کفر کو ظاہر کرتے تھے جب مسلمانوں کو ضعیف دیکھتے تھے جیسے مکہ میں اور جب غزوہ بدر ہوئی اور وہ جنگیں جن میں مسلمانوں کی مدد ان کی توقع کے خلاف ہوئی تو ان حالات نے ابن سلول جیسوں کو بھی مجبور کیا کہ کفر کو چھپا کر ایمان ظاہر کریں۔

جب حضور اکرم ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو مدینہ والے ابن سلول سے منتشر ہو کر حضور اکرم ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ جو کچھ کر رہا تھا وہ صرف رسول اللہ ﷺ اور اسلام اور اہل اسلام کو روکنے کے لئے کر رہا تھا اور اس کے ارد گرد بھی اسی جیسے منافق تھے۔ وہ ان سے مکر وفریب کو چھپا رہا تھا اس امید پر کہ شاید اس کا کھویا ہوا اقتدار واپس آ جائے۔ عجیب بات یہ ہے کہ نفاق ابن سلول کے دل میں اس قدر سرایت کر گیا تھا کہ موت کے وقت بھی وہ منافقت کر رہا تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے قمیض مانگی تا کہ اس میں اس کو دفن کیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی اوپر والی قمیض اسے بھیج دی۔ ابن سلول نے وہ واپس کر دی اور نیچے والی قمیض مانگی جو رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک کے ساتھ لگی ہوئی تھی تو آپؐ نے وہ بھیج دی ابن سلول کے آس پاس والوں نے خیال کیا کہ شاید اس نے توبہ کر لی اور نفاق سے رجوع کر لیا ہے غرض جب وہ مر گیا تو اس کا بیٹا جو صالح مومن تھا آیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس کی نماز جنازہ پڑھا کر اسے دفن کر دو۔ بیٹے نے کہا یا رسول اللہ اگر آپ اس کا جنازہ نہیں پڑھیں گے تو کوئی بھی مسلمان جنازہ نہیں پڑھے گا آپؐ اس کی نماز جنازہ کے لئے تیار ہو گئے۔ مشہور یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپؐ

اس کا جنازہ پڑھائیں گے حالانکہ اللہ نے روکا ہے۔ اور آپ اس کا جنازہ پڑھائیں گے حالانکہ اس نے فلاں دن یوں یوں کیا۔

اور اس کے بعد یہ بتلایا کہ اس شخص نے تو یہ تک کہا تھا کہ

لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ۔ (سورۃ المنافقون:۸)

''(مدینہ لوٹ کر) عزت والے ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے''

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ۔

(سورۃ التوبہ:۸۴)

''(اے پیغمبر) ان میں سے کوئی مرجائے تو کبھی اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (جاکر) کھڑے ہونا یہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے رہے اور مرے بھی تو نافرمان''

قرآن نے منافقین کے ہتھیاروں کا ذکر کیا ہے کہ ان منافقوں کے ہتھیاروں میں اہم چیزیں جھوٹی قسمیں، دھوکہ دہی، مسلمانوں میں اختلاف اور نفرت کو پھیلانا، ایذاء پہنچانا، کمزوروں پر اثر انداز ہونے کے لئے برے برے پروپیگنڈے کرنا، خوف و ہراس اور سنسنی خیز خبریں پھیلانا۔ کفار سے دوستی کرنا، جنگ میں مسلمانوں میں کم ہمتی اور بزدلی پیدا کرنا وغیرہ تھیں کہ اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی پیدا کرنے کے لیے یہ منافقین ان خبیث ذرائع اور گھٹیا ہتھیاروں کو کام میں لاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے اس قول سے ڈرایا ہے:

''اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ............ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ'' (سورۃ المجادلہ:۵-۶)

''جو لوگ خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ (اسی طرح) ذلیل کئے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل کئے گئے تھے اور ہم نے صاف اور صریح آیتیں نازل کردی ہیں اور

جونہیں مانتے انہیں ذلت کا عذاب ہوگا جس دن خدا انہیں جلا اٹھائے
گا تو جو کام وہ کرتے رہے ہیں ان کو جتائے گا خدا کو وہ سب (کام)
یاد ہیں اور یہ ان کو بھول گئے ہیں''

قریب تھا کہ قرآن سارا ان کی شان میں ہوتا کیونکہ روئے زمین پر منافق کثرت سے آباد ہیں۔ زمین ان سے خالی نہیں تا کہ مومنین راستوں میں گھبراہٹ محسوس نہ کریں اور ان سے اسباب زندگی معطل نہ ہو جائیں اور جنگلوں میں جانور اور درندے ان کو اچک نہ لیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ اے اللہ منافقین کو ہلاک فرما۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے بھتیجے! اگر منافقین ہلاک ہوگئے تو تم اپنے راستوں میں کم گزرنے والوں کی وجہ سے گھبراہٹ محسوس کرو گے۔

فقہاء نے لفظ ''الـزندقة'' کو نفاق کا ہم معنی مراد لیا ہے امام مالکؒ کے نزدیک نفاق فقط رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھا بعد کے زمانوں میں اس کے مقابل ''زندقہ'' ہے۔ یہ کلمہ کفر اور نفاق دونوں کو شامل ہے۔ اس کلمہ کا اطلاق ان تمام مذاہب اور فرقوں پر بھی ہوتا ہے جو دعوت اسلام کے اصولوں کے متعارض ہیں جیسے رافضی شیعہ، اثنا عشری شیعہ، اسماعیلی، قادیانی اور بہائی وغیرہ اور جو ایمان ظاہر کر کے باطن میں کفر رکھے اس کو بھی اس کے ساتھ ملحق کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں منافقین کے بارے میں فرمایا ''اے لوگو! وحی منقطع ہو چکی ہے۔ اب ہم تمہارے ظاہری اعمال کو دیکھ کر فیصلہ کریں گے۔ جس نے ہمارے سامنے خیر کو ظاہر کیا ہم اسے مانیں گے اور اسے قریب کریں گے اور ہمیں اس کے باطن سے کوئی غرض نہیں اللہ اس کے باطن کا محاسبہ فرمائے گا۔ اور جس نے برائی ظاہر کی ہم اسے نہیں مانیں گے اور نہ ہی اس کی تصدیق کریں گے اگرچہ وہ کہے کہ میرا باطن بہت اچھا ہے۔

دشمنوں سے احتیاط کرنا اور بچنا عام طور پر اور منافقوں سے خاص طور پر ضروری ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم ہر ایک سے بدگمانی کریں کیونکہ لوگوں میں اصل براءت ہے

نہ کہ تہمت لگانا۔ ہمیں اس بات کا حکم ہے کہ ہم لوگوں کے ظاہر کو قبول کریں اور ان کے باطن کو اللہ کے حوالے کر دیں وہی دلوں کے بھیدوں اور رازوں کا متولی ہے۔ ہم لوگوں سے نیک گمان اور اپنے آپ سے بدگمانی کریں گے۔ بلکہ ہم میں سے ہر ایک اپنے آپ پر نفاق سے اور منافقین کی خصلتوں سے ڈرے۔

جھوٹے قصوں اور کہاوتوں کے برے اثرات:

کردار فکر کا آئینہ ہوتا ہے۔ عوامی کہاوتیں انسانی طرز فکر اور طرز عمل پر اثر انداز ہوتی ہیں یہ کہاوتیں فکر و عمل میں اکثر اوقات بگاڑ پیدا کر دیتی ہیں۔ ذیل میں چند کہاوتیں درج کی جاتیں ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ انسانی معاشرہ پر ان غلط کہاوتوں کتنے برے اخلاقی اور تمدنی اثرات چھوڑے ہیں۔

مثلاً ''جھوٹ برابر کرنے والا ہے اور نہ سچ ٹکڑے کرنے والا ہے'' اس کہاوت سے عوام کا مقصود یہ ہے کہ قابل قبول مبالغہ سے خالی جھوٹ اس سچ سے بہتر ہے جو نا اتفاقی پیدا کرے اور جس کے اجزاء میں یکسانیت نہ ہو۔ یہ محاورہ اس شرع شریف کی تعلیمات کے خلاف ہے جس میں اخلاق فاضلہ اور صفات حسنہ سے آراستہ و پیراستہ ہونے کی تعلیم ہے۔ اسی طرح کا ایک مقولہ شیخ سعدیؒ نے بھی لکھا ہے اگرچہ وہ زبان زد خلائق ہے اور بظاہر اس میں عافیت بھی نظر آتی ہے مگر شریعت جو روشن اور پاکیزہ تعلیمات لے کر آئی ہے یہ محاورہ اس کے خلاف ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ''دروغ مصلحت آمیز بہ زراستی شرانگیز'' کہ ''مصلحت آمیز جھوٹ یہ شرانگیز سچ سے بہتر ہے'' بظاہر یہ محاورہ جتنا بھی جیبوں کو لبھائے اور اس میں فائدہ نظر آئے لیکن شریعت جن اخلاق کے گہرے نقوش چھوڑنا چاہتی ہے یہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ ایک تو ہر شخص مصلحت اور غیر مصلحت میں فرق و امتیاز کرنے کا ملکہ نہیں رکھتا دوسرے ہر دفعہ اس کی تطبیق میں صحت کا پایا جانا بھی نادر ہے تیسرے شدہ شدہ یہ عادت تسویل نفس اور اغوائے شیطانی کا سبب بن کر آدمی کو ہر وقت جھوٹ بولنے کا عادی بنا دے گی اور آدمی کو اس کی خبر تک بھی نہ ہوگی کیونکہ شیطان اس کو اس

۱؎ اس کو ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے۔ نسیم

کا یہ عمل خوب مزین کر کے دکھائے گا۔

اس لئے خدا تعالیٰ نے سچ ہی بولنے کی تعلیم دی ہے اور اس غرض کے حصول کے لئے سچوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے تا کہ سچوں کی صحبت سچ بولنے کی عادت ڈالے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔

(سورۃ التوبہ:۱۱۹)

''اے اہل ایمان! خدا سے ڈرتے رہو اور راستبازوں کے ساتھ رہو''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''سچ کی جستجو کرو اگرچہ تمہیں اس میں ہلاکت نظر آئے کیونکہ نجات اسی میں ہے[1]

اگر کسی کو شک ہو کہ آیا واقعی سچ میں کامیابی ہے حالانکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ سچ بولنے سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے تو وہ ذرا اس ارشاد باری تعالیٰ کو غور سے پڑھ لے:

اِنَّ اللّٰـہَ لَایَھْدِیْ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ۔ (سورۃ مومن:۲۸)

''بے شک خدا اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو بے لحاظ جھوٹا ہو''

بھلا جھوٹ کا عادی یہ نہیں دیکھتا کہ ایک ایسا نگہبان ہر وقت اس کے ساتھ ہے کہ وہ جب بھی بولتا ہے تو وہ نگہبان اس کا ہر بول تول تول کر لکھ لیتا ہے۔ جس میں نہ کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَایَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ۔ (سورۃ ق:۱۸)

''کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے''

کیا یہ مثل اس چراغ نبوی سے محروم اور نابینا کر دینے کے لئے کافی نہیں جس نے ہمارے لیے ہدایت کے راستے کو روشن کیا اور ہمیں برے انجام میں گرنے سے بچایا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سچ نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے حتی کہ اللہ کے ہاں ہمیشہ سچ بولنے والا لکھا جاتا

ہے اور جھوٹ برائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور برائی جہنم کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتی کہ اللہ کے ہاں بہت جھوٹ بولنے والا لکھا جاتا ہے۔

اب ہم خود دیکھ لیں کہ آج ہمارے معاملات کی صورت کیا ہے؟ کیا ہم نے اس مثل کو اپنی زندگی کا دستور تو نہیں بنالیا؟ یقیناً جو لوگ اس قسم محاوروں کو معاشرہ میں عام کرنا چاہتے ہیں وہ دراصل جھوٹ اور خیانت کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ پیغمبر خدا نے کیا خوب سچ فرمایا ہے کہ بہت بڑی خیانت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایسی بات کہو کہ وہ تو اس میں تمہاری تصدیق کرے اور تم اس میں جھوٹے ہو۔

کیا اس تفصیل کے سامنے آجانے کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ بسا اوقات جھوٹ یہ سچ سے بہتر ہوتا ہے۔ یہ لغو بیہودہ بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی دلیل نہیں اتاری اور اس مثل میں صراحتاً یا ضمناً جھوٹ کے مباح ہونے کا دعوی ہے۔

اسی طرح کا ایک محاورہ ہے ''جس کا کھاتے ہیں اسی کا گاتے ہیں'' یعنی احسان کرنے والے کی خاطر خواہ جھوٹ بھی بولنا پڑے تو اس سے گریز نہ کیا جائے۔ یقیناً یہ بات اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے لہٰذا ہمیں اپنی روزمرہ زندگی میں لوگوں کے ساتھ معاملات میں اس محاورہ کو دستور بنالینا جائز نہیں۔ وگرنہ ملامت اور دھوکہ دہی اور ریاء لوگوں کی طبیعت بن جائے گی۔ اسلام اس سے روکتا ہے اور اسے اخلاقیات سے باہر شمار کرتا ہے۔ ہمیں رسول خداؐ کے اس فرمان کو ہر وقت مدنظر رکھنا چاہئے کہ ''بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایسی بات کہو کہ وہ تو اس میں تمہاری تصدیق کرے اور تم اس میں جھوٹے ہو'' رسول اللہ ﷺ نے اس سے ڈرایا ہے چنانچہ فرمایا ''جھوٹ جھوٹ لکھا جاتا ہے حتی کہ جھوٹ جھوٹ ہی لکھا جاتا ہے'' (مسند احمد)

جب لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا ''ہم اپنے سلاطین کے پاس جاتے ہیں تو ان سے وہ بات نہیں کرتے ہیں جو باہر نکل کر ہم آپس میں کرتے ہیں'' تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم اس کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نفاق میں سے شمار کرتے تھے۔ (مسند احمد)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، مجھے اپنی امت پر جس چیز کا خوف ہے وہ ہر وہ منافق ہے جو قادر الکلام ہو اور زبان دانی میں ماہر ہو۔ (مسند احمد)

یقیناً یہ دور خاپن ہے اور اس کو اپنی زندگی کا اصول وہی شخص بناتا ہے جو منافق ہو اور لوگوں سے تو شرماتا ہو لیکن اللہ سے نہیں شرماتا حالانکہ وہ اس کے ساتھ ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں ایسے دوغلے شخص کے کردار کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَالَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا۔ (سورۃ النساء:۱۰۸)

''یہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے حالانکہ جب وہ راتوں کو ایسی باتوں کے مشورے کیا کرتے ہیں جن کو وہ پسند نہیں کرتا تو وہ ان کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور خدا ان کے (تمام) کاموں کا احاطہ کئے ہوئے ہے''

اسی طرح ہم ریاکاری کے بارے میں لوگوں کو یہ کہتے سنتے ہیں کہ آج کے دور میں عقل مند وہی ہے جو زیادہ سے زیادہ بناوٹ اور ظاہری دکھلاوے سے کام لے حالانکہ یہ وہ خطرناک اور مذموم عادت ہے جس کے بارے میں لسان نبوت نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ''ریاء شرک اصغر ہے'' (مسند احمد)

اور ریاء کاری آگے جن برائیوں کو جنم دیتی ہیں وہ اپنی ساخت میں ریاء کاری کی مثل ہوتی ہیں کیونکہ ریاکاری کی اصل دھوکہ ہے کہ آدمی لوگوں کو ریاء کاری کے ذریعے وہ دکھلاتا ہے جو اس میں ہوتا نہیں۔ اسی دھوکہ اور مکر کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مکر اور دھوکہ اور خیانت جہنم میں ہیں'' (ابوداؤد)

لہٰذا جس کسی نے بھی ان مذکورہ بالا محاوروں اور مثلوں کو زندگی کا دستور العمل بنایا اور ان جیسی دیگر ملتی جلتی باتوں کو مقاصد کے حصول ذریعہ ٹھہرایا وہ رب کی ناراضی مول لینے کے ساتھ ساتھ دنیاوی ذلتوں سے بھی اپنا دامن سمیٹے گا۔ اس لئے نجات صرف سچ میں ہے۔

ہماری سچ پر تربیت کیسے ہو؟

نجات سچ میں ہے اور سچ پر جمنے اور زندگی کے سانچے کو سچ میں ڈھالنے کے لئے ضروری ہے ہماری اخلاقی روحانی تمدنی اور معاشرتی تربیت انفرادی اور اجتماعی ہر دو طرح سے سچ پر ہو۔ لیکن یہ بات بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ اخلاقی و روحانی انحطاط کے اس دور میں نیکی اور خیر میں مدد کرنے والے کم ملیں گے۔ اگر آپ اکثر خاندانوں پر نظر دوڑائیں تو آپ دیکھیں گے کہ والدین قول و فعل دونوں سے اولاد کی تربیت جھوٹ پر کر رہے ہیں۔ جیسے جب کوئی بلانے آتا ہے تو باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے اگر کوئی میرے بارے میں پوچھے تو اس سے کہہ دینا کہ میرا باپ موجود نہیں۔ اور وہ گھر سے نہیں نکلتا حتیٰ کہ ترقی کے اس دور میں یہ برائی بھی ترقی کی معراج تک پہنچ گئی ہے۔ ذرائع ابلاغ وسائل نشر و اشاعت اور اسباب تعلیم و تربیت سب کے سب جھوٹ کی ترقی اور ترویج میں معاون و مددگار اور موافق و سازگار ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم مایوس ہو جائیں۔ ہم پوری ہمت اور عزم کے ساتھ اس بات کا ارادہ کریں کہ ہم اپنے معاشرہ کی، اولاد اور خاندان سے لے کر اجتماعی آبادی تک کی سچ پر تربیت کریں گے اور اس کی ابتداء نئی نسل کے نونہالوں سے کریں گے۔ کہتے ہیں کہ تعلیم و تربیت کی ابتداء بھی طالبعلم سے ہوتی ہے اور انتہاء بھی طالبعلم پر ہوتی ہے۔ اس میں طلباء کی فطری صلاحیتوں پر اعتماد کرنا ہوگا اور ان کے سامنے سچ بولنے کو نصب العین بنانے کا نمونہ پیش کرنا ہوگا جس کا تعلق اسباق سے لیکر استاد کی عملی زندگی تک ہے اور ہم طلباء کو حکایات سنانے کے ذریعے سچ اپنانے کو کہیں۔ اس کے لئے ہم بے سند واقعات کی بجائے سچے واقعات سنائیں۔ پھر ان واقعات سے حاصل ہونے اسباق کو طلباء کے ذہن نشین کرانے کے لئے ان سے سوالات و جوابات کے طرز پر پوچھیں کہ یہ تفہیمی اور القائی طرز کسی بھی بات کو قلب و ذہن پر نقش کرنے کے لئے سب سے زیادہ موثر ہے۔

غرض ہم معاشرہ کی اصطلاح کی ابتداء ان معصوم وجودوں سے کریں کہ ان کی مثال زمین سے پھوٹنے والی کونپل کی سی ہے کہ جس کی اگر صحیح حفاظت و نگہداشت کی جائے تو آگے چل کر یہی کونپل ایک تناور درخت بنے گی۔

یہی معصوم بچے تعلیم کی تکمیل کے بعد اس تمدنی معاشرہ میں پھیل جائیں گے اور آگے چل کر زندگی ہر شعبہ میں یہی نظر آئیں گے۔ان کی آج کی سچ پر تربیت کل وہ ثمرات ونتائج لائے گی جو ایک اسلامی ہی نہیں بلکہ انسانی معاشرہ کو بھی درکار ہیں۔ واللہ اعلم۔

اپنے قول وفعل کی پڑتال کیجئے:

اس جگمگاتی لیکن بے حس دنیا نے انسان کو اپنے قول وفعل سے بے پرواہ کر دیا ہے اور انسان صرف اسی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے اور دنیا کی چکا چوند نے آدمی کو جنت یا دوزخ کے تصور اور ان کی تیاری سے بے نیاز کر دیا ہے۔ آدمیت کی اس سنگدلی اور بے حسی کو دیکھتے ہوئے کسی دل والے نے کیا خوب کہا ہے کہ ''میں نے جنت سے بڑھ کر ایسی چیز نہیں دیکھی جس کا طلبگار اس کی طلب سے غفلت کی نیند سو رہا ہو اور نہ جہنم جیسی کوئی شے دیکھی کہ آج اس سے بچنے والے کو اس سے بچنے کا ہوش نہیں۔

لیکن ٹھہریے ہم ذرا اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھ لیں کہ کہیں ہم بھی تو ایسے ہی نہیں؟

دنیا کے بعد صرف جنت ہے یا جہنم اس کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں۔تو کیا ہم نے اس کے لیے کوئی تیاری کی ہے۔ دنیا پیٹھ پھیر کر جا رہی ہے اور اور آخرت سامنے سے چلی آ رہی ہے۔تو کیا ہم نے کوئی ایسا عمل کیا ہے جس سے پتہ چلے کہ ہم آخرت والے ہیں؟ وہ دیکھیے خدا کا سچا دین اسلام ہمیں بہت دور سے پکار رہا ہے کہیں ہم اسلام سے الٹے قدموں تو نہیں چل رہے؟ کیا یہ ارشاد خداوندی ہمارا ہی آئینہ تو نہیں:

''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ......وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ'' (سورۃ آل عمران:۱۴۴)

''اور محمد (ﷺ) تو صرف (خدا کے) پیغمبر ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گذرے ہیں بھلا اگر وہ مر جائیں یا مارے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ؟ (یعنی مرتد ہو جاؤ؟) اور جو الٹے پھر جائے گا تو خدا کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور خدا شکر گذاروں کو (بڑا) ثواب دے گا''

ہمارا سلف صالحین کا اتباع کہاں گیا کہیں ہم ان سے الگ راہ پر تو نہیں چل رہے؟ لیکن

کل خیر فی اتباع من سلف و کل شر فی ابتداع من خلف

''ہر خیر سلف کی اتباع میں ہے اور ہر شر بعد والوں کی نئی بدعت ایجاد کرنے میں ہے''

یقیناً پہلوں کی اتباع میں ہی کامیابی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ.......... ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ''

(سورۃ التوبہ: ۱۰۰)

''جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ خدا ان سے خوش ہے اور وہ خدا سے خوش ہیں اور اس نے ان کے لئے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے''

ہماری حالت یہ ہے کہ جب اسلاف کے احوال ہمارے سامنے ذکر کئے جاتے ہیں تو ہم رسواء ہو کر رہ جاتے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ مجھ سے کہا جائے اے عویمر! کیا تم نے کچھ علم حاصل کیا؟ تو میں کہوں ''ہاں!'' پھر مجھ سے پوچھا جائے کہ ''تم نے اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟ (یہ تو میرا حال ہے) جبکہ لوگوں (کا حال یہ ہے کہ ان) کے دل دین کی سمجھ سے بھر گئے اور ان کے اعمال درست ہو گئے پس وہ راہ دکھانے والے اور پانے والے بن گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ سواروں سے ملے اور پوچھا کہ ''یہ پرانا قابل تکریم قافلہ کہاں سے ہے؟ انہوں نے کہا ''بہت طویل لمبے راستوں سے'' فرمایا کیا ارادہ ہے انہوں نے کہا پرانے قابل تعظیم گھر (بیت اللہ) کا ارادہ ہے'' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ قرآن میں سب سے بڑی آیت کونسی ہے؟ ان لوگوں نے عرض کیا:

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔

(سورۃ البقرہ:۲۵۵)

''خدا (وہ معبود برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ زندہ ہمیشہ رہنے والا اس پر نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھ''

پھر پوچھا کہ قرآن کی سب سے مستحکم ومضبوط آیت کونسی ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ۔ (النحل:۹۰)

''خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے''

پھر آپ نے پوچھا قرآن کی سب سے جامع آیت کون سی ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا:

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ'' (الزلزال:۷،۸)

''تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا''

پھر آپؓ نے پوچھا قرآن کی سب سے خوف والی آیت کونسی ہے؟ انہوں نے کہا:

''لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَھْلِ الْکِتٰبِ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَبِہٖ''

(النساء:۱۲۳)

''(نجات) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر ہے جو شخص برے عمل کرے گا اسے اسی (طرح) کا بدلہ دیا جائے گا''

پھر آپؓ پوچھا کہ ''قرآن کی کونسی آیت سب سے امید والی ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ

رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔ (سورۃ الزمر:۵۳)

''(اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا خدا تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے''

اس سوال و جواب کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''تمہارے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں'' اور وہ ان کے ساتھ تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے ''اللہ کی قسم مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والا کوئی نہیں اور اگر مجھے پتہ چل جاتا کہ کوئی مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم ہے اور اس تک اونٹ پہنچ سکتا ہے تو میں ضرور اس کے پاس جاتا''

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث سننے کے لئے پورے مہینے کا سفر کیا۔ آج ہمارا حال ان لوگوں سے کتنا مختلف ہے۔ ہمارا حال نہ اللہ سے پوشیدہ ہے اور نہ لوگوں سے۔ ہم علم و عمل اور دین و سلطنت اور دنیا و آخرت کے درمیان شکوک و شبہات میں ڈالنے والے خلفشار سے دوچار ہیں۔ آج بات کرنا ہمارے لئے آسان ہے اسی لئے ہم صرف باتیں کرتے ہیں اور عمل کو ہم پہاڑوں جیسا دیکھتے ہیں اس لئے اس سے الٹے پاؤں پھر جاتے ہیں۔ ہمارے ظاہر ایک وادی میں ہیں اور ہمارے باطن دوسری وادی میں۔ ہمارا حال حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے ذرا مختلف نہیں جو انہوں نے اپنے اصحاب سے فرمایا تھا کہ ''تم ایسے کام کرتے ہو جو تمہاری آنکھوں میں بال سے زیادہ باریک ہیں۔ اور ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کاموں کو ہلاک کردینے والی چیزوں میں شمار کرتے تھے''

یہ ہمارے اسلاف ہیں جو اپنے آپ سے بدگمانی کرتے تھے حتی کہ ڈرتے تھے کہ کہیں منافقین میں سے نہ ہو جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام آپ کو منافقین میں بتایا تھا۔ انہوں نے کہا نہیں۔ اور میں آپ کے بعد کسی کی پاکیزگی بیان نہیں کروں گا۔

ابن ابی ملیکہؒ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے تیس صحابہ کو ملا ہوں اور وہ سب کے سب اپنے آپ پر نفاق سے ڈرتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا تھا کہ اس کا ایمان جبرئیل اور میکائیل کی طرح ہے۔ (بخاری)

حسن بصریؒ کہا کرتے تھے کہ "نفاق سے صرف منافق ہی بے خوف ہوتا ہے اور اس سے صرف مومن ہی ڈرتا ہے"

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے۔ "اے اللہ میں نفاق کے خشوع سے آپکی پناہ چاہتا ہوں۔ عرض کیا گیا کہ نفاق کا خشوع کیا ہے تو فرمایا "بدن تو خشوع والا نظر آئے اور دل خشوع والا نہ ہو"

یہ اس امت کے سب سے افضل طبقہ کا حال ہے لیکن اللہ کی قسم صحابہ کے دل ایمان و یقین سے لبریز تھے۔ اور ان کو نفاق سے شدید خوف تھا ان کے علاوہ بہت سے ہیں کہ ایمان ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترا اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا ایمان جبرئیل اور میکائیل کے ایمان کی طرح ہے۔ ہم ذرا ٹھہر کر سوچیں کہ صحابہ کو بھی پکارا گیا اور ہمیں بھی پکارا گیا۔ انہوں نے جلدی کی لیکن ہم نے سستی کی پھر اس وقت ہمارا کیا حال ہوگا جب قیامت کے دن ہم سب کو پکارا جائے گا۔ ہم نے ان کلمات کو چھوڑ دیا جو سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے کہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو جو اس کی طرف جلدی کرنے والا ہے اس بندے کی طرح نہیں کریں گے جو اس سے سستی کرنے والا ہے۔ اور جس کے عمل نے اسے پیچھے کر دیا اس کا نسب اسے آگے نہیں کر سکتا۔

عزت و نصرت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سچی اتباع میں ہے اور جتنا ہم ان پاکیزہ ہستیوں سے منہ موڑتے جائیں گے ذلت و رسوائی میں گرتے جائیں گے۔ اگر اللہ کا احسان ہمارے اوپر نہ ہوتا تو ہم ہلاک ہو جاتے اور زمین میں دھنسا دیے جاتے۔ ہم سب کو اس کی ضرورت ہے کہ اپنے نفس کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر پیش کرتے رہیں۔

لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو نفس پر غالب آ جاتے ہیں اور دوسرے وہ جن کا نفس ان پر غالب آ جاتا ہے اور یہ لوگ کثیر تعداد میں ہیں جس نے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی تو جہنم اس کا ٹھکانہ ہے۔

محمد بن واسع ؒ فرماتے ہیں کہ ''میں نے سو خیر کی خصلتیں ایسی شمار کیں جن میں سے ایک بھی مجھ میں نہ تھی'' اور فرمایا ''اگر گناہوں کی بو ہوتی تو کوئی میرے پاس نہ بیٹھ سکتا''

کیا ہمیں بھی اپنے بارے میں ایسا کوئی گمان ہے؟ کہاں ہم اور کہاں توکل اور انابت اور محبت اور خوف ورجاء کی باتیں۔ یہ معانی ہماری زندگیوں میں بدل گئے ہمیں مال و دولت کے حصول کی دوڑ دھوپ نے ان قیمتی موتیوں کو ہماری نظروں میں غبارِ راہ بنا دیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے تو خوف اور ایمان کو جمع کیا اور ہم ان دونوں کی نقیض کو جمع کر رہے ہیں اور ہمارا فعل ہمیشہ ہمارے قول سے پیچھے ہوتا ہے۔ مستحبات کا ذکر چھوڑیئے کیا صرف فرائض ہی کو ہم پورا کر رہے ہیں؟ ان میں سچ کی پونجی کہاں کھوگئی؟

ابراہیم بن ادھم سے کہا گیا ''کیا بات ہے کہ ہم عائیں مانگتے ہیں لیکن قبول نہیں ہوتیں'' تو انہوں نے فرمایا ''کیونکہ تم اللہ کو جاننے کے باوجود اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے اور رسول اللہ ﷺ کو جاننے کے باوجود ان کی سنت کا اتباع نہیں کرتے اور قرآن کو جاننے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتے اور اللہ کی نعمتیں کھا کر اس کا شکر یہ ادا نہیں کرتے اور جنت کو جاننے کے باوجود اس کی طلب نہیں کرتے اور جہنم کو جاننے کے باوجود اس سے بھاگتے نہیں اور شیطان کو جاننے کے باوجود اس سے لڑتے نہیں اور اس کی موافقت کرتے ہو اور موت کو جاننے کے باوجود اس کی تیاری نہیں کرتے، مردوں کو دفن کرنے کے باوجود ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور اپنے عیوب کو چھوڑ کر لوگوں کے عیوب میں مشغول ہوتے ہو''

اللہ کے بندو! کل پردہ اٹھ جائے گا اور واضح ہو جائے گا کہ جس کی پونجی نفاق تھی اس کو جو حاصل ہوا وہ سراب کے سوا کچھ نہ تھا۔ قول وعمل کی سچائی خدا کے سواء کوئی نہیں دے سکتا اس لئے یہ دولت اسی کے در سے مانگی جائے حتیٰ کہ ہم سلامتی سے اس گھر سے ''سلامتی والے گھر'' کو منتقل ہو جائیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین غیب پر ایمان رکھتے تھے اور فانی لذات اور انسانی مشاہدات اور وقتی محسوسات اور نبی اکرم ﷺ کی خبر کے مخالف مادی تجربات کو چھوڑ دیتے تھے۔ گویا کہ وہ مغیبات اور چھپی ہوئی چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور مشاہدات کو جھٹلا رہے تھے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت

اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا "میرے بھائی کا پیٹ چالو ہو گیا ہے" آپؐ نے فرمایا "اس کو شہد پلاؤ" وہ گیا اور اس کو شہید پلایا۔ پھر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ اس کا پیٹ تو اور بھی چالو ہو گیا" تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ نے سچ کہا تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے جاؤ اور اسے شہد پلاؤ" اس نے جا کر پھر شہد پلایا تو وہ تندرست ہو گیا۔ (بخاری)

یہ تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سچا یقین حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ عبداللہ جب کسی ضرورت سے آتے تو دروازے کے پاس ٹھہر جاتے اور کھنکارتے اور اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ اچانک کوئی ناگوار بات نہ پیش آ جائے تھوک پھینکتے ایک دن وہ آئے اور انہوں نے کھنکارا۔ اس وقت میرے پاس ایک بڑھیا میرے لیے ایک وبائی مرض کا تعویذ کر رہی تھی تو میں نے اسے چارپائی کے نیچے داخل کر دیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ آئے اور میرے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے میرے گلے میں ایک دھاگہ دیکھا۔ تو پوچھا کہ یہ کیسا دھاگہ ہے فرماتی ہیں میں نے کہا "اس دھاگے میں میرے لیے تعویذ کیا گیا ہے" حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ کر کاٹ دیا اور فرمایا آل عبداللہ شرک سے بری ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تعویذ اور نظر بد سے بچنے کے لئے لٹکائے جانے والے گھونگھے اور بیوی کا خاوند کے لئے محبت کا جادو ٹونا کرانا شرک ہے"

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے آپؓ سے عرض کیا۔ ایک دفعہ میری آنکھ میں تکلیف تھی تو میں فلاں یہودی کے پاس گئی جو تعویذ کرتا ہے تو جب اس نے تعویذ کیا تو میری تکلیف رک گئی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ شیطان کی طرف سے تھا۔ وہ اپنے ہاتھ سے (کیل وغیرہ) چبھو دیتا ہے جب وہ تعویذ وغیرہ کرتا ہے تو وہ اسے ہٹا دیتا ہے۔ تمہارے لئے یہ کہنا ہی کافی ہے جو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اذھب البأس رب الناس اشف انت الشافی، لا شفاء الاشفاء ك شفاء لایغادر سقما" "لوگوں کے رب! تکلیف وسختی کو ختم فرما۔ شفاء نصیب فرما دے اور شفاء دینے والے آپ ہی ہیں۔ شفاء صرف آپ ہی دیتے ہیں ایسی شفاء جو بیماری کو نہ چھوڑے۔

یہ ان فرشتہ صفت ہستیوں کا خدا کے پیغمبر کے فرمان پر سچا یقین تھا پھر ان حضرات نے سچائی کے ساتھ رسول خدا کی باتوں پر عمل کیا تو خدا نے انہیں دنیا و آخرت میں سب عزتوں اور نصرتوں سے نوازا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بظاہر دب کر صلح کرنا گراں گذرا کہ جب ہم حق پر ہیں اور وہ مشرک باطل پر ہیں تو پھر ہم دب کر صلح کیوں کریں اور بالآخر آپ نے اپنا یہ خلجان بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا "اے ابن خطاب! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ مجھے ہرگز ضائع نہ کریں گے" یہ سننا تھا کہ آپ کے دل کو قرار آ گیا۔ کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جو اپنا آنکھوں دیکھا جھٹلا دیتے تھے۔ مگر خدا کے رسول کے فرمان کو برحق گردانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنی اسی کیفیت کا ذکر جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا تو انہوں نے فرمایا "وہ اللہ کے رسول ہیں اور کبھی بھی اپنے رب کی نافرمانی نہیں کر سکتے اور اللہ ان کا مددگار ہے۔ ان کی اتباع کو لازم پکڑے رہو وہ حق پر ہیں"

جب مصر فتح ہوا تو مصر والے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو مصر کے حاکم تھے کے پاس آئے یہ ان کے سب سے مشہور تہوار کا موقع تھا۔ جس کا نام "بوؤنہ" تھا۔ انہوں نے عرض کیا اے امیر المومنین! ہمارا نیل کا دریا ہر سال اسی تہوار کی رسمیں پوری کرنے سے چلتا ہے۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا جب اس مہینے کی بارہ راتیں گزر جاتی ہیں تو ہم ایک کنواری لڑکی کے والدین کو راضی کر کے اس کو خوب بہترین ملبوسات اور زیورات پہنا کر اس میں ڈال دیتے ہیں۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ تو اسلام میں نہیں ہے اور اسلام اپنے سے پہلی روایات کو مٹاتا ہے" انہوں نے "بوؤنہ" کو روک دیا۔ ادھر نیل کا پانی رک گیا اور خشک ہو گیا اور لوگوں کی پریشانی بڑھنے لگی حتیٰ کہ بعض لوگ نقل مکانی کا سوچنے لگے۔

اس پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو خط میں لکھا کہ آپ نے جو کچھ کیا درست کیا اور میں آپ کو اس خط میں ایک کاغذ کا ٹکڑا بھیج رہا ہوں اس کو آپ دریائے نیل میں پھینک دیں۔ جب خط

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا تو آپ نے وہ ٹکڑا کھولا تو اس میں یہ لکھا ہوا تھا ''یہ خط اللہ کے بندے امیر المومنین کی طرف سے دریائے نیل کو ہے۔ اما بعد۔ اگر تم اپنی مرضی سے چلتے ہو تو مت چلو اور اگر خدائے واحد تجھے چلا رہا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ تجھے چلا دے''

چنانچہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ کاغذ کا ٹکڑا دریائے نیل میں پھینک دیا ہفتہ کے دن صبح کے وقت لوگوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی رات میں دریائے نیل کو سولہ گز بلندی تک چلا دیا۔

یہ ایمان افروز واقعہ اسلام کی سچی تعلیمات پر سچے یقین کو بتلاتا ہے۔ سہم بن منجاب کہتے ہیں کہ ہم حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے چلتے چلتے ہم دارین آ گئے۔ ہمارے اور دشمنوں کے درمیان سمندر تھا۔ انہوں نے خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا کہ اے جاننے والے، اے بردبار، اے بلند و برتر ہم تیرے بندے ہیں اور تیرے راستے میں تیرے دشمن سے لڑ رہے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں ان کی طرف راستہ عطا فرما دے یہ دعا مانگ کر آپؓ ہمیں لیکر سمندر میں کود گئے کیا دیکھا کہ ہمارے گھوڑوں کی زین کے نیچے والے اونی کپڑے تک بھی پانی نہیں پہنچا تھا اور ہم دریا کے اس پار نکل گئے۔

ابن ابی حاتم نے روایت بیان کی ہے کہ حجر بن عدی کو قادسیہ کے دن جب دجلہ حائل ہوا تو فرمایا ''تمہیں دشمن کے پاس پہنچنے سے صرف یہی نطفہ یعنی دجلہ ہی روک رہا ہے کوئی نفس اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں مر سکتا اللہ کے ہاں اس کا مقررہ وقت ہے'' پھر اپنے گھوڑے کو پانی میں ڈال دیا جب انہوں نے ایسا کیا تو باقی لوگوں نے بھی اپنے گھوڑوں کو پانی میں گھسا دیا۔ جب دریا کے پار دشمنوں نے اہل ایمان کے ایمان کا یہ نظارہ دیکھا تو شدید خوف زدہ ہو کر یہ کہہ کر بھاگ کھڑے ہوئے کہ ''دیو آ گئے، دیو آ گئے''

مدینہ کے قریب حرہ مقام سے آگ نکلی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور فرمایا اس آگ کی طرف چلو انہوں نے کہا اے امیر المومنین! میں کون ہوں اور کیا ہوں؟ پھر تھوڑی دیر بعد ان کے ساتھ چل پڑے، معاویہ بن حرمل کہتے ہیں کہ ''میں ان دونوں کے پیچھے ہولیا، وہ دونوں آگ کی طرف چل پڑے۔ پھر وہ دونوں آگ کو

اپنے دونوں ہاتھوں سے ہنکاتے رہے حتی کہ آگ گھاٹی میں داخل ہوگئی۔ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ بھی اس کے پیچھے داخل ہوگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جس نے نہیں دیکھا وہ دیکھنے والے کی طرح نہیں ہوسکتا''

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے ایمان کے چند نمونے ہیں اگر ان حضرات کی سچی زندگیوں کو شمار کرنے بیٹھو تو ایک ایک کی زندگی کے تذکرے دفتروں کے دفتر میں آئیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ یہ اس سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار تھے کہ جب آپؐ کے سامنے خندق کے دن ایک چٹان آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کہہ کر چوٹ لگائی تو اس کے تہائی میں شگاف ہوگیا پھر آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر رب کعبہ کی قسم روم کے محلات۔ پھر دوسری چوٹ لگائی پھر شگاف واقع ہوگیا پھر آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر رب کعبہ کی قسم فارس کے محلات۔ اس وقت منافقین نے کہا ہم تو خندق میں چھپ رہے ہیں اور وہ ہم سے روم اور فارس کے محلات کا وعدہ کررہے ہیں۔

ان منافقوں کے منہ میں خاک جو جھوٹ پر پل کر جوان ہوئے۔ کیا دنیا نے میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں کی سچائی کو دیکھ نہ لیا تھا۔ یاد رہے کہ منافقوں کے سوا کسی نے بھی رسول خدا کے اس انوکھے وعدے کو شکوک کی نگاہ سے نہ دیکھا تھا۔

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سچا یقین تھا کہ روم کی جنگ میں اتنے زیادہ رومی دیکھ کر بھی حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''روم والے کتنے کم ہیں اور مسلمان کتنے زیادہ ہیں۔ لشکر کی کثرت صرف نصرت سے ہوتی ہے اور ان کی قلت بے یار و مددگار چھوڑ دینے سے ہوتی ہے نا کہ آدمیوں کی تعداد سے۔ اللہ کی قسم مجھے یہ پسند ہے کہ اشقر (گھوڑا) اپنی ٹانگوں کی کمی سے بری الذمہ ہوجائے اور وہ باوجود کثرت تعداد کے ضعیف ہیں۔

آیئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے چٹانوں سے بھی مضبوط یقین کا ایک واقعہ پڑھتے ہیں، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے اور عربوں نے ہر جانب سے بغاوت کی شورش برپا کردی اور سبھی عرب مرتد ہوگئے اور نفاق ظاہر ہوگیا اور یہودیت و نصرانیت نے گردن لمبی کرلی۔ اور مسلمان اپنے نبی کے دنیا سے رخصت ہوجانے اور اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کی وجہ سے اس بکری کی طرح ہوگئے تھے جو سردیوں کی رات میں ٹھٹھر رہی ہو۔ تو اس وقت

دیگر حضرات نے جناب صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لشکر اسامہ کو روک لینے کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اور وہ سب سے زیادہ دوراندیشی سے کام لینے والے تھے کہ ''میں اس لشکر کو روک دوں جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا ہے اگر ایسا ہوا تو میں بہت بڑے کام کی جرات کروں گا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے عربوں کا مجھ پر ظلم وستم کرنا مجھے اس سے محبوب ہے کہ میں اس لشکر کو روکوں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا ہے۔ اے اسامہ! اپنے لشکر کو اسی طرف لے چلو جہاں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا ہے پھر فلسطین کی جانب اور اہل موتہ پر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے حملہ کرو۔ اللہ تعالیٰ اس چیز میں کفایت کرے گا جو چھوٹ گئی۔

موتہ کے دن جب دو لاکھ دشمن جمع ہوئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور فرمایا'' اے لوگو اللہ کی قسم جس چیز کو تم ناپسند کر رہے ہو اور جس کے لئے تم نکلے ہو وہ شہادت ہے پس شہادت کو طلب کرو۔ ہم کبھی بھی لوگوں سے تعداد اور قوت و کثرت کی وجہ سے قتال نہیں کرتے۔ ہم صرف اس دین کی وجہ سے قتال کرتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ نے ہمیں عزت دی۔ لہٰذا آگے بڑھو۔ دو اچھائیوں میں سے ایک ضرور حاصل ہوگی یا غلبہ یا شہادت لوگوں نے کہا'' اللہ کی قسم! ابن رواحہ نے سچ کہا''

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی یہ زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے۔ اگرچہ آج ہماری روحانی حالت بہت خستہ ہے مگر مایوس ہونا درست نہیں کہ خدا کی رحمت سے کافر ہی مایوس ہوتے ہیں خدا اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کر کے رہے گا اور ایسا مسلمانوں کو سچے دین پر سچائی کے ساتھ جمانے سے ہی ہوگا یاد رہے کہ اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک مسلمان یہودیوں سے قتال نہیں کریں گے حتیٰ کہ یہودی پتھروں اور درختوں کے پیچھے چھپیں گے تو پتھر اور درخت کہیں گے اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ میرے پیچھے یہودی ہے اس کو قتل کرو۔ صرف غرقد کا درخت نہیں بولے گا کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ صحیح راستہ دراصل وہی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے اور وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو مضبوطی

سے تھامنا ہے۔اور یہی وہ بات ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ بھیجی تھی کہ:

''ہم ذلیل لوگ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دین کی وجہ سے عزت دی اور جب بھی ہم اس دین کے علاوہ میں عزت ڈھونڈیں گے تو اللہ ہمیں ذلیل کریں گے''

جھوٹ پھیلتا جارہا ہے

آج ہم اپنی آنکھوں سے جھوٹ کا غلبہ اور غلغلہ دیکھ رہے ہیں اور اپنے کانوں سے سن رہے ہیں یہاں تک کہ کوئی طبقہ اور کوئی پیشہ ایسا نہیں بچا جس میں جھوٹ نہ پھیل چکا ہو۔اور جس طرح جماعتوں میں جھوٹ پھیل چکا ہے ایسے ہی گھروں اور خاندان کے افراد میں بھی یہ جڑ پکڑ چکا ہے۔یہاں تک کہ ماں باپ اپنے بچوں سے ہنسی مذاق اور دل لگی کے طور پر بھی جھوٹ بولتے ہیں پھر اس جھوٹ کو آج ضروریات زندگی میں سے سمجھا جانے لگا ہے۔ تجارت اور کاروبار کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ بغیر جھوٹی قسموں کے اس کا مال نہیں بکے گا اور بات اس سے بھی آگے نکل گئی ہے کہ لوگ جھوٹ نہ بولنے والے کو ناسمجھ اور بڑی چالاکی کے ساتھ جھوٹ بولنے والے کو عقل مند کہنا شروع ہو گئے ہیں پھر جھوٹ کھلنے پر شرمندہ نہ ہونا بھی سمجھداری کا حصہ بن چکا ہے۔بعض لوگ شیطانی الہام سے اس جھوٹ کی کئی علتیں پیش کرتے ہیں کہ جھوٹ مصلحت کے لئے بولنا جائز ہے اور اس مرض سے نہ کوئی غنی بچا ہے نہ فقیر اور نہ کوئی بڑا اور نہ کوئی چھوٹا مالدار ڈرانے کے لئے جھوٹ بولتے ہیں اور غریب دھوکہ دینے کے لئے تا کہ مالداروں سے خوب مال بٹورا جائے۔

یہی حال خیانت کا بھی ہے جو جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے کہ خیانت دلوں اور دماغوں پر چھا گئی ہے۔یہ سب کچھ ایمان کو اس کی جگہ سے ہٹا دینا ہے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو حدیثیں بیان فرمائی ان میں سے ایک ہم دیکھ چکے ہیں اور دوسری کا انتظار کر رہے ہیں۔ایک حدیث ہم سے یہ بیان فرمائی کہ امانت آدمیوں کے دلوں کی جڑ میں نازل ہوئی پھر قرآن نازل ہوا پس قرآن کو سیکھو اور سنت کو

سیکھو۔ پھر امانت کے اٹھ جانے کے بارے میں ہم سے حدیث بیان کی کہ آدمی سورہا ہوگا کہ امانت اس کے دل سے قبض کرلی جائے گی۔ اس کا اثر نقطہ کی مثل رہ جائے گا پھر سوئے گا اور امانت اس کے دل سے قبض کرلی جائے گی اور اس کا اثر چھالہ کی مثل رہ جائے گا جیسے انگارہ تمہارے پاؤں پر گرا اور آبلہ پڑ گیا پھر اسے ابھرا ہوا دیکھتے ہو۔ حالانکہ اس میں ہوتا کچھ نہیں پھر کنکریاں لیکر پاؤں پر پھینکتا ہے پھر لوگ باہم خرید وفروخت کرنے لگیں گے مگر کوئی بھی امانت ادا کرنے والا نہیں ہوگا۔ حتی کہ کہا جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک امانتدار آدمی ہے۔ یہاں تک کہ آدمی کو کہا جائے گا کتنا باہمت اور کتنا ذہین اور عقلمند ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہیں ہوگا اور میں نے ایسا زمانہ پایا ہے جس میں مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں نے کسی سے خرید وفروخت کا معاملہ کیا اگر وہ مسلمان ہے تو وہ مجھے اپنا قرض لوٹا دے گا اور اگر نصرانی یا یہودی ہے تو انکا صدقات وصول کنندہ مجھے لوٹا دے گا مگر آج میں صرف فلاں فلاں سے ہی خرید وفروخت کرسکتا ہوں۔ (مسلم)

ایک صحابی رسول کا اپنے عہد کے بارے میں یہ بیان ہے تو بھلا ہمارے آج کے اس عہد کا کیا ہوگا؟

سچ اور جھوٹ کی جنگ جاری رہے گی:

سچائی کی دعوت کا راستہ بڑا پرخار ہے اور دشمن اہل ایمان کی تاک میں ہے کہ کہیں یہ بیدار نہ ہوجائیں۔ اور دشمن چاہتا ہے کہ ابن سلول جیسے منافق قیامت تک اسلامی معاشرہ میں زندہ رہیں۔ اس لئے ہم دشمن کو موقع نہ دیں اور اجتناب و احتیاط برتیں اور عام مسلمانوں سے اور خاص طور پر نیک لوگوں سے حسن ظن ضروری ہے اور ان کے کام کی اچھی سے اچھی تاویل کریں۔ مومن، لوگوں کے لئے عذر تلاش کرتا ہے اور منافق لوگوں کی غلطیاں ڈھونڈتا ہے۔ ہم اپنے ماتحتوں سے تو پرسش احوال کرسکتے ہیں لیکن دوسروں کی بابت تجسس سے منع کیا گیا ہے۔ ہم اپنی زبان کو قابو میں رکھیں جیسا کہ پہلوں نے کیا اور اس سے کہے اے زبان! خیر کی بات کر تو تمہیں فائدہ حاصل ہوگا یا شر سے رک جا تو ندامت

سے پہلے سلامتی پالے گی اوراس میں کوئی حرج نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''انسانوں کوجہنم میں اوندھے منہ گرانے والی زبان کی کھیتیاں ہی ہیں'' (ترمذی)

اسی سے جھوٹ اور برائی پھیلتی ہے اور ہم خیر اور حق کے پھیلنے کا سبب بننے کی بجائے اپنے بھائیوں اور اپنی دعوت کے خلاف آلہ تخریب اور آلہ جنگ بن جائیں گے اور اللہ کے نیک بندوں کے خلاف شیطان کا آلہ کار بن جائیں گے۔

اگر ہم اپنی دینی دعوت کو قوی کرنا چاہتے ہیں تا کہ اسلامی معاشرہ اپنی اخلاقی اقدار کو مستحکم کرے تو ہمیں قول وفعل کے تضاد کو ختم کرنا ہوگا اور صدق وصفا کو قائم کرنا ہوگا اور یہ بات ہر آدمی جانتا ہے کہ کردار اور گفتار میں سے زیادہ موثر کردار ہے۔ تو جب صدق ہماری حرکات وسکنات میں پیوست ہو جائے گا اور ہمارے اعضاء سے ظاہر ہوگا تو لوگوں کے لئے سچ کی دعوت کا مدگار بننا آسان ہو جائے گا کردار اور گفتار کے تضاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ سبحان وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ۔ (سورۃ الصف:۲۔۳)

''(مومنو!) تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے خدا اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں''

اور فرمایا:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (سورۃ البقرہ:۴۴)

''(یہ) کیا (عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کرنے کا کہتے ہو اور اپنے تئیں فراموش کیے دیتے ہو حالانکہ تم کتاب (خدا) بھی پڑھتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں''

جب ہم اپنی دعوت میں سچ بولیں گے تو دشمن کو اعتراض کا موقع نہیں ملے گا جس سے وہ سچ کی دعوت کی راہ میں روڑے اٹکا سکے۔ اگر ہم اس دعوت کی کامیابی اور نصرت چاہتے ہیں تو ہمیں صدق اور تمام ایمانی اور اخلاقی مقاصد کی رعایت کرنی پڑے گی۔ بلکہ یہ ہمارے ایمان کے لوازم میں سے ہے اور دنیا و آخرت میں ہمارے لئے باعث سعادت ہے اور دین اچھے اخلاق کا نام ہے اور نبی اکرم ﷺ اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجے گئے تھے قیامت کے دن حضور اکرم ﷺ کے سب سے قریب اور سب سے افضل ایمان والا وہ ہوگا جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں بلکہ بداخلاقی جہنم میں جانے کا سبب ہوگی اگرچہ انسان دن کو روزے رکھے اور رات کا قیام کرے۔ اللہ سبحانہ نے اپنے نبی ﷺ کی تعریف اس قول سے فرمائی ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ (سورۃ القلم:۴)

''اور اخلاق تمہارے بہت (عالی) ہیں''

اسلام ہمیں اعلیٰ اخلاق سے آراستہ ہونے کی دعوت دیتا ہے تنگی میں بھی کشادگی میں بھی، پسندیدگی میں بھی اور ناپسندیدگی میں بھی، اور دوستوں کے ساتھ بھی اور دشمنوں کے ساتھ بھی۔

اسلام نے ان سب امور کی تفصیل بیان کر دی ہے اور ہمیں یورپ کے کھوکھلے معاشرے کی کسی بھی قدروں کو لینے کی ضرورت نہیں۔ اگر ہم غور کریں تو دیکھیں گے کہ اسلامی اخلاق کا دائر بہت وسیع ہے اس میں انسان کے تمام افعال آجاتے ہیں چاہے وہ نفس کے متعلقہ ہوں یا نفس کے غیر کے اور چاہے وہ فرد کے متعلقہ ہوں یا جماعت یا ملک کے پس کوئی چیز بھی دائرہ اخلاق سے نہیں نکلے گی جس کی نظیر ہمیں نہ کسی گذشتہ شریعت میں ملے گی اور نہ ہی کسی جدید وضعی نظام میں ملے گی۔

آج کے اس دور میں انفرادی سطح سے لے کر اجتماعی سطح تک اور بین الممالک تعلقات کی حد تک بھی دھوکہ فریب، گمراہی اور جھوٹ کی سیاست لوگوں کے کمالات سمجھے جاتے ہیں۔ اسلام اس اپاہج نظریہ کو مٹاتا ہے۔

بلکہ فقہاء اسلام نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ مسلمان جب امان لیکر دار حرب میں داخل ہوں تو ان کے لیے وہاں والوں سے خیانت کرنا جائز نہیں کیونکہ ان سے خیانت کرنا دھوکہ

ہے اور اسلام میں دھوکہ جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے اگر چہ خیانت کافر قوم کے ساتھ ہی ہو اور خواہ وہ کافر ہی عہد توڑ ڈالیں مگر مسلمان پھر بھی نہ دھوکہ دیں اور نہ بدعہدی کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ۔ (سورۃ الانفال:۵۸)

''اور اگر تم کو کسی قوم سے دغا بازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) انہی کی طرف پھینک دو (اور) برابر (کا جواب دو) کچھ شک نہیں کہ خدا دغا بازوں کو دوست نہیں رکھتا''

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ہر حال میں اور تمام وسائل و مقاصد میں اخلاق کا التزام کریں۔ اور ہر ایسی بداخلاقی سے گریز کریں جس سے ہمارے رب کی رضا ہم سے دور ہو اور ہم سے اس کی نصرت موخر ہو۔

الغرض جھوٹ اور خیانت یہ فرد اور جماعت کے لئے ہلاکت ہے۔ اور نہ ہم میں سے کوئی عذر پیش کرے کہ میری بداخلاقی کی وجہ یہ ہے کہ میری تربیت ہی ایسی ہوئی ہے اور اب میں اپنی یہ عادت بدل نہیں سکتا کہ یہ سب جھوٹ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَنَفْسٍ وَّمَاسَوّٰهَا......وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا''

(الشمس:۷۔۱۰)

''اور انسان کی قسم اور اس کی جس نے اس (کے اعضاء) کو برابر کیا پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی کہ جس نے (اپنے) نفس (یعنی روح) کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ خسارے میں رہا''

پس ہم اللہ سے مدد چاہیں اور کثرت سے دعا و استغفار کرتے رہیں اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھتے رہیں۔ یاد رہے کہ دینداری یہ ہے کہ اللہ کی حرمات یعنی حرام کردہ چیزوں اور اس کی ناراضگی سے بچیں اور اپنے نفس کو سدھائیں اور قابو کریں۔ نبی اکرم ﷺ اور

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی تابعداری کی ان کے نقش قدم پر چلیں ان پاکیزہ اخلاق کو بتکلف کرتے رہیں حتی کہ وہ اخلاق طبیعت بن جائیں اور اس میں مجاہدہ ضروری ہے اور خدا کا کوئی حکم دنیا و آخرت کی خیر سے خالی نہیں۔ اور جو نیکیوں کے لئے کوشش کرتا ہے خدا اس کو اپنی ہدایت کے راستے دکھلاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (سورۃ العنکبوت:۶۹)

''اور جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھادیں گے اور خدا تو نیکوکاروں کے ساتھ ہے''

ہمیں جاننا چاہیے کہ ہم اسلام کی سرحدوں میں سے ایک سرحد پر ہیں لہٰذا ہم اس سے بچیں کہ ہماری جانب سے ہی عدم صدق اور بداخلاقی ہو اور بداخلاقی اسلام پر حملہ کا سبب بنے۔ اور اگر ابھی تک ہماری اخلاقی تربیت ہونے سے رہ گئی ہے تو ہم مایوس نہ ہوں بلکہ خود کو اسلامی اخلاق کا خوگر بنائیں اور ان سے خود کو آراستہ کریں۔ اس لئے اپنی اخلاقی بیماری کی دوا لینا شروع کریں۔ خواہ وہ نفس کو گراں ہو۔ ہمیں ایسے لوگ ضرور ملیں گے جو رب کی اطاعت پر ہماری مدد کریں لہٰذا ہم محنتی اور سچے بنیں۔ اللہ ہلاکت میں اسی کو ڈالتے ہیں جس کے مقدر میں ہلاکت ہو اور ہزاروں میل کے سفر کی ابتداء بھی ایک قدم سے ہوتی ہے۔ اور جب قدم اٹھاتا ہے تو اس کو منزل مل ہی جاتی ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

دُنیا سے بے رغبتی

زہد و تقویٰ جیسے اہم موضوع پر امام بخاری کے استاذ، شیخ عظیم، محدث کبیر، مجاہد فی سبیل اللہ
امام عبداللہ بن مبارک کی مستند و معروف عربی کتاب "الزہد والرقائق" کا پہلی بار
مفید اردو ترجمہ جس کا مطالعہ ہر خاص و عام کے لیے یکساں مؤثر بھی ہے اور چشم کشا بھی۔

اُردو ترجمہ

کتاب الزھد

مؤلف

حضرت عبدُاللہ ابن مُبارکؒ

مترجم

لجنۃ المصنفین

بیتُ العُلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون ۷۳۵۲۲۸۳

اطاعتِ والدین

والدین کی عظمت، اُن کی فرمانبرداری اور اُن کے
حقوق کا مفید اور معلوماتی جامع تذکرہ

جناب حکیم محمود احمد ظفر

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳